بلوچی لوک ادب

تالیف وترتیب

عابد میرؔ

بلوچی اکیڈمی کوئٹہ

www.balochiacademy.org

Email: balochiacademy@gmail.com

(c) All rights are reserved.
اے کتاب ءِ درائیں حقّ گوں اکیڈمی ءَ انت۔
بیدئے اکیڈمی ءِ رضاءَ کسّ ایشی ءِ مواداں چاپ کُت نہ کنت۔

(انٹرنیٹ ایڈیشن)

کتاب نام ... بلوچی لوک ادب

ترتیب وتالیف ... عابد میرؔ

پرنٹر ... شوکت برادرز پریس، کراچی

اشاعت اول ... 2016ء

قیمت ... 300روپے

ISBN # 978-969-680-003-3

اپنی زبانوں کے لوک ادب کو محفوظ بنانے والوں کے نام!

فہرست

مضامین		صفحہ
پیش لفظ.........	عابد میر	5
بلوچی فوک	شاہ محمد مری	7
اساطیر	......	15
لوک کہانیاں	......	54
کلاسیکی قصے	......	200
رومانوی داستانیں	......	291
لوک موسیقی اور شاعری	......	438
منتخب لوک شاعری	......	470

پیش لفظ

لوک ورثہ کسی بھی خطے اور اس کے باسیوں کے مخصوص مزاج کا حقیقی عکس ہوتا ہے۔ دلچسپ یہ ہے کہ اپنا اپنا مخصوص رنگ اور ذائقہ لیے ہوئے ہونے کے باوجود دنیا بھر کا لوک ادب یوں باہم پیوسط ہے کہ اسے یکسر الگ کر دینا شاید ہی ممکن ہو۔ اس لیے، تمام ابتدائی اساطیر سے لے کر لوک کہانیوں اور رومانوی داستانوں تک، لوک ورثے کے تمام مظاہر ذرا سے فرق سے ہر خطے میں پائے جاتے ہیں۔ ہم نے محض اپنے خطے کے اس لوک ورثے کے ایک ممکنہ حصے کو یک جا کرنے کی اپنی سی سعی کی ہے۔

یہ کہنے کی شاید ضرورت ہی نہیں کہ یہ کتاب تصنیف نہیں (شاید تالیف بھی نہیں)، کہ لوک ادب کی تصنیف کا دعویٰ بھلا کون کر سکتا ہے۔ یہ سارا ورثہ ہم تک سینہ بہ سینہ ہی پہنچا ہے۔ وہ اچھے بزرگ تھے، جنھوں نے پہلی بار اسے تحریری شکل دی۔ اس لیے اصل شکریے کے مستحق وہی ہیں؛ مگر ستم یہ ہے کہ ہم ان اولین ناموں سے بھی آشنا نہیں۔

البتہ ان احباب کا تذکرہ فرض ہے جن کی تحریر و تصنیف سے اس مجموعے کے لیے استفادہ کیا گیا۔ اساطیر کے ضمن میں 'قدیم بلوچی کہانیاں' اور 'پریوں کی کہانیاں' کے عنوان سے عبدالغفار ندیم کے تراجم پیشِ نظر رہے۔ لونگ ورتھ ڈیمز کی کاوش سے ایک حصے کو 'بلوچی لوک کہانیاں' کے نام سے ترجمہ کرنے والے بشیر بلوچ کے تراجم کو از سر نو دیکھنا پڑا۔ انگریزی متن کے مطابق جہاں مناسب ہوا، زبان کو بہتر بنانے کی کوشش کی گئی۔ کلاسیکی قصے اور رومانوی داستانوں کا اکثر حصہ شاہ محمد مری کی ضخیم تصنیف 'بلوچی زبان و ادب کی تاریخ' سے لیا گیا۔ اس ضمن میں کچھ مدد غوث بخش صابر کے تحریر کردہ، لوک ورثہ کی جانب سے شائع شدہ 'پاکستان کا ثقافتی انسائیکلوپیڈیا' کی جلد سوم (بلوچستان) کے حصہ بلوچی سے بھی لی گئی۔ ان احباب کا اسلوب اس قدر رواں، سلیس، اور عوامی ہے کہ اس میں

مزید کسی تردد کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔لوک ورثے کی مناسبت سے آخر میں شامل کچھ منتخب شاعری ٹی جے ایل میئر کی تصنیف سے ماخوذ ہے۔یوں ہم نے بلوچی لوک ورثہ کے آسمان سے ستارے چن چن کر لوک ادب کی ایک کہکشاں مرتب کرنے کی کوشش کی ہے۔

یہ وضاحت شاید ضروری ہے کہ اس کتاب کے متوقع قارئین بالخصوص غیر بلوچ ، نیز بلوچی سے ناواقف احباب ہیں، اس لیے متن اور تراجم کی ترتیب وتدوین انھی کی سہولت کے پیش نظر رکھی گئی ہے۔اس ترتیب وتدوین کے دوران یہ خیال پیش نظر رہا کہ ایک ایسا مرقع مجتمع کیا جا سکے جو بلوچی سے ناواقف بلوچ، یا غیر بلوچ و بیرونِ بلوچستان قارئین کو بلوچی کے لوک ادب سے خاطر خواہ واقفیت مہیا کر سکے۔نیز بلوچی لوک ورثے کا کوئی گوشہ تشنہ نہ رہ جائے۔

بہرکیف، یہ کاوش کسی بھی لحاظ سے مکمل اور ارفع نہیں۔اس میں تبدیلی اور بہتری کی گنجائش بہرطور موجود رہے گی۔اس ضمن میں قارئین کی آرا، ناقدین کے تبصرے بہتر راہ سجھائیں گے۔

رسول حمزہ توف نے اس بات پر دکھ کا اظہار کیا تھا کہ، ہمارے بچے ہمارے بزرگوں کے کلام کا ترجمہ پڑھا کریں گے.. .مگر میں سوچتا ہوں اگر ترجمے جیسی نعمت نہ ہوتی تو دنیا، داغستان جیسے ایک معمولی سے جزیرے کے اِس غیر معمولی دماغ سے کیسے آشنا ہوتی!

ہمارا لوک ادب، کاش کہ دنیا بھر کی زبانوں میں ترجمہ ہو کر دنیا بھر کی اقوام تک پہنچے . . .وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ جس روز یہ 'انقلاب' رونما ہوا، دنیا بلوچ اور بلوچستان کو مختلف نظر سے دیکھنا اور پرکھنا شروع کر دے گی!!

عابد میر

۱۵ نومبر ۲۰۱۵ء، شال

بلوچی فوک

ہمارا فوک ادب محبت کی کہانیوں ، ہلا دینے والی جنگی داستانوں ، رقص و موسیقی ، اور فطرت دوستی سے زندہ ہے ۔ یہ بے تُرس و بے طرف ہے ۔ اس کے سیکھنے کا مدرسہ انسانی باہمی ملاپ و گفت شنید ہیں ۔ فوک کا مصنف نا معلوم ہے ۔ فوک ادب موسیقی ہے ۔

لیکن ، اگر ایک فقرے میں پوچھا جائے کہ بلوچی فوک ادب کی خصوصیت کیا ہے تو اُس کا ایک ہی جواب ہے : مائتھالوجی ۔

بلوچی فوک کہانی ، فوک شاعری ، ضرب الامثال ، استعارے سب کا سب مائتھالوجی ہے ۔ . . . . . جتنی پرانی یہ قوم ہے ، اُتنی ورائٹی اس کے فوک ادب کی مائتھالوجی میں ہے ۔

البتہ ، بلوچی فوک ادب میں موبد کا تذکرہ نہیں ملے گا ، حالاں کہ آتش پرستی صدیوں تک یہاں کا عقیدہ رہا ۔ اُس کے بعد بدھ مت آیا مگر آپ کو بھکشو کا تذکرہ بھی ہمارے ادب میں نہیں ملے گا ۔ حتیٰ کہ ہمارے فوک میں ملّا کا ذکر بھی نہیں ہے ۔ اور اگر اِکا دُکا کہیں مل بھی جائے تو سو فیصد سمجھ جائیے کہ اُسے منفی انداز میں بیان کیا جا رہا ہو گا ۔ یعنی بلوچ کے ہاں منظم عقیدہ کبھی قدم جما نہ سکا ۔ عقیدہ موجود مگر اُس کا نمائندہ یا نمائندگی کا دعوے دار قطعاً قبول نہیں ۔ عقیدہ بھی بہت کھلا ڈھلا والا ہو گا ۔ فطرت سے زبردست بے تکلفی ، اپنے رب سے بہت گہری دوستی . . . . . اور گہری دوستی میں بلا تکلف اپنی ضرورتوں ، حاجتوں کا تذکرہ ۔

ہاں ایسے بوڑھے دانا کا تذکرہ جگہ جگہ ملتا ہے جو عقل و فہم سے بھرا ہوتا ہے ۔ ساتھ ہی وہ کرامت و مافوق الفطرت قوتوں کا مجسم نمائندہ ہوتا ہے ۔ اسی طرح راکھشس (راکس) کے تذکروں سے ہمارا ادب بھرا پڑا ہے ، جو ہمیشہ منفی کردار میں ہوتا ہے ۔

زرزوال کا گھوڑا اڑ سکتا تھا ، شہ مرید تا ابد زندہ ہے ، دزگند (پامسٹ) بڑھیا محبوبہ کو

اُس کے محبوب کے آ جانے کی تاریخ بتانے کا علم رکھتی ہے، وہاو گند (Dreamer)، جنگ و امن ، بادو باراں، قحط وکلڑ کی پیشن گوئی پر مشتمل خواب دیکھتے ہیں۔ بڑھیا اپنی دانائی کے زور سے حاملہ عورت کے پیٹ میں اولاد کی جنس کے بارے میں بتاتی ہے۔ بکری یا بھیڑ کے شانے کی ہڈی پڑھ کر ہر طرح کی مستقبل گوئی کی جاسکتی ہے۔ پرندوں کی آواز اور اُن کی پرواز کی سمتیں خوش یا بدبختی کا اشارہ کرتی ہیں۔ بھیڑ اور گائے سراپا تقدس ہیں، اُن کا احترام کرنے کے درجوں سے نعمتوں کا نزول ہوتا ہے۔ بیل طاقت واستقامت کا نشان ہوتا ہے۔

تیز شاعری اور اُس کی ہم آہنگ تیز موسیقی جِن، جادو، (ہسٹیر یا) کے امراض کا آج بھی بہترین علاج ہیں۔

ہماری فوک شاعری اور کہانیاں نظریاتی نہیں لگتیں مگر اگر غور سے دیکھا جائے تو اُن میں تصورات، خیالات، آئیڈیاز ہیں۔ بلوچ فوک ادب حتماً روزمرہ زندگی سے وابستہ رہا ہے۔ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ اس لیے کہ کلاسیک اور فوک نے وہ بنیادیں مہیا کردی ہیں۔ نیز بلوچ کے سیاسی حالات اس طرح رہے ہیں کہ زندگی ہی ادب اور موسیقی کا مرکزہ رہی ہے۔ یہ انسانی جذبات وکیفیات کا بلاواسطہ اور بے غرض اظہار ہے، جس میں عالمگیر صداقت کا جوہر پنہاں ہوتا ہے۔ عام فہم اور سادہ الفاظ میں زندگی کے جبر و مہر کا سچا اظہار۔

بلوچی فوک ادب میں قحط سالی کے عذاب بہت تفصیل سے بیان ہیں: ٹڈی دَل، سیلاب، برادر کش قبائلی جنگیں اور دیگر آلام کا تذکرہ ہے۔ اسی طرح مسرت وانبساط کے مواقع کو خوب خوب منایا جاتا ہے۔ شادی، نرینہ اولاد کی پیدائش اور دیگر بشری خوشیوں کا دل کھول کر بیان ہے۔

محبت ہمارے فوک ادب کا من بھاتا موضوع ہے۔ اُس کی ساری کیفیات اور رنگوں کا نظارہ ہمارے فوک ادب میں موجود ہے۔ البتہ، یہ گراں نازو گراں بہا محبت نیکوکاری کے دکھاوے سے پاک ہے۔ بلوچ، افلاطونی محبت پر تین لعنتیں بھیجتا ہے۔ فراق کے طویل

دکھ وصال کے لمحہ بھر میں نیست و نابود ہو جاتے ہیں۔ ہمارے فوک ادب میں اُن، آپ، حضور نہیں ہوتا۔ مصنوعی حجاب کو گولی ماردی جاتی ہے۔ اُس کی جگہ فطری بھاری پن لے لیتا ہے۔ چنانچہ یہاں محبوبہ کے جسم کے اعضا کا تذکرہ موجود ہوتا ہے۔ مگر بہت بھاری پن کے ساتھ۔ بلوچی فوک (دنیا کا ہر فوک) ادب کبھی لچر، ہلکا اور بازاری نہیں ہوتا۔

بلوچی فوک ادب، وطن سے بے پناہ محبت کا ادب ہے۔ حملہ آور کے خلاف، غاصب کے خلاف، اور بغیر عوامی حمایت کے اوپر سے مسلط شدہ کے خلاف ہمارا ادب ہماری تلوار اور ڈھال کی ہمیشہ راہنمائی کرتا رہا ہے۔

ایک کمال معکوسی ارتقا ہے۔ عورت کی تعظیم کے ناقابلِ بیاں اذکار سے ہوتے ہوتے جب ہمارا سماج پدرسری میں داخل ہوتا ہے تو ہمیں اپنے فوک ادب میں عورت کی نظر اندازگی، اُس پہ ہلکا سا طنز اور پھر بالآخر پست مقامی نظر آتی ہے۔

ہمارے فوک ادب کے بہتے رواں دریا میں نئی نئی باتیں شامل ہوتی رہتی ہیں۔ سائنس کی نئی ایجادات، فلسفہ کے نئے نظریات اس میں جگہ پاتے رہتے ہیں۔

ہماری یہ ادبی وراثت سینہ در سینہ ایک نسل سے دوسری نسل کو ثابت یا تغیر پذیر شکل میں منتقلی ہوتی رہتی ہے۔ موسیقیت میں، اختصار میں، پُراثر انداز میں۔

فوک کہانی

بلوچ کے ہاں کہانی، شاعری جتنی ہی قدیم ہے۔ اور دونوں نے ساتھ ساتھ چل کر الگ صنفوں کی صورت اختیار کرلی۔ حالانکہ دونوں بنیاد میں ایک ہی تھے۔ شاعری میں کہانی بیان ہوتی تھی اور کہانی کو شاعری میں بیان کیا جاتا تھا۔

ایک زمانہ تھا کہ بلوچ اپنے بچوں کو پریوں کی کہانیاں سناتے تھے۔ تب پریاں آسمان میں ہوا کرتی تھیں۔ اسی لیے بلوچی میں اِن کہانیوں کو آسمانک یا آزمانک کہتے ہیں۔

بلوچی ادب کا ابتدائی ارتقا شاید خوب صورت انداز میں ہماری لوک کہانیوں میں موجود ہے۔بلوچی فوک کہانیاں اپنی لطافت، تغزل اور بُنت میں ادب کا حسین ترین حصہ ہیں۔

بلوچوں کی کہانیاں بہت شہرت رکھتی ہیں ،جو قصّہ گوؤں کی طرف سے انتہائی مہارت کے ساتھ سنائی جاتی ہیں۔قصہ گو، کا لہجہ زیر وبم کے ساتھ، ترنم و گھن گرج کے ساتھ، کہانی کی سچویشن کی مطابقت میں اٹھتا گرتا ہے۔قصہ گو انتہائی مترنم و متغزل زیر وبم کے ساتھ کہانی سناتا ہے۔ کہانی اُس کے دل کے اندر گھر بسائے ہوئے تھی۔اب وہ اُسے بچوں کو سنا کر اُس کے لیے کئی نئے گھر، کئی نئے دل مہیا کرتا ہے۔بچوں کا معصوم اور وَرجن دل، جسے خدا نے کہانی سے محبت کرنے کے لیے بے شمار سیل عطا کر رکھے ہیں۔

بوڑھی عورتیں یا مرد بچوں کو رات کو سوتے وقت کہانی سناتے ہیں۔لمبی زمستانی راتیں بھلا بغیر کہانی سنائے گزرتی ہیں!۔بچوں کو تو دنیا بھر میں، کہانی مٹھائی سے بھی اچھی لگتی ہے۔ شام ڈھلنے لگتی ہے تو بچے قصہ گو کے گرد چکر لگانا شروع کر دیتے ہیں۔ضد کرتے ہیں، منت کرتے ہیں، دھمکی دیتے ہیں، منہ بسورتے ہیں اور قصہ سن کے ہی رہتے ہیں......۔اور قصہ گو کی ادائیگی کا انداز اتنا مؤثر ہوتا ہے کہ اکثر اِدھر قصہ گو نے قصہ شروع کر دیا اور اُدھر بچے نے خراٹے لینے شروع کر دیے۔۔لوری ہے قصہ۔

ہمارے سماج کی اپنی ترقی سے اس کے ادب میں بھی ترقی ہوتی گئی۔انسانوں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ پر منتقل ہوتے رہنے اور دوسرے انسانی گروہوں سے ثقافتی لین دین نے بھی کہانی کو بہت امیر بنا دیا۔

مشغول رکھنے کی اس صنف میں دیومالائی باتیں بھی تھیں اور ہماری زمین پہ موجود مادی حقیقتیں بھی۔مگر ایک بات عیاں ہے کہ کہانی کا ایک اخلاقی سبق ضرور نکلتا تھا۔بہادری، سخاوت، قول کی پاسداری، کمزور کی حمایت، فطرت کی آفاقی اصولوں کا احترام......

بلوچ کہانی ہمیشہ سے میوزیکل رہی ہے۔اس کا ابتدائیہ باقاعدہ شعر نما ہوتا تھا۔

درمیان درمیان میں بھی کبھی اصل اور کبھی مجہول فقرے بار بار استعمال کر کے اسے دلچسپ بنایا جاتا تھا۔عموماً پسندیدہ فقرہ ہوتا ہے: ''روش بازروش کم،ٹوک بن تکائی مدا گزنت دیر''۔(دن بہت دن تھوڑے، بات ہوتی ہے تیزی کے ساتھ مگر وقت تو گزرتا ہے دیر سے)۔اوراس کا خاتمہ بھی بہت خوب صورت الفاظ میں ہوتا تھا :

قصہ میں جھرا

مس پہ درا

پکہ درژ بر

ما واڑتہ میور

بانگھا سُرگذی

ایں لڈے گزی

ترا ڈسّانی

ترجمہ:

کہانی گِری انگاروں میں

میں رہا باہر

میوے پک گئے ہیں

ہم نے میور نامی میوہ کھایا

کل صبح سرخ پوش قافلہ گزرے گا

تمھیں دکھاؤں گا

ہماری ابتدائی لوک کہانیوں میں ہمیں زرتشی عہد سے لے کر بدھ ازم تک جیسا زمانہ ملتا ہے۔ جہاں بس فطرت ہے اور انسان ہیں۔فطرت کی مہربانیاں ہیں اور انسان ہے اور فطرت کی قہرمانیاں ہیں اور انسان ہیں۔راکھشس ہیں، انسانی جنگ و استقلال کے مظاہر

ہیں۔ ہر شیطانی قوت سے ٹکرانے کے بعد انسان ہی کامیاب وسرخرو ہوتا ہے۔ انسانی آبادیوں سے ہزاروں میل دور عبادت میں مصروف فقیر ہیں، جوگی ہیں۔ بھائی چارہ ہے، باہمی مدد و امداد ہے اور ایک غیر طبقاتی معاشرہ قائم ہے، جہاں نیکی ہی نیکی ہے۔

یہ محض قصے کہانیاں نہ تھیں، یہ انسانی اعلیٰ اقدار کی ترجمان تھیں۔ یہ ظلم کے خلاف، سازش وغیبت و بے گانگی کے خلاف، دھوکہ، جھوٹ، ایذا رسانی اور استحصال کے خلاف ایک مسلسل کمپین تھیں۔ ان میں بھائی چارے کی تلقین تھی۔ سچ، حق، دوستی اور وفا کے تذکرے تھے۔ ان کے اندر انسان دوستی، وطن سے پیار اور فطرت دوستی شامل تھی۔ انکار، مزاحمت اور قربانی کی داستانیں تھیں۔

بعد ازاں جب بلوچ بادشاہی نظاموں کے ساتھ رابطے میں آئے تو پھر یہ لوک کہانیاں اُس عہد کی عکاسی کرتی نظر آتی ہیں۔ بھئی، بادشاہ صرف مغل درباروں میں ظلِ الٰہی نہیں ہوا کرتا تھا، وہ تو اپنا نظریاتی عکس قدیم بلوچی ادب میں بھی ڈالتا رہا۔

قصہ گو ہر فقرہ موسیقیت سے سناتا ہے۔ اور ہر فقرہ اِس لہجے میں سناتا ہے کہ ہر فقرہ پر بچے کا لمبی تان میں ''جی'' بولنا لازم ہوجاتا ہے۔ ورنہ تو قصہ سپاٹ اور بے سُرا ہوگا۔ ہر کہانی کی شروعات ہمیشہ یوں ہوتی ہے: بیشہ بادشاہ ہے!، یہاں وہ یوں رک جاتا ہے کہ سننے والا خود بخود کہتا ہے: ''جی ''۔

''بادشاہ خدائیں کہ آزماں داشتئی بے تونڑیا ''

''جی!''

''ہر کس وثی زمیں ٹوٹا بادشاہیا کنغیں......''۔

''جی!''

ہمارے بادشاہ میں عقل کوٹ کوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ رہی سہی کسر اُس کا دانا وزیر پوری کر لیتا ہے۔ بادشاہ مردانہ وجاہت سے بھی مزین ہوتا تھا۔ جواں مردی، شمشیر زنی، گھڑ

سواری، عاشقی، انصاف، بہادری، ہمت، اورقوتِ فیصلہ اس کے خدائی داد ہوا کرتے۔ ساری قسمت اسے میسر تھی۔ وہ کرامت سے بھرا ہوتا تھا۔ لشکر، ہتھیار، ڈھول دھمامہ... الغرض ہر لحاظ سے بادشاہ، ہیرو ہوتا تھا اور بلوچی لوک کہانیاں گہرائی سے اس کے اوصافِ جلیلہ بیان کرتی رہتی ہیں۔

بلاشبہ اس کے باغی بھی ہوتے ہیں، جو اُسے للکارتے ہیں، اُس کی حکمرانی کو چیلنج کرتے ہیں۔ مگر بلوچ کہانی کار اُس کا ساتھ نہیں دیتا۔ وہ بادشاہ، کا زیادہ ہم درد رہتا ہے اور بادشاہ اُس کا ملجا و ماویٰ ۔ بادشاہ واقعتاً باپ کی طرح کا طرزِ عمل رکھتا ہے اور رعیت کو واقعی اولاد گردانتا ہے۔ لہٰذا وہی اس کا ہیرو رہتا ہے۔ وہ جو باغی نوجوان ہوتا ہے، اس کے پاس کوئی عوامی پروگرام نہیں ہوتا۔ بس ایسے ہی باغی ہوتا ہے۔ سوچ میں نابالغ، ناتجربہ کار... پھر یا تو شکست کھا کر وہ بادشاہ کا مطیع ہو جاتا ہے یا، کامیابی کی صورت میں خود ظلِ الٰہی بن جاتا ہے۔ اُس دور کے کہانی ساز کو اور کوئی متبادل میسر ہی نہیں تھا۔ بادشاہت ہی طرزِ سلطنت ہوتا ہے۔ وہ اور کچھ نہ دیکھتا ہے، نہ سوچ سکتا ہے ساری کامیابیاں بادشاہ کی اور ساری بدبختیاں باغی کی۔ اور دونوں مظاہر کی منظرکشی بہت ہی خوب صورت ہے۔ مثالیں، الفاظ، فقروں کا حسن بس دیکھتے ہی رہ جائیے۔ بے مثال، لاثانی...

چونکہ بلوچ ہمیشہ سے قبائل میں منقسم رہے ہیں اور ہر قبیلہ ایک قوم کی طرح آزاد اور خودمختار رہا ہے۔ اس لیے یہاں بلوچوں میں بادشاہ ہمیشہ سردار کے معنوں میں لیا جاتا رہا ہے۔

ہماری لوک کہانیوں میں نیچر کے خلاف انسان کی جدوجہد بھی موجود ہے۔ بادشاہ اپنی اُرد کے ساتھ جنگل جاتا ہے اور اس سارے سفر میں نیچر اور انسان کی لڑائی موجود ہوتی ہے۔ اسی طرح لکڑہارا اپنے حوالے سے نئے نئے اوزار اور وسائل کے ساتھ نیچر پر فتح مند ہوتا جاتا ہے۔ کسان کاشتکاری کی نئی نئی اقسام اور آلات وضع کرتا رہتا تھا اور ہر لحاظ سے فطرت کو اپنا مطیع بناتا جاتا ہے۔ چرواہا جنگلی حیوانات کو پالتو بناتا جاتا ہے، اور درندہ کو مطیع کر کے رکھوالا کتّا بنا

دیتا ہے۔ وہ اپنے دشمنوں (بھیڑیوں، گیدڑوں، لومڑیوں، گوحوں) کے خلاف نئی نئی ٹیکنالوجی سے مسلح ہوتا رہتا ہے۔ وہ گھاس، اس کی اقسام اور چراگاہوں کے موجودگی کے علوم حاصل کرتا جاتا ہے۔

اس دور کا کہانی کار درندوں، پرندوں، درختوں اور پتھروں کو بھی اپنی کہانی کا کردار بناتا ہے، ان سے باتیں کرواتا ہے، اُن سے انسان کی طرف داری یا دشمنی کرواتا ہے، انہیں آپس میں محبت یا عداوت میں دکھاتا ہے۔

بعد کی لوک کہانیوں میں وطن، آزادی، قبضہ گری، اور حب الوطنی کی باتیں نظر آتی ہیں۔ گو کہ ابھی تک وطن بادشاہ کا ہی ہے مگر کہانی کار اپنی اور اپنے عوام کی شناخت بھی کچھ کچھ اپنی سرزمین سے کرتا دکھائی دیتا ہے۔ ادھر ہی ہمیں غلام اور لونڈی کا ذکر بھی ملتا ہے اور اُن کی زار حالت کا تذکرہ بھی۔ مدھم، دھندلا......

بلوچی فوک کہانیوں کو سب سے پہلے انگریز نے جمع کر کے چھاپا، ڈیمز قائد تھا۔ بعد میں کئی جلدوں پر مشتمل یہ کہانیاں بلوچی اور اردو میں چھاپ دی گئیں۔

ڈاکٹر شاہ محمد مری

اساطیر

پریوں کا تخت

ایک دفعہ کا ذکر ہے پریوں کا ایک دیس تھا۔نہایت سرسبز علاقہ تھا۔ پریوں کے وطن اور انسانوں کے وطن کی سرحدیں ملتی تھیں۔ پریوں کی بہت سی چیزیں انسانوں کے علاقوں میں شامل تھیں۔اُن علاقوں میں ایک بادشاہ کا شہر بھی تھا۔ بادشاہ کے شہر میں ایک لوہار رہتا تھا۔ وہ شکار کا بھی شوقین تھا۔اس طرح زندگی کے دن گزار رہا تھا۔ ایک دن لوہار وفات پا گیا۔لوہار کے بیٹے نے اپنے باپ کا کام سنبھالا اور اسی طرح گزر اوقات کرتا رہا۔

کچھ دنوں بعد،لوہار کا بیٹا شکار کے لیے چلا گیا۔ وہاں اُس نے ایک خوب صورت پرندہ پکڑا۔ جو اس نے بادشاہ کو جا کر دے دیا۔بادشاہ بہت خوش ہوا۔نوجوان کو انعام واکرام سے نوازا۔ وزیر ناراض ہو گیا کہ اس نے پرندہ، اسے کیوں نہیں دیا، بادشاہ کو کیوں دے دیا ۔وزیر کو یہ خدشہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے خوش ہو کر بادشاہ اسے اپنا وزیر نہ بنا دے۔اس خدشے کے پیشِ نظر وزیر اُس نوجوان کو نقصان پہنچانے پر تُل گیا۔وہ نجومی کے پاس گیا اور اس سے مشورہ طلب کیا کہ اس نوجوان کو کس طرح راستے سے ہٹایا جائے۔نجومی نے مشورہ دیا کہ جا کر بادشاہ سے کہہ دو کہ نوجوان کو اُس پرندے کے لیے درخت لانے کے لیے بھیج دے۔ نوجوان درخت لا نہیں سکے گا۔

وزیر خوش ہوا۔ اُس نے واپس آ کر بادشاہ کو مشورہ دیا کہ پرندے کا درخت منگوا دیں،تب یہ پرندہ خوش ہو کر خوب چہچہائے گا۔

بادشاہ نے اُس نوجوان کو طلب کیا اور اسے پرندے کا درخت لانے کا حکم دیا۔

نوجوان نے حیرت سے جواب دیا، ''بادشاہ سلامت! میں اُس درخت کو کہاں سے لاؤں گا۔ یہ پرندہ زمین پر پڑا ہوا مجھے ملا تھا اور میں نے لا کر آپ کو دیا تھا۔''

بادشاہ غصہ ہو گیا۔اور دھمکی دی کہ اس درخت کولاؤ، ورنہ مرنے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

نوجوان غمگین ہو گیااور پریشانی کی حالت میں گھر چلا گیا۔اس نے اپنی ماں کوسب ماجرا سنایا۔ ماں نے کہا یہ سب کچھ وزیر کی شرارت ہے اور وزیر کونجومی یہ سب کچھ سکھا رہا ہے۔ مجھے بھی اس کے پائے کے کسی نجومی کے بارے میں معلوم ہے۔تم فلاں جانب چلے جاؤ۔ وہاں ایک بوڑھا فقیر تمھیں عبادت میں مصروف دکھائی دے گا۔تم اس کے پاس جاؤ، وہ تمھیں کوئی ترکیب بتائے گا۔

نوجوان اپنی ماں کوالوداع کہہ کر روانہ ہوا۔کئی منزلیں طے کرنے کے بعد وہ اس فقیر کے پاس پہنچا۔

اس نے پہنچتے ہی کہا، ''فقیر ماما! سلام قبول ہو۔''

فقیر بولا، ''اگر تم نے ماما نہ کہا ہوتا،تو تمہارا خیر نہیں تھا۔''

پھر فقیر نے اس سے کہا، ''اچھا بھانجے، اپنا حال بتاؤ۔ کیسے آنا ہوا؟''

نوجوان نے سب ماجرا بتایا اور اپنی ضرورت بیان کر دی کہ مجھے اس پرندے کے لیے اس کا درخت دَرکار ہے۔فقیر نے اُسے ایک خط دیا اور راستہ بتلایا کہ وہاں سے جاؤ۔آگے کوہِ کاف نظر آئے گا۔ میرا بڑا بھائی کوہِ کاف میں ہے۔ اس کو یہ خط پہنچا دینا، اور اُسے یہ پیغام دینا کہ تمھاری بہن بیمار ہے۔فلاں قسم کا درخت دے دو۔ وہ تمھیں دے دے گا۔

نوجوان اس سے رخصت لے کر سفر پہ روانہ ہوا۔منزلوں پہ منزلیں پار کرتا ہوا کوہِ کاف پہنچا۔اُس نے فقیر کے بھائی کو ڈھونڈ نکالا۔ اس نے سلام دیا۔خط اور پیغام دیے۔فقیر نے اس کی آنکھوں کو بوسہ دیا کہ ان آنکھوں نے اس کے بھائی کا دیدار کیا ہے۔رات اسے اپنے پاس مہمان رکھا۔نوجوان بھی تھکا ماندہ تھا، اُس نے آرام کیا۔ دوسرے روز صبح سویرے فقیر نے وہ درخت اُدھر منگوا لیا۔فقیر نے نوجوان سے کہا کہ میں تمھیں کہوں کہ آنکھیں بند کرلوتو آنکھیں بند کرلینا، اگر کہوں کھول دوتو کھول دینا۔نوجوان نے حامی بھرلی۔

وہ، اس نوجوان کو درخت کے نیچے لے گیا اور بولا، آنکھیں بند کرلو۔

اس نے آنکھیں بند کرلیں۔ جب ایک لمحہ بعد آنکھیں کھولیں، تو دیکھا کہ وہ صیح سالم درخت کے ساتھ بادشاہ کے محل کے اندر کھڑا ہے۔

پرندے نے جب درخت دیکھا تو خوشی سے اُچھل اُچھل کو سریلی آوازوں کے ساتھ چہچہانے لگا۔ بادشاہ درخت کے پاس آیا، بہت خوش ہوا۔ بادشاہ نے نوجوان کو انعام میں سونے سے لاد کر کے رخصت کیا۔

وزیر تک خبر پہنچی۔ وہ غم و پریشانی سے نڈھال ہوگیا۔ بھاگتا، ہانپتا ہوا نجومی کے پاس آیا اور کہا کہ بد بخت لوہار کا بیٹا صیح سالم درخت لے کر آیا۔ تم نے مجھے صاف صاف دھوکہ دیا۔

نجومی بولا، اس مرتبہ جو ہوا سو ہوا، اب میں تمھیں ایک اور ترکیب بتاؤں گا۔ یہ نوجوان اب اسے نہیں لا سکے گا۔ مرکھپ جائے گا۔ تم بادشاہ کو کہنا اس نوجوان کو پریوں کی گھوڑی لانے کا حکم دے۔ درخت کے نیچے وہ گھوڑی اچھی لگے گی۔

وزیر نے بادشاہ کو دوبارہ منالیا۔ بادشاہ نے نوجوان کو بلوا کر گھوڑی لانے کو کہا۔

نوجوان کچھ ہچکچاتا رہا مگر بادشاہ کہاں ماننے والا تھا۔ وہ واپس گھر آیا اور اپنی ماں کو سارا قصہ سنایا کہ اب بادشاہ نے اسے گھوڑی لانے کا حکم دیا۔ ماں بالی، میں جانتی ہوں یہ سب کچھ وزیر کا کام ہے۔ تم بادشاہ کے پاس جا کر دو ڈول شراب بھرلاؤ۔ میں تمھیں طریقہ سمجھاؤں گی۔

وہ جا کر بادشاہ سے دو ڈول شراب مانگ کر لایا۔ اس کی ماں بولی، کوہِ کاف کے مغرب میں دیگیں ہیں۔ پریوں کی گھوڑیاں اُدھر پانی پینے آتی ہیں۔ تم وہاں جا کر درخت کے نیچے کسی پتھر کی اوٹ چھپ جاؤ۔ شراب کے ڈول ان دیگوں میں انڈیل دو، جب وہ شراب پی لیں گی تو بے ہوش و بے خود ہو جائیں گی۔ کسی ایک گھوڑی کو زنجیروں سے کس اس پر سوار ہو جانا اور چلے آنا۔

نوجوان سفر کرتا ہوا کوہِ کاف کے مغربی جانب پہنچا۔ گھوڑیاں پانی پی رہی تھیں۔

گھوڑیوں نے جب نوجوان کو دیکھا تو بھاگ گئیں۔نوجوان دیگوں کے پاس گیا،اور شراب اُن میں ڈال دی۔ دوسرے روز گھوڑیاں پھر آ گئیں۔جب انھوں نے شراب آمیز پانی پیا تو شراب کے نشے میں وہ دھت ہو گئیں۔نوجوان ایک گھوڑی کو پکڑ کر اس پر سوار ہو گیا۔گھوڑی ہوا میں پرواز کر گئی اور لمحہ بھر میں اسے بادشاہ کے محل میں پہنچا دیا۔

نوجوان نے گھوڑی کو درخت کے ساتھ باندھ دیا۔ جب گھوڑی ہنہنانے لگی تو دیواریں ہلنے لگیں۔لوگ حیران ہو گئے۔نوجوان نے بادشاہ کو اطلاع کر دی۔بادشاہ نے،آ کر گھوڑی کو دیکھا تو اس خوشی کا کوئی ٹھکانا ہی نہ رہا۔بادشاہ نے خزانہ کی کنجی دے کر کہا،جو کچھ لے سکتے ہو،لے لو۔

وزیر کو خبر ہو گئی تو اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ وہ ڈر گیا کہ اب اس کی وزارت جانے والی ہے۔بھاگتا ہوا نجومی کے پاس گیا کہ آج میں تمھیں قتل کر کے چھوڑوں گا۔تم نے مجھے پھر دھوکا دیا ہے۔نجومی بولا،اس مرتبہ مجھے مہلت دے دو۔بادشاہ سے کہو کہ وہ اتنا بڑا نامور بادشاہ ہے۔پریوں کا تخت کو منگوا دے۔بادشاہ نوجوان کو بھیج دے گا۔وہ اس نہیں لا سکے گا،وہ اُدھر ہی ختم ہو جائے گا۔

وزیر بادشاہ کے پاس گیا۔بادشاہ کی بڑائی کے پل باندھنے کے بعد کہا، پریوں کا تخت منگوا کر،اس پر بیٹھے،اس کی بادشاہت کو چار چاند لگ جائیں گے۔بادشاہ نے نوجوان کو منگوایا۔اور اُسے حکم دیا کہ تخت لا کر دو،ورنہ تمھیں قتل کر دوں گا۔

وہ اپنی ماں کے پاس گھر آیا۔ماں بولی اب مجھے خود بھی کچھ خبر نہیں۔تم پہلے فقیر کے پاس چلے جاؤ۔جو کچھ کرے گا،وہی کرے گا۔

نوجوان منزلیں پار کرتا ہوا پہلے فقیر کے پاس آیا،اور اُسے مدعا بیان کیا کہ بادشاہ نے اُسے پریوں کے تخت لانے کا حکم دیا ہے۔فقیر نے اُسے ایک ٹوپی دے کر کہا،اسے سر پر پہن لو،تمھیں کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔اُسے ایک بال بھی دے دیا کہ جب ضرورت ہوئی تو اس کے

استعمال سے میں تمہاری مدد کو پہنچوں گا۔ پھر اُس سے کہا آگے جاؤ، فلاں پہاڑی میں ایک سوراخ ہے۔اس سوراخ کے اندر گھس جاؤ۔ یہ سوراخ ایک غار کی مانند آگے جا کر سرسبز میدان میں تمھیں پہنچائے گا۔اس سے آگے ایک شہر ہے۔ وہاں ایک قلعہ ہے۔اس قلعہ میں محل کے اندر چلے جاؤ۔تخت کے نیچے بیٹھ جاؤ۔ٹوپی کو پہننا تمھیں کوئی نہیں دیکھ سکے گا۔

نوجوان ان ہدایات مطابق چل پڑا۔اسی سوراخ کے پاس آیا۔سوراخ کے منہ پر ایک دیو بیٹھا ہوا تھا۔اس نے تلوار سے وار کر کے اس کا ہاتھ کاٹ دیا۔دیو بھاگ گیا۔وہ سوراخ میں گھس گیا۔ٹوپی پہن لی۔سوراخ کے غار سے ایک سرسبز میدان میں جا نکلا، اس میدان میں سفر کرتا ہوا پریوں کے شہر پہنچا۔سیدھا محل کے اندر چلا گیا۔اور تخت کے نیچے بیٹھ گیا۔

شام کے وقت سب پریاں جمع ہو گیا۔ پریوں کی رانی بھی آ گئی۔اس نے دیکھا کہ انسان تخت کے نیچے بیٹھا ہے۔اس نے سب پریوں سے کہا کہ ایک سائل آ گیا ہے۔

پریوں کی رانی اس سے مخاطب ہوئی، ”جو مانگتے ہو، مانگ لو، تمھیں کوئی کچھ نہیں کہے گا۔“

اس نے ٹوپی اُتار لی اور بولا، ”میں آپ کا تخت مانگنے آیا ہوں۔ یہ مجھے دے دو۔“

اس پری نے دوسری پریوں سے پوچھا، ”کیا تم اسی طرح ایک اور تخت بنا سکتی ہو؟“

پریاں بولیں، ”اس سے بھی بہتر تخت ہم بنا سکتی ہیں۔“

ایک بولی، ”یہ نوجوان میرا پرندہ لے گیا ہے۔“

دوسری بولی، ”یہ میرا درخت لے گیا ہے۔“

تیسری بولی، ”یہ میری گھوڑی بھی لے گیا ہے۔“

تب زخمی دیو آیا، اور بولا، ”اس نے میرا ہاتھ بھی کاٹ دیا ہے۔“

تب نوجوان نے انھیں اپنی ساری روداد سنائی۔ پریوں کی رانی اسے سب کچھ معاف کیا۔ اُسے تخت دے کر بولی، ”اس پر بیٹھ جا تم اپنی جگہ پہنچ جاؤ گے۔“

وہ تخت پر بیٹھ گیا۔ لمحہ بھر میں تخت کے ساتھ درخت کے نیچے آ کر اُترا۔ اور تخت درخت کے نیچے رکھ کر بادشاہ کو اطلاع کر دی۔ بادشاہ آ کر پھولے نہ سمایا۔ اس کو مال و دولت اور بے حساب انعام سے نوازا۔

وزیر کو بڑا تاؤ آیا۔ ایک رسّی لے کر چل پڑا کہ اب نجومی کو پھانسی دے دوں گا۔ رسی لے جا کر اس کے گلے میں لپیٹ دی۔ نجومی گڑگڑایا اور بولا، اب بادشاہ سے جا کر کہہ دو کہ تم اتنے بڑے اور نام ور ہو کہ پریوں کے تخت پر بیٹھے ہو، اب کسی پری کو ملکہ بنا کر لاؤ۔ ایک پری سنہری بالوں والی ہے۔ اسے اپنی ملکہ بنانے کے لیے منگواؤ۔

وزیر نے پھر بادشاہ کو وہی سبق پڑھایا۔ بادشاہ نے نوجوان کو سنہری بالوں والی پری لانے کے بلا بھیجا۔ اُس نے جا کر اپنی ماں کو ماجرا سنایا۔ اس نے نوجوان سے کہا، جہاں تمہارا جی چاہے چلے جاؤ۔ اب میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔

نوجوان توکل کر کے روانہ ہو گیا۔ وہ ایک جنگل میں پہنچ گیا۔ اس نے وہاں سیمرغ کے چوزوں کو سوتے دیکھا۔ اس دوران ایک اژدھا آیا اور ان چوزوں پر جھپٹ ماری۔ لوہار کے بیٹے نے تلوار نکال کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ سیمرغ کے چُوزے جان بچنے پر بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے اس کو بٹھایا کہ ان کی ماں آ جائے گی، تب وہ تمہاری مدد کرے گی۔

وہ ایک درخت کے نیچے ان کے قریب بیٹھ گیا۔ اس دوران انھوں نے ایک گردوغبار اُٹھتا دیکھا۔ سب اُڑ گئے۔ نوجوان بھی چُھپ گیا۔ سیمرغ آئی اور اژدھا کو کھا گئی۔ جب سیر ہو گئی تو بولی، ”بچوں میں نے سب کو کھا لیا۔ اتنا بھی نہیں چھوڑا کہ کل شام کے لیے منہ کا ذائقہ بدلتا۔“ چوزے نکل کر واپس آئے اور بولے، ”اماں ہم زندہ و سلامت ہیں۔ ایک انسان نے ہمارے ساتھ بڑی نیکی کی ہے۔ وہ اژدھا ہمیں کھانے آیا تھا۔ مگر اس شخص نے اس کو مار ڈالا۔“

وہ بولی، ”اگر وہ انسان یہاں ہوتا تو میں اس نیکی کے بدلے اس کے ساتھ ایک بڑی نیکی کرتی۔“

سیمرغ کے چوزوں نے اس نوجوان کو پیش کر دیا۔ سیمرغ نے رات کو اس کی خوب دعوت کی۔ دوسری صبح اس کو الوداع کہا اور ایک چوزہ اس کے ساتھ کر دیا۔ اور اُسے کہا کہ بالوں والی پری کو جا لے آ۔ وہ دونوں پریوں کے شہر چلے آئے۔ وہاں جا کر پریوں کے بادشاہ سے ملے۔ پریوں کے بادشاہ نے کہا، ''میری کچھ شرائط ہیں، ان شرائط کو پورا کرنا ہوگا۔ پھر میری بیٹی کی کچھ شرائط ہیں، ان کو بھی پورا کرنا ہوگا۔ تب میری بیٹی اس کی ہوگی۔''

نوجوان بولا، تم اپنی شرائط بتاؤ۔

اس نے کہا، میرا ایک بہت تیز آدمی ہے۔ اس کے ساتھ تمھیں چلنا ہوگا۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ایک ہی رات میں ایک پہاڑ کو سو گز کاٹنا ہوگا۔

نوجوان تیار ہو گیا۔ وہ روانہ ہو گئے۔ سیمرغ کے چوزے نے تیز چلنے والے آدمی کو اپنے پنجے مارے، وہ گر گیا۔ اس طرح نوجوان اس سے تیزی کے ساتھ آگے نکل گیا اور مقابلہ جیت لیا۔

بادشاہ نے اب اسے کہا کہ تم ایک رات ایک سو گز پہاڑ کا ٹکڑا کاٹ ڈالو۔ نوجوان نے اب بال نکالا، اور فقیر کو مدد کے لیے پکارا۔ فقیر آ پہنچا۔ نوجوان فقیر سے بولا، ماموں! اب مدد کرو۔ فقیر نے اپنی کرامات کے زور سے اس پہاڑ کو کٹوا دیا۔

صبح جب انھوں نے آکر کٹے ہوئے پتھروں کے ٹکڑے دیکھے تو حیران رہ گئے۔ بادشاہ بولا، میری شرطیں تم نے پوری کر دیں۔ اب میری بیٹی کی باری ہے۔

رات کو اس نوجوان نے اپنا کمال دکھایا۔ وہ محل سے نکلا۔ سیمرغ کا چوزہ سیدھا اس کی بیٹی کے پاس لے گیا۔ اس نے کچھ برا منایا۔ مگر آخر وہ نوجوان سے راضی ہو گئی۔ اور اسے بتایا کہ میری گائے سے تمھیں دودھ دھونا ہے، جو اسی وقت جم کر دہی بن جائے۔ پھر تمھیں مٹی کی کلہاڑی سے لکڑی کاٹنا ہے۔ اس دوشیزہ نے اپنا رومال نوجوان کو دے دیا اور کہا، اس کلہاڑی کے سرے کو دستہ میں ڈالتے وقت اس کے سوراخ میں ڈال دینا، تو وہ لکڑی کو کاٹے گا۔ پھر اپنی

سونے کی انگوٹھی اس کو دے دی کہ اُسے گائے کے دودھ میں ڈال دے تو وہ اسی وقت جم کر دہی بن جائے گی۔

وہ دونوں چیزیں لے کر اس سے رخصت ہوا۔ صبح سب لوگ جمع ہو گئے، تماشا دیکھنے۔ گائے باغ میں چھوڑ دی گئی۔ اس نے اُسے انگوٹھی دکھائی، تو وہ کھڑی ہو گئی۔ اس نے آرام سے آ کر گائے سے دودھ دھویا۔ پھر دودھ میں انگوٹھی گھمائی تو دودھ جم کر دہی بن گیا۔ لوگوں نے یہ سب تماشا دیکھا۔ پھر جب لکڑیوں پر کلہاڑی ماری۔ لکڑیاں ٹکڑے ٹکڑے ہو گئیں۔ لوگ دنگ رہ گئے۔ بادشاہ نے اپنی بیٹی اس کو دے دی۔ نوجوان نے اس کے ساتھ شادی رچائی۔ وہ واپس اپنے وطن لوٹے۔ راستے میں رات سیمرغ کے ساتھ گزاری۔ سیمرغ نے دو چوزے اور اس بخش دیے۔

وہ اپنے شہر پہنچا۔ بادشاہ کو کہلوا بھیجا، آؤ میں ایک سنہری بالوں والی پری لایا ہوں۔

بادشاہ وزیر کو ساتھ لے کر آیا۔ تو اس نے کہا، اب جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

بادشاہ اپنی فوجیں لے آیا۔ سیمرغ کے چوزوں نے ان کو پر مارے تو فوج پوری اندھی ہو گئی۔ اس نے وزیر کو قتل کیا۔ باقی سب لوگ اس کی رعیت بن گئے۔ لوہار کا بیٹا بادشاہ بن گیا۔ اور اپنی پری بیوی کو شاہی محل میں منتقل ہو کر تخت پر بٹھایا۔

لعل بادشاہ اور وزیر زادی

ایک تھا بادشاہ۔ وہ اپنے مخصوص علاقے کا بادشاہ تھا۔ بادشاہ کے چار بیٹے تھے۔ سب سے چھوٹے بیٹے کا نام لعل بادشاہ تھا۔ بادشاہ کے گھر کے کمرے میں پرندوں کا ایک گھونسلا تھا۔ مادہ پرندے نے انڈے دیے۔ ان سے چوزے نکل آئے۔ وہ چھوٹے تھے کہ مادہ پرندہ مر گئی۔ نر پرندہ کسی اور مادہ کو لے آیا تا کہ اس کے چوزوں کا خیال رکھے۔ نر پرندہ اُڑ کر دانہ چگنے چلا گیا تو مادہ پرندے نے ایک ایک کر کے سب چوزوں کو نیچے پھینک دیا۔ یہ صورت حال ملکہ دیکھ رہی تھی۔ وہ افسردہ ہوگئی۔ جب بادشاہ گھر لوٹا تو اس نے افسردگی کی وجہ معلوم کی۔ ملکہ نے تمام واقعات بتائے، اور بولی جب میں بھی مر جاؤں گی تو تم نئی ملکہ بیاہ کر لاؤ گے، تو میرے بچوں کا بھی یہی حشر ہوگا۔ نئی ملکہ میرے بچوں کو مار دے گی، یا پھر گھر سے ان کو نکال کر بے گھر کر دے گی۔ بادشاہ نے اسے تسلی دی کہ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ تم فکر مت کرو۔ میں اپنے بچوں پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا۔

کچھ عرصہ بعد ملکہ بیمار پڑ گئی۔ جس سے وہ جانبر نہ ہوسکی۔ کافی عرصے تک بادشاہ نے دوسری شادی نہیں کی۔ آخر وزیر، قاضی اور سب لوگوں نے اسے مجبور کیا کہ تم کب تک اس طرح اکیلے رہو گے، آخر تم بادشاہ ہو، شادی کرنا انتہائی ضروری ہے۔ بادشاہ مان گیا اور نئی ملکہ بیاہ کر گھر لایا۔ اور بچوں کے لیے اپنے گھر کے ساتھ ہی نیا مکان بنوایا۔ بچے نئے مکان میں رہنے لگے۔

ایک دن ملکہ کے ذہن میں خیال آیا کہ بادشاہ کے بعد اس کے بیٹے تخت کے مالک بنیں گے، اس لیے کیوں نا بادشاہ کے بیٹوں کو جان سے مار دیا جائے، یا ان کو بھگایا جائے۔ بادشاہ کے بیٹے اپنے مکان میں گیند سے کھیل رہے تھے۔ گیند اچھل کر بادشاہ کے گھر میں گر پڑا۔ لعل بادشاہ گیند لانے بادشاہ کے گھر چلا گیا۔ ملکہ نے پہلے ہی منصوبہ بنایا ہوا تھا۔ اس نے

بڑھیا کو اپنا ہم خیال بنا کر اس کی خدمات حاصل کی تھیں۔ ملکہ نے لعل بادشاہ سے کہا، آؤ بیٹھو تمہارا اپنا گھر ہے، تم سب میرے بچے ہی ہو۔ جب لعل بادشاہ وہاں بیٹھ کر کچھ دیر بعد واپس اپنے مکان کو چلا گیا تو ملکہ نے اپنے منصوبے کے مطابق اپنے کپڑے چیر پھاڑ دیے۔ اپنے سر اور چہرے پر خوب خاک ڈالی۔

جب بادشاہ گھر آیا تو ملکہ کو اس حالت میں دیکھ کر وجہ دریافت کی۔ وہ بولی، سب کچھ تمہارے بیٹے کا کرشمہ ہے۔ مجھے سوتیلی ماں سمجھ کر میرے ساتھ یہ سلوک کیا۔

بادشاہ نے نوکرانی سے کہا، جب رات ان کا کھانا لے جاؤ۔ تو ان کی جوتیوں کا رُخ باہر کی جانب کرو۔ رات کو نوکرانی نے ویسا ہی کیا۔

جب لعل بادشاہ کی نظر جوتیوں پر پڑی تو اس نے کہا، بادشاہ نے ہمیں اب یہاں سے کوچ کرنے کی اجازت دے دی ہے۔

وہ صبح سویرے گھر چھوڑ کر چل پڑے۔

کچھ عرصہ بعد کسی بادشاہ کے شہر پہنچے۔ انھوں نے بادشاہ سے ملازمت کی درخواست کی اور اُسے بتایا، ہم بھی شہزادے ہیں۔

بادشاہ نے ان کی روداد سن کر کہا، تم لوگ اس شہر کے چوکیدار رہو۔ یہاں ہر رات ایک دیو آ کر کسی آدمی کو کھا جاتا ہے۔ جب کوئی مرجاتا ہے تو اُسے قبر تک اتارنے نہیں دیا جاتا۔ اس سے ہماری کافی بدنامی اور رسوائی ہوئی ہے۔ تم نے اس دیو سے شہر کی حفاظت کرنی ہے۔

انھوں نے پہرہ داری کا کام سنبھال لیا۔ بادشاہ کا ایک بیٹا تھا۔ جس کا نام شہ باران تھا۔ اس شہزادے سے ان کی گہری دوستی ہوگئی۔ وہ اکثر و بیشتر اکٹھے رہا کرتے تھے تو شہ باران بھی ان کے ساتھ ہوتا تھا۔

ایک روز ان سے مل کر آدھی رات کے وقت وہ سونے کے لیے گھر چلا گیا۔ چارپائی پر لیٹنے کے فوراً بعد فوت ہوگیا۔ گھر میں کہرام مچ گیا۔ بادشاہ بڑا حیران ہوا۔ بادشاہ نے آ کر اُن

بھائیوں کو بتا دیا کہ ان کا دوست مر گیا ہے۔ وہ بہت پریشان ہوئے۔ ساری رات لاش کے پاس بیٹھے آنسو بہاتے رہے۔ صبح ہوتے ہی لوگ اس کا جنازہ اٹھا کر قبرستان کی جانب روانہ ہوئے۔ قبرستان دور فاصلے پر واقع تھا۔ عصر کے وقت قبرستان تک پہنچے۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اب دیر ہوگئی ہے، صبح دفنائیں گے۔ انھوں نے چارپائی درخت کے نیچے رکھ دی۔ اور چاروں بھائی باری باری پہرہ دینے لگے۔

سب سے بڑے بھائی نے پہرہ دیا۔ باقی سو گئے۔ اتنے میں ایک دیو آ گیا۔ اس نے دیو کو دیکھتے ہی تلوار سونت لی، اور دیو پر وار کیا۔ دیو کا ہاتھ کٹ گیا۔ اس نے توبہ کر لی کہ آئندہ ہماری نسل میں سے کوئی اس طرف کا رُخ نہیں کرے گا۔ وہ آ کر سو گیا۔ دوسرے بھائی کو بیدار کیا۔ اور وہ پہرہ دینے لگا۔ اس نے کسی اژدھا کو آتے دیکھا۔ ان کی آگ جل رہی تھی۔ وہ آگ اٹھا کر لے گیا، اور اس کے پیچھے پڑ گیا۔ اس نے اس پر تلوار سے وار کیا۔ اُس کی گردن کاٹ دی۔ آگ واپس لے آیا، اور خیمے کو روشن کر دیا۔ اب اس نے تیسرے بھائی کو اُٹھایا اور خود سو گیا۔ وہ پہرہ پر تھا کہ اس نے قریب ہی کسی عورت کی چیخ و پکار سنی۔ وہ آواز کی جانب لپکا۔ اس نے دیکھا کہ ایک عورت پانی میں پھنسی ہوئی ہے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر اس عورت کا ہاتھ پکڑا تا کہ اسے پانی سے باہر نکالے۔ مگر عورت نے اُسے دھکا دیا تا کہ اُسے پانی میں گرا کر اس کا کام تمام کر دے۔ شہزادے نے پھرتی سے تلوار کا ایک وار کیا اور عورت کا ایک کان کاٹ ڈالا، اور واپس چلا آیا۔ اس نے آ کر چھوٹے بھائی کو جگایا اور خود سو گیا۔

اب سب سے چھوٹے بھائی لعل بادشاہ کی باری تھی۔ وہ پہرہ دے رہا تھا کہ ایک لڑکی روتی ہوئی آئی۔ لعل بادشاہ نے رونے کی وجہ دریافت کی تو اس نے بتایا کہ لاش میرے بھائی کی ہے۔ اِس کا آخری دیدار کرنے آئی ہوں۔ وہ لڑکی لاش کی طرف گھور گھور کر دیکھ رہی تھی۔ لعل بادشاہ نے جب غور سے دیکھا تو اس کو بڑی حیرت ہوئی۔ اس سر آسماں کی بلندیوں تک اونچا ہو گیا تھا۔ اس نے جھٹ ہمت کر کے اس پر تلوار کے وار کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔

لعل بادشاہ اس دوران دنبورہ بجا رہا تھا کہ پریاں وہاں سے گزریں ۔ جب انھوں نے دنبورہ کی سریلی پُرسوز سنی تو نیچے اُتر آئیں ۔ انھوں نے لعل بادشاہ سے دوبارہ دنبورہ بجانے کی فرمائش کی ۔ وہ بولا ، یہ تو ایک نوحہ ہے، خوشی کا ساز تو نہ تھا۔ وہ دیکھو میرے دوست کی لاش رکھی ہوئی ہے ۔ پریوں کی سردارنی سبز پری بولی ہم اس کو زندہ کر دیں گے، اگر تم دنبورہ بجاؤ ۔تب لعل بادشاہ نے مست و مدہوش ہو کر دنبورہ پر پُرسوز اور دل میں اُتر جانے والی دُھن بجانی شروع کی ۔ پریوں نے جی بھر کے رقص کیا۔ پھر انھوں نے جادو کے زور سے شہ باران کو زندہ کر دیا۔ اور لعل بادشاہ کو تیر کمان دے دیا کہ جب ضرورت ہو اسے کھینچ لو، ہم مدد کے لیے آجائیں گی۔

صبح ہوئی۔ سب نیند سے اُٹھ گئے ۔ شہ باران کو زندہ پا کر سب خوش خوش گھر واپس آئے ۔ بادشاہ نے اپنی بیٹیوں کے ساتھ ان کی شادیاں کر دیں ، اور وہ بھی بادشاہ کے محل میں رہنے لگے ۔ ماسوائے لعل بادشاہ کے۔ لعل بادشاہ نے باغ کے اندر ایک مکان تعمیر کرایا۔ اور اس میں رہائش اختیار کی ۔ اس نے شادی بھی نہیں کی ۔ کہا کہ کچھ عرصہ بعد شادی کرلوں گا۔

لعل بادشاہ جب بھی تیر کمان کھینچتا تو سبز پری حاضر ہوتی ۔ ساری ساری رات اس کے ساتھ مجلس کرتی ۔

اس دوران ایک روز لعل بادشاہ شکار کے لیے چلا گیا تو بادشاہ کی بیٹی چہل قدمی کرتی ہوئی اپنی سہیلیوں کے ساتھ باغ میں آ گئی ۔ جب کمرے میں آئیں تو انھوں نے تیر کمان دیکھ لیا۔ انھوں نے اسے کھینچ لیا تو سبز پری فوراً پہنچ گئی ۔

انھوں نے جب ایک پری کو دیکھا تو سب بے ہوش ہوگئیں ۔ سبز پری تیر کمان اٹھا کر اپنے ساتھ لے گئی ۔ جاتے وقت اس نے مالی کو لعل بادشاہ کے نام پیغام دیا کہ اگر تمھیں خواہش ہو تو سبز وطن چلے آنا، میں وہاں ہوں گی ۔ اس نے ایک رومال بھی دینے کے لیے دیا کہ اسے کہنا یہ جو بے ہوش ہیں، اُن کے سر پر پھیر دو، ہوش میں آجائیں گی ۔

جب لعل بادشاہ شکار سے واپس آیا تو مالی نے اسے سب ماجرا بتایا۔ اس نے رومال سب کے سر پر پھیرا۔ وہ سب ہوش میں آ گئیں۔ وہ اب سفر کی تیاری کرنے لگا۔ اپنے بھائیوں سے اجازت لی۔ اور اُن سے کہا، تم لوگ ادھر رہو، میں واپس آ جاؤں گا۔

لعل بادشاہ اپنے سفر پر روانہ ہوا۔ راستے میں اُسے ایک فقیر ملا۔ رات وہ فقیر کے پاس ٹھہرا۔ فقیر کو اس نے سب کچھ بتا دیا۔ فقیر نے اسے ایک ٹوپی دی کہ اسے پہنو گے تو تمھیں کوئی دیکھ نہیں سکے گا۔ اسے بتایا کے آگے جاؤ گے تو ایک بادشاہ کا شہر آئے گا۔ اس بادشاہ کا ایک وزیر ہے۔ اس وزیر کی ایک بیٹی ہے، جس کا نام وزیرزادی ہے۔ وہ کسی کے ساتھ کچھ کہتی بولتی نہیں ہے۔ اگر تم نے اس سے شادی کر لی تو سبز وطن جا سکو گے۔ کیوں کہ وزیرزادی ہر رات سبز وطن آتی جاتی ہے، جہاں تمھاری سبز پری رہتی ہے۔

لعل بادشاہ ورانہ ہوا۔ آخر اس بادشاہ تک اس کی رسائی ہو گئی۔ بادشاہ کو منوایا۔ بادشاہ نے اپنے وزیر کو بلا کر کہا کہ اپنی بیٹی کی اس کے ساتھ شادی کرا دو۔ وزیر بولا بیٹی نہیں مانتی ، ورنہ میں تو تیار ہوں۔ میری بیٹی کی ایک شرط ہے کہ وہ ہر رات چار جوتے اپنے خاوند کے سر پر مارے گی۔ لعل بادشاہ نے شرط مان لی۔ دونوں کی شادی ہو گئی۔ پہلی رات کو وزیرزادی نے چار جوتے اس کے سر پر رسید کیے، تو وہ بے ہوش ہو گیا۔ جب ہوش آیا تو دیکھا کہ وزیرزادی ایک دیو پر سوار ہو کے جا رہی ہے۔ دوسری رات جب وزیرزادی آئی تو لعل بادشاہ کو غائب پایا۔ اس نے ٹوپی پہن رکھی تھی۔ کچھ دیر کے بعد وزیرزادی دیو پر سوار ہو گئی اور لعل بادشاہ بھی اس کے ساتھ دیو پر سوار ہو گیا۔ وہ جا کر سبز وطن پہنچے۔ دیو بولا، بادشاہ سلامت وزیرزادی آج بہت وزن دار اور بھاری تھی۔ بادشاہ نے وزیرزادی سے پوچھا، کیوں آج تمہارا شوہر تمہارے ساتھ سویا ہے؟ وہ بولی، میں اس کو اپنے پاس پھٹکنے بھی نہیں دیتی۔

اتنے میں پریوں کے میراثی نے دنبورہ بجانا شروع کیا۔ لعل بادشاہ نے دنبورہ اس کے ہاتھ سے چھین کر خود بجانا شروع کیا۔ پریوں نے بے خود ہو کر ساز پر ناچنا شروع کیا۔ وہ

ایسا ناچ ناچتی رہیں کہ پہلے کبھی نہیں ناچی تھیں۔ پریوں کا بادشاہ بہت خوش ہوا۔اس نے وزیر زادی کو ایک رومال دیا جو اس نے میراثی کو دلایا۔میراثی سے رومال لعل بادشاہ نے چھین کر اپنے پاس رکھا۔وزیرزادی واپس آ گئی۔لعل بادشاہ نے واپسی پر نوکرانی کو پوری کہانی سنائی۔ دوسرے دن بھی ایسا ہی کیا۔تیسرے رات لعل بادشاہ نے کہا،اے پریوں کے بادشاہ! آج تیسری رات ہے کہ میں دنبورہ بجارہ ہوں۔میں ایک انسان ہوں۔وزیرزادی کے ساتھ یہاں آیا کرتا ہوں،اگر جان کی امان پاؤں تو کچھ عرض کروں،میں نے سُنا ہے کہ تمہارے در سے آج تک کوئی خالی ہاتھ نہیں لوٹا ہے۔

پریوں کے بادشاہ نے کہا،مانگ جو کچھ مانگ سکتے ہو، تجھے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لعل بادشاہ نے کہا، مجھے سبز پری دے دو۔محفل کے لوگ حیران رہ گئے۔سبز پری بھی بیٹھی ہوئی تھی۔بادشاہ نے کہا،تو اپنے کو ظاہر کردو۔اگر تم سبز پری سے زیادہ حسین ہوئے تو وہ تمہاری ہوگی، اسے لے جاؤ۔ورنہ یہاں سے واپس چلے جاؤ۔اس نے ٹوپی اتاردی۔پریوں کے بادشاہ نے کہا سبز پری تمہاری ہے۔سبز پری کو بھی قریب بلوایا۔اسی وقت ان دونوں کی شادی کردی۔بادشاہ نے وزیرزادی کو ڈانٹا کہ تمھیں شرم نہیں آئی تھی کہ تم نے لعل بادشاہ کو جوتے مارے۔ وزیرزادی نے معافی مانگ لی۔تینوں دیو پر سوار ہوکر وزیرزادی کے ہاں آئے۔وہ اب جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔دیو نے ان کو اٹھا کر بادشاہ کے شہر پہنچا دِیا۔وہ تینوں اس باغ میں اپنے مکان میں ٹھہرے۔لعل بادشاہ نے اپنے بادشاہ کی بیٹی سے بھی شادی کرلی۔

ایک دن بھائیوں نے واپسی کا ارادہ کیا تا کہ والدین کا حال معلوم کرلیں۔بادشاہ نے ان کے ساتھ فوج بھی روانہ کردی۔وہ اپنے آبائی شہر پہنچے۔وہاں پہنچ کر ان کو معلوم ہوا کہ وزیر نے بادشاہ کو ہٹا کر خود بادشاہ بن بیٹھا ہے۔بادشاہ خود اپنی ملکہ کے ساتھ مسجد میں پڑا ہوا ہے،اور وہاں مسجد میں خیرات کی روٹی پر گزارہ کرتا ہے۔

وزیر کو جب خبر ہوگئی تو وہ اپنی فوج لے کر مقابلے کو نکلا۔انھوں نے وزیر کو قتل کر

دیا۔ باقی لشکر نے معافی مانگ کر اطاعت قبول کرلی۔وہ اپنے والدین کو مسجد سے نکال کر باہر لائے۔انھیں ان کے محل پہنچایا۔

لعل بادشاہ نے اپنی سوتیلی ماں سے کہاں آخر تمھیں کیا فائدہ پہنچا، ناحق جھوٹ بول کو ہم پر الزامات لگائے ،اور گھر سے بے گھر کرادیا۔ہم لوگوں نے تو عیش کیا مگر تم لوگ ذلیل و خوار ہو گئے۔تمھیں اپنے کیے کی سزا قدرت نے دے دی ہے۔

بادشاہ اور دوسرے شہزادوں نے آپس میں مشورہ کیا اور لعل بادشاہ کو شاہی تخت پر بٹھا کر شاہی تاج پہنایا۔وہ بادشاہ بن کر عدل وانصاف کرنے لگا۔سب لوگ سُکھ چین سے رہنے لگے۔اور اُن کا گھر دوبارہ خوشیوں سے جنت بنا۔

کالا سونا

ایک تھی پری۔ وہ نہایت خوش حال تھی۔ ایک دفعہ پری نے انسانوں کے علاقے پر سے پرواز کی۔ وہ وہاں اُتر کر بیٹھ نہ سکی۔ دیو پریوں کے دشمن تھے۔ پریوں کی ایک ٹولی انسانوں کے علاقے پر سے محو پرواز تھی۔ وہاں اُنھیں کسی تالاب میں صاف اور شفاف پانی نظر آیا۔ وہ نیچے اُتر گئیں۔ کپڑے اُتار کر غسل کرنے لگیں۔ اس دوران کسی دیو کا وہاں سے گزر ہوا۔ پریوں نے دیو کو دیکھا تو جلدی جلدی کپڑے پہن کر اُڑ گئیں۔ مگر اس اثنا میں کسی ایک پری کے کپڑے غائب ہو گئے۔ وہ ننگی شرم کے مارے بیٹھی رہی۔ اتنے میں اس علاقے کا بادشاہ وہاں سے گزرا۔ اس نے پری کو اس حالت میں دیکھ کر اسے پہننے کو کپڑے دیے، اور اسے اپنے ساتھ گھر لے آیا۔ کچھ دنوں کے بعد بادشاہ نے اس پری کے ساتھ شادی کر لی۔ اس پری کے بطن سے ایک بیٹا پیدا ہوا، جو نہایت بد شکل بدصورت تھا۔ کوئی شخص نظر اٹھا کر اسے دیکھنا بھی پسند نہیں کرتا تھا۔ لوگ اسے کالا کلوٹا کے نام سے پکارنے لگے۔

بادشاہ نے اپنے وزیر کو دوسرے ملکوں کی طرف بھیجا تا کہ اس کے بیٹے کے لیے ایک دلہن تلاش کرے۔ وزیر مختلف ممالک کا چکر لگاتا رہا۔ آخر کار ایک جگہ اس نے شہزادے کی منگنی طے کر دی۔ شادی کی تاریخ مقرر کرانے کے بعد اپنے وطن کو لوٹا۔ بادشاہ نے اپنے بیٹے کی شادی کے انتظامات مکمل کیے۔ اور برات لے کر شادی کے لیے روانہ ہوا۔ جب بادشاہ کے شہر کے نزدیک پہنچے تو ان کو احساس ہوا کہ بادشاہ کہیں شہزادے کو دیکھ کر شادی منسوخ نہ کر دے۔ انھوں نے وہاں کسی خوب صورت میراثی کو پکڑ کر دولہا بنا لیا۔ اسے کافی رقم دے کر یہ کردار ادا کرنے پر راضی کیا، اور شادی کے وقت نکاح بھی اسی میراثی کے ساتھ پڑھایا گیا۔ شہزادہ اپنے آپ کو نوکر تصور کرنے لگا۔ اس میراثی کی نے تین راتیں وہاں بسر کیں۔ چوتھے

روز براتی واپسی کی تیاری کرنے لگے ۔ انھوں نے میراثی کو بھی اجازت دے کر رخصت کیا۔ میراثی نے تو اپنے گھر کی راہ لی۔ مگر اس دوران شہر کے بادشاہ نے ان کو دعوت دی کہ رات یہیں گزارو۔ وہ لوگ بہت سٹپٹائے کہ میراثی کو تو اجازت دے دی اب رات کو کیا ہو گا۔ انھوں نے اس قاصد کو میراثی کی طرف روانہ کیا۔ مگر وہ بہت دور جا چکا تھا۔ وہ مل نہ سکا۔ مجبوراً رات کو انھوں نے اصلی دولہا شہزادے کو گھر بھیج دیا۔ جب کالا کلوٹا اندر داخل ہو گیا تو دلہن اس کو دیکھ کر شور مچانے لگی کہ کوئی جنگلی جانور اندر گُھس آیا ہے ۔ جوتی نکال کر اس کے سر پر جوتیاں برسائیں ۔ اور اپنے باپ کو آواز دی کہ پہلے تین راتوں میں کوئی دوسرا آتا تھا، آج یہ جنگلی جانور گُھس آیا ہے۔ بادشاہ نے شہزادے کا ناک کاٹ لیا۔ یہ بات براتیوں تک پہنچی تو وہ راتوں رات بھاگ گئے۔

ناک کٹوانے کے بعد کالے کلوٹے شہزادے نے کسی اور طرف کا رُخ کیا۔ چلتے چلتے کسی جنگل میں پہنچا۔ وہاں اس کسی ضعیف فقیر کو بیٹھے دیکھا۔ اس نے احتراماً سلام کے ساتھ 'بابا' کا لفظ استعمال کیا۔

فقیر بولا، ''اگر بابا نہ کہتا تو میں تجھے کھا لیتا۔''

اس نے کہا، ''مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی، ورنہ یہ لفظ استعمال نہ کرتا، اور اچھا ہوتا کہ آپ مجھے کھا جاتے۔ اس زندگی سے موت اچھی ہے۔''

اس نے اپنا حال اسے بتایا۔ فقیر نے اُسے پیغام دے کر اپنے دوسرے بھائی کی طرف روانہ کیا۔ وہ وہاں پہنچا۔ اس نے اس کا کٹا ہوا ناک پھر سے ٹھیک کیا۔ پھر وہ کسی دوسری جانب چل پڑا۔ آگے جا کر اُس نے کسی درخت کے نیچے کسی عورت کو دیکھا۔ وہ چھپ گئی۔ جب وہ اس قریب پہنچا۔ تو وہ عورت ہنسی اور پھر روئی ۔ اس نے وجہ دریافت کی ۔ وہ بولی، میں پھول پری ہوں ۔ انسانوں کو دیکھ کر خوش ہوئی مگر جب یہ سوچا کہ دیو آ کر تمھیں ہڑپ کر لے گا تو رونے لگی۔

پھول پری نے اسے ہدایت کی کے دیو ابھی آنے والا ہے، تم درخت پر چڑھ جاؤ۔ وہ اوپر نہیں دیکھے گا۔ وہ اوپر چڑھ گیا۔ اتنے میں دیو آ گیا۔ پری نے اشارہ کیا۔ وہ درخت سے نیچے اُتر گیا۔ اور تلوار کے چھ وار کر کے دیو کو لہولہان کر دیا۔ دیو دم بہ لب تھا مگر روح نہیں نکلتی تھی۔ اس جانکنی میں دیو بولا، اب ساتواں وار بھی کرلو تا کہ جلدی میں مرجاؤں۔ اس نے جو تلوار اوپر اٹھائی تو پری نے اس کو خبردار کیا کہ دیو پر ساتواں وار مت کرو، وہ اپنی اصلی حالت میں واپس آجائے گا۔ اُس نے وار کرنے سے ہاتھ روک لیا۔ دیو نے افسوس کیا کہ تم زندہ سلامت بچ گئے۔ یہ کہہ کر دیو نے آخری ہچکی لی اور مر گیا۔

شہزادے نے عورت کا ہاتھ پکڑا اور وہ شہر کی طرف چل پڑے۔ اس کے پاس لعل کا دانہ تھا۔ انھوں نے وہ قیمتی لعل بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔ بادشاہ نے اُن کو اپنے مہمان خانہ میں ٹھہرایا۔ بادشاہ، پھول پری کی ایک جھلک دیکھ کر ہی اُس پر عاشق ہو گیا۔ اس کے خاوند کو ٹھکانے لگانے کا منصوبہ بنایا۔ بادشاہ نے کالے کلوٹے شہزادے کو حکم دیا کہ لعل کا ایک دانہ تم نے دیا تھا، اب دوسرا بھی لا کر دو۔

بادل نخواستہ وہ روانہ ہوا۔ وہ ڈرپوک اور بزدل تھا۔ راستے میں آ کر لوگوں کو دیوار اور مکان تعمیر کرتے دیکھا۔ وہ بھی ان کے ساتھ کام میں مصروف ہو گیا۔ وہ مٹی کے کام کو اچھا سمجھ کر اس قدر محو ہو گیا کہ اپنی بیوی کو بُھلا بیٹھا۔

پھول پری نے اس کا بہت انتظار کیا مگر کافی مدت گزرنے کے باوجود وہ واپس نہیں آیا۔ ایک رات پھول پری مردانہ لباس پہن کر گھوڑے پر سوار ہوئی۔ اور خاوند کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی۔ راستے میں اُسے ایک دیو کی بیوی دردِزہ کی حالت میں پڑی ہوئی ملی۔ اس نے اس سے درخواست کی کہ میں بچہ جننے والی ہوں، تم دائی کا کام کرلو۔ اس نے دائی کا فرض ادا کیا۔ آخر فارغ ہو کر اس نے اجازت مانگی۔

دیو کی نے اس سے دریافت کیا کہ تم کون ہو۔

اس نے اسے بتایا کہ میرا نام پھول پری ہے، میں اس قبل فلاں دیو کے پاس تھی ،اس نے اب مجھے اجازت دے دی ہے، اپنی بہن کے پاس جارہی ہوں۔

اس نے کہا، وہ دیو تو میرا بھائی ہے۔اور بولا، جس دیو کے پاس لعل زادی ہے، وہ میری بہن ہے۔

وہ بولی، وہ بھی میرا بھائی ہے۔

پھر دیو کی بیوی نے اُسے ایک خط دیا کہ اسے میرے بھائی کو دے دو۔ وہ تمہاری بہن تمہارے حوالے کردے گا۔

اس نے خط لے جا کراس کے بھائی دیو کو پہنچایا۔اوراس نے اس کی بہن لعل زادی کو آزاد کر دیا۔ اس نے بھی مردوں کا لباس پہن لیا۔اور دونوں کسی بادشاہ کے شہر آ گئیں ۔ یہ وہی شہر تھا جہاں کالے کلوٹے شہزادے نے اپنی ناک کٹوادی تھی۔پُھول پری مردانہ کپڑے پہن کر رعب داب کے ساتھ بادشاہ کے پاس گئی، اوراس کی بیٹی کا رشتہ مانگا۔رشتہ طے ہو گیااور شادی ہوگئی ۔بادشاہ کی بیٹی کو بہت حیرت ہوئی کہ جس کے ساتھ ہوتی ہے، وہ ساتھ نہیں رہتا۔وہ عجیب وغریب مصیبت میں گرفتارتھی۔

کچھ دن وہاں قیام کرنے کے بعداس نے بادشاہ سے جانے کی اجازت طلب کر لی۔اوروہ الوداع کہہ کر چل پڑے۔راستے میں پھول پری نے دلہن کو بتایا کہ میں ایک پری ہوں ، یہ میری بہن ہے ۔ میرا خاوند گم ہو گیا ہے ۔اب اس کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔ شہزادی بولی میرا بھی یہی حال ہے۔میرے باپ نے میرے خاوند کی ناک کاٹ دی تھی۔ میں بھی اس کوڈھونڈوں گی۔

آخر کار یہ تینوں کسی شہر میں پہنچ گئیں۔شہزادی نے ایک نظر دیکھتے ہی اپنے خاوند کو پہچان لیا کہ یہ وہی ہے جومٹی کی ٹوکریاں اُٹھا کرمزدوری کررہا ہے۔پُھول پری نے جوتااس کے سر پر دے مارا کہ بے شرم، ہم عورت ہو کر تمھیں تلاش کررہی ہیں اور تم نے دوعورتوں سے

نکاح کرنے کے بعد ان چھوڑ دیا۔

وہ اسے نئے اچھے کپڑے پہنا کو اس کو ساتھ لیے روانہ ہوگئیں۔ راستے میں ان کو کالے کلوٹے کے والدین مل گئے۔ ان کی بادشاہی بھی چھین لی گئی تھی اور بے حد رسوائی کی حالت میں در بدر تھے۔ ان کی ٹولی شہر پہنچ گئی۔

وہاں پہنچتے ہی پھول پری نے نئے بادشاہ کو موت کے گھاٹ اتارا اور خود بادشاہت سنبھالی۔ اس کا شوہر اس کا نوکر بنا رہا۔ وہ گھر میں برائے نام شوہر تھا۔ اور اپنی بیویوں کا محتاج تھا۔

لعل پری اور سیمرغ

ایک پری تھی۔ وہ اپنی سہیلیوں کے ساتھ سیروتفریح کی خاطر گھومتی پھرتی تھی۔ کبھی یہاں تھی تو کبھی وہاں۔ اس کا وطن انتہائی آباد و سرسبز تھا۔ ان پریوں کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ انسان دیوؤں اور سیمرغوں کی مدد سے یہاں آئیں گے اور ہمیں لے جائیں گے۔ کیوں نہ ہم چل کر کسی انسان کو لے آئیں۔ اس کے ساتھ کسی پری کی شادی کرادیں گے یا اس کو نوکر بنا دیں گے۔

ایک دن ایک پری اس ارادے سے روانہ ہوگئی کہ چل کر کسی شہزادے کو لے آئے۔ وہ اُڑتی اُڑتی پریوں کے وطن کی سرحد عبور کر کے سیمرغوں کے دیس کی حدود تک پہنچی۔ اسے اس علاقے سے بہت خوف آنے لگا۔ وہ اکیلی تھی۔ رات اس نے یہیں گزار دی۔ اس دوران دو سیمرغ آگئے۔ ایک بولا، آج یہاں پریوں کی بو آرہی ہے۔ دوسرا بولا، شاید کوئی سیمرغ یا انسان کسی پری کو لے آیا ہے۔ جو بھی اس پری کو لے جا رہا ہے، وہ ان دنوں میں اس کو لے جانے میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اس علاقے میں ایک اژدھا نما بلا آئی ہے۔ اس نے اس علاقے میں تہلکہ مچایا ہے۔ وہ تو واپس جا چکا ہے۔ سیمرغ بولا، اب جو بھی اس راستے سے گزرے گا، پہرے دار اس کو جانے نہیں دے گا۔

سیمرغ یہ باتیں کرتے ہوئے چلے گئے۔ رات تو پری نے جیسے تیسے کر کے گزار دی۔ صبح سویرے بھاگ گئی۔ وہ درختوں پر ہوتی ہوئی چلتی گئی۔ اس نے سیمرغوں کو چکر لگاتے ہوئے دیکھا۔ وہ کسی میدان کے اوپر اُڑان بھر رہی تھی کہ سیمرغوں کی نظر اس پر پڑ گئی۔ انھوں نے اس کا تعاقب کیا۔ دُور کہیں جا کر اُسے پکڑ لیا۔

کوئی بولا، اسے جلا کر راکھ کر دیں گے۔ اور کوئی بولا نہیں اسے قتل کر دیں گے۔ اس سے پوچھ گچھ کی تو پری بولی میں پریوں کے بادشاہ کی بیٹی ہوں۔ میں کسی انسان کو لینے جا

رہی ہوں۔

سیمرغ اسے پکڑ کر اپنے بادشاہ کے حضور لے گئے۔ بادشاہ نے اسے اپنے محل میں بند کر دیا کہ مجھ سے شادی کرلو۔

بادشاہ نے اس کے ساتھ شادی رچائی۔رات وہ اکٹھے سوئے۔ بادشاہ نے اس سے پورا قصہ پوچھا۔اس نے سب حالات بتائے۔صبح کے وقت پری بادشاہ کی ٹوپی پہن کر غائب ہوگئی۔وہ انسانوں کے دیس آنکلی۔

آدھی رات کے وقت وہ کسی خوب صورت اور حسین شہزادے کو اُڑا لے گئی، اور سیمرغوں کے وطن پہنچ گئی۔

سیمرغوں کے بادشاہ نے فرمان جاری کیا تھا کہ شہزادی میری ٹوپی پری چرا لے گئی ہے۔اسے تلاش کر کے پکڑ لاؤ۔مگر سیمرغوں کی بات کون مانے کہ ان کے بادشاہ کی ٹوپی گم ہو گئی ہے۔

لعل پری شہزادے کے ساتھ سیمرغوں کے وطن کو بھی پار کر گئی۔اور شہزادے کو کہیں نہیں چھوڑا۔آخر وہ پریوں کے دیس پہنچ گئی۔اس نے سیمرغوں کو یہی بتایا کہ اگر تم لوگ اس شہزادے انسان کو لے جاؤ گے تو پھر ہمارا کیا حشر ہوگا، ہماری بھی حالت تم جیسی ہی ہے۔اس نے شہزادے کو سیمرغوں کے حوالے نہیں کیا۔اور اپنے دیس میں شہزادے کے ساتھ شادی کرنے کا ارادہ ظاہر کیا۔

پریوں کو حال معلوم ہوا تو وہ ناراض ہوگئیں۔انھوں نے اپنے بادشاہ سے شکوہ کیا کہ یہ غلط کام کروا رہے ہو۔مگر اس نے کسی کی بات نہیں مانی۔

لعل پری نے شہزادے کے ساتھ شادی کرلی۔ پریوں نے لعل پری محل سے نکال کر باہر ایک جگہ دے دی۔لعل پری اور شہزادہ اُدھر ہی رہنے لگے۔ دونوں گھروں سے محروم ہو گئے۔مگر وہ اپنی زندگی پر نازاں تھے اور ہنسی خوشی رہنے لگے۔

مورمرغ

ایک بادشاہ تھا۔اس کی دو بیویاں تھیں ۔ بادشاہ ان دونوں کے ساتھ امتیازی سلوک کرتا تھا۔

ایک رات بادشاہ اپنی ایک بیوی کے ساتھ سویا ہوا تھا کہ کچھ پرندے آوازیں نکالتے ہوئے اوپر سے گزر گئے۔ بادشاہ نے کہا، یہ حُوریں ہیں ۔بیوی بولی،نہیں یہ پریاں ہیں اور پریوں میں مورمرغ کی نسل سے ہیں ۔وہ اپنے وطن جارہی ہیں ۔ بادشاہ اور ملکہ نے شرط لگا دی کہ جو ہارے اس کا سر منڈوایا جائے گا۔ بادشاہ نے دونوکران پرندوں کے پیچھے روانہ کیے، تا کہ وہ جا کر پرندوں کی اصلیت معلوم کریں۔

راستے میں انھوں نے پرندوں کورات گزارتے بیٹھے دیکھا۔حقیقت میں یہ پرندے مورمرغ تھے ۔انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ شرط تو ملکہ جیت گئی ہے۔اب واپس جا کر جھوٹ موٹ بول کر بادشاہ کورسوا ہونے سے بچائیں گے۔

وہ دونوں نوکر صبح سویرے بادشاہ کے دربار میں پہنچے اور بتایا کے وہ حوُریں تھیں۔ بادشاہ نے ملکہ کو بلوا کراس کا سر منڈوادیا۔

اب ملکہ نے سوچا کہ اس رسوائی سے شاہی محل کو چھوڑنا بہتر ہے۔ملکہ محل چھوڑ کر کسی دریا کے کنارے رہنے لگی۔

ایک روز ملکہ دردِزہ میں مبتلا ہوگئی۔اس دوران کچھ پریاں آگئیں ،اور دائی کا کام کیا۔ملکہ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ پریاں ایک انگوٹھی اسے دے کرخوداُڑ کر چلی گئیں۔

اس کا بیٹا بڑا ہو گیا۔ماں بیٹا دونوں درختوں کے پتے کھا کھا کر گزارہ کرتے تھے۔

اس علاقے میں ایک سوداگر تھا۔تجارت اس کا پیشہ تھا۔اس دوران وہ سوداگر ایک

کشتی میں سامان ڈال کر دریا عبور کر رہا تھا کہ عین اس وقت دریا میں طوفان آ گیا۔سوداگر نے منت مانگی کہ اگر اس مرتبہ طوفان سے صحیح سلامت بچ نکلا اور کنارے پر زندہ پہنچا تو نصف سامان خدا کے نام پر خیرات کر دوں گا۔سوداگر طوفانی لہروں سے بچ کر دریا کے کنارے پہنچا تو نوکروں سے کہا کہ کہیں کسی آبادی کی تلاش کرلو تا کہ سامان خیرات کے لیے تقسیم کر دیں۔اس اثنا میں سوداگر نے کسی جھونپڑی کے سامنے ایک معصوم لڑکے کو کھیل کود کرتے ہوئے دیکھا۔ سوداگر اس کی طرف چل پڑا۔جھونپڑی کے اندر سے ملکہ نے آواز دی، اندر مت آؤ میں ننگی ہوں، ایک چادر پھینک دو تا کہ میں اسے اوڑھ لوں۔

سوداگر ایسا ہی کیا۔ پھر اندر ہی چلا گیا۔ملکہ نے اس کو تمام واقعات بتائے۔سوداگر ،ملکہ کو اپنی بہن بنا کر اپنے قافلے کے ہمراہ لے کر آگے بڑھ گیا۔ جب سوداگر اپنے گھر پہنچا تو اس کی بیوی نے ایک دوسری عورت کو دیکھ کر ناک بھوں چڑھائی کہ تم نے دوسری شادی رچائی ہے۔اس نے اسے بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ نہ مانی۔

ایک روز سوداگر کی بیوی نے شربت کی پیالی میں زہر ملایا تا کہ ملکہ مرجائے۔مگر غلطی سے وہ زہر کی پیالی اس نے خود پی لی۔اور وہ مرگئی۔

کچھ دنوں بعد سوداگر اس لڑکے کے ساتھ شکار پر چلا گیا۔وہاں کسی دیو کی کمان سے تیر مارا تو دیو کا پیر ٹوٹ گیا اور سونے کی چوڑی اس کے پیروں سے نکل کر گر پڑی۔سوداگر نے اس چوڑی کو بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا۔بادشاہ کی ملکہ نے اس قسم کی دوسری چوڑی لانے کی فرمائش کی۔سوداگر نے جا کر اس لڑکے کو بات بتا دی۔ وہ لڑکا اس قسم کی چوڑی کی تلاش میں نکل پڑا۔وہ دیو کے شہر پہنچا شہر کا دروازہ بند تھا۔اس نے دروازے پر انگوٹھی کو رگڑا تو وہ کھل گیا۔وہ اندر چلا گیا۔اندر ایک پری بیٹھی ہوئی تھی۔اس کا نام گل پری تھا۔وہ اس پری کو لے کر باہر نکلا۔اور اس کو ساتھ لے کر چل پڑا۔وہ اس پری کو دیکھ کر چوڑی لانا بھول گیا۔

پری کو لے جا کر بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ بادشاہ نے کہا میں نے تمھیں

چوڑی لانے کو کہا تھا، اور تم پری لے آئے ہو۔ وہ پھر چوڑی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ راستے میں ایک درخت کے سائے میں لیٹ کر آرام کرنے لگا۔

اس دوران دو پرندے آ کر درخت پر بیٹھے۔ ایک پرندہ بولا، یہ انسان جو چوڑی لانے جا رہا ہے، اسے دیو پکڑ لیں گے اور اس سے کہیں گے کہ تمھیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیں یا تمھیں پانی کے اندر پھینک دیں، اسے چاہیے کہ وہ کہے کہ اسے پتھر مار دیں، تو دیو اسے پانی کے اندر پھینک دیں گے۔ شاید اس طرح کی جان بچ جائے۔ یہ الفاظ کہہ وہ پرندے اُڑ کر چلے گئے۔

لڑکے نے یہ باتیں سن کر گرہ میں باندھ لیں اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ آخر اس سوراخ تک پہنچ گیا، جہاں چوڑیاں رکھی ہوئی تھیں۔ اسے دیو نے دیکھ لیا، اور پکڑ کر بولا، تمھیں پتھر پر دے ماریں یا پانی میں پھینک دیں۔ اس نے کہا مجھے پتھر پر مار دو۔ مگر دیو نے اُسے اُٹھا کر دریا میں پھینک دیا۔ پانی بہا کر اُسے لے جا رہا تھا کہ آدم خور اُسے دریا سے پکڑ کر اپنے ساتھ اپنے شہر لے گئے، تا کہ رات کے وقت اسے کھا لیں۔ آدم خوروں کے بادشاہ کی بیٹی نے اسے دیکھ کر کہا کہ میں اس سے شادی کر لوں گی۔

وہاں ایک دن اس نے اپنی انگوٹھی کو پھر کسی چیز سے رگڑا تو ایک پری پہنچ گئی۔ پری اسے اٹھا کر بھاگ گئی۔ اتنی دیر میں آدم خوروں کو پتا چلا تو انھوں نے اس کا پیچھا کیا، پری ایک کبوتر بن گئی۔ آدم خور عقاب بن کر اس کے تعاقب میں لگے رہے۔ انھوں نے کہا کہ لڑکا ہماری امانت ہے، اسے ہمیں لوٹا دو۔ پری بولی، جب یہ پیدا ہوا تھا تو سب سے پہلے میں نے اسے دودھ پلایا تھا، میں اسے کیسے دے سکتی ہوں۔

تب وہ ناکام و نامراد لوٹ گئے۔ پری اسے اٹھا کر اس سوراخ تک لے گئی، اور چوڑی سے پُر صندوق اُٹھا کر اس کے حوالے کر دیا۔

اس دوران بادشاہ نے فرمان جاری کیا کہ نوجوان جب اس کے شہر میں داخل ہوگا، اسے قتل کر دیا جائے گا۔ بادشاہ اس لڑکے کا کام تمام کرنا چاہتا تھا جو حقیقت میں اس کا اپنا بیٹا

تھا۔ وہ نوجوان صندوق سر پر اٹھا کر حالات سے بے خبر اپنی منزل کی طرف سفر کر رہا تھا کہ راستے میں پھر اسی درخت کے نیچے آرام کرنے لیٹ گیا۔ دو پرندے آ کر پھر اس درخت پر بیٹھ گئے۔ ایک پرندے نے کہا، یہ نوجوان کس قدر خوشی میں واپس اپنے گھر جا رہا ہے، مگر اس کو معلوم نہیں کہ بادشاہ اس کو قتل کرنے کے درپے ہے۔ جو اس بادشاہ کا اپنا بیٹا اور لختِ جگر ہے۔ یہ نوجوان اس درخت کے پھول توڑ کر اپنی داڑھی پر مل دے تو وہ بوڑھا نظر آنے لگے گا اور شہر میں داخل ہوتے وقت اسے کوئی کچھ نہیں کہے گا۔ پرندے یہ کہنے کے بعد اُڑ گئے۔

نوجوان اٹھ کھڑا ہوا۔ درخت سے پھول توڑے اوہ اپنی راہ لی۔ شہر کے قریب جا کر اس نے پھول اپنی داڑھی پر ملے تو وہ بوڑھا نظر آنے لگا۔ شہر کے اندر داخل ہوا۔ اُسے کسی نے کچھ نہیں کہا۔ وہ سیدھا جا کر سوداگر کا مہمان ہوا۔ اس نے سوداگر کو بھی حقیقی حالات سے آگاہ نہیں کیا۔ اس نے سوداگر سے کہا تم صبح جا کر بادشاہ سے کہہ دو کہ میں ایک کہانی سناؤں گا۔ اور ہر لفظ کے دس روپے لوں گا۔

صبح ہوتے ہی لوگ جمع ہو گئے۔ بادشاہ خود بھی چلا آیا اور اس نے کہانی سنانی شروع کر دی:

کسی بادشاہ کی ملکائیں تھیں۔ ایک رات دو پرندے چہچہاتے ہوئے گزرے۔ بادشاہ نے اپنی ملکہ کے ساتھ شرط لگائی۔ درحقیقت بادشاہ شرط ہار چکا تھا۔ مگر نوکروں نے دروغ گوئی سے کام لے کر اسے رسوائی سے بچایا۔

اتنے میں وہ نوکر اٹھ کر جانے لگے۔ مگر بادشاہ نے ان کو بیٹھنے کا حکم دیا۔ اور خود بھی ششدر تھا کہ وہ تو اس کی کہانی سنا رہا ہے۔ بادشاہ نے نوجوان سے کہا کہ پھر آگے کیا ہوا۔

اس نے کہانی جاری رکھتے ہوئے کہا: ملکہ نے رسوائی اور بے عزتی کی تاب نہ لا کر شاہی محل کو چھوڑا، اور دریا کے کنارے رہنے لگی۔ سوداگر اسے اپنی بہن بنا کر اپنے گھر لے آیا۔ ایک مرتبہ اس ملکہ کے بیٹے نے کسی دیو کو مار کر اس کی چوڑی بادشاہ کی خدمت میں پیش کی

......اب وہ بادشاہ اس نوجوان کی جان کے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑا ہوا ہے......حالاں کہ وہ اس کا اپنا خون اور بیٹا ہے......اور وہ عورت بادشاہ کی بہو ہے۔

بادشاہ نے پوچھا اب وہ لڑکا کہاں ہے۔؟

اس نے پھول نکال کر پھر ڈارھی پر مل دیے تو وہ اصلی حالت میں آ کر نوجوان بن گیا۔اور جھٹ سے جواب دیا: وہ لڑکا میں ہوں۔میری ماں اس سوداگر کے گھر میں ہے۔

بادشاہ نے اپنے بیٹے کو سینے سے لگایا۔اپنی ملکہ اور سوداگر کو محل میں بلوایا۔اپنے بیٹے کی شادی گل پری سے کر دی۔سوداگر کو اپنا وزیر بنایا۔جن نوکروں نے جھوٹ بولا تھا، ان کو قتل کرنے کا حکم دیا۔

گل باران اور شہ پری

ایک بادشاہ تھا۔ وہ اپنے علاقے کا حکمران تھا۔ بادشاہ کا ایک بیٹا تھا۔ اس کا نام گل باران تھا۔ بادشاہ کو اپنے بیٹے سے بہت ہی پیار تھا۔ ایک مرتبہ گل باران وزیر کے ساتھ شکار کرنے چلا گیا۔ وہ دونوں شکار میں مصروف تھے کہ ان کی نگاہیں ایک گھوڑے پر پڑیں۔ گل باران اس گھوڑے پر سوار ہو گیا، اور اسے سرپٹ دوڑانے لگا۔ گھوڑے کے پاؤں زمین سے اٹھتے گئے۔ اور آخر وہ ہوا میں اُڑنے لگا۔ گھوڑے نے گل باران کو اڑاتے ہوئے ایک پہاڑ پر پہنچا دیا۔ یہ کوہ کاف تھا۔ وہ گھوڑا دیوؤں کا سردار تھا۔ اور گل باران پر عاشق ہو گیا تھا۔

وزیر جو یہ سارا ماجرا دیکھ رہا تھا، ہکّا بکّا رہ گیا۔ اس نے واپس آ کر بادشاہ کو تمام حالات سے آگاہ کر دیا۔ بادشاہ حیران ہو گیا کہ اب کیا کیا جائے۔ اگر وہ کوئی انسان ہوتا تو اس سے لڑائی لڑی جا سکتی تھی۔ مگر اب وہ کوئی دیو یا بلا ہے، تو اس کے ساتھ کیا کیا جا سکتا ہے۔ بادشاہ اور ملکہ پریشان رہنے لگے۔ رات دن رونے دھونے میں گزارتے۔ آخر کار بادشاہ اپنی آنکھوں سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ وزیر بادشاہ بن بیٹھا۔ وہ اب وزیر کے محتاج بن کر رہ گئے۔ وہ جو کچھ ان کو دیتا، اسی پر گزارہ کرتے۔

دیوؤں کی سردارنی، گل باران کے ساتھ کوہ کاف میں رہنے لگی۔ وہ دن کے وقت اپنا کام کاج کرتا۔ رات کو واپس آ کر گل سے مجلس کرتا۔ اسے گل باران کے ساتھ بہت پیار تھا۔ ایک دن گل باران گھومتے گھومتے باغ کے اندر چلا گیا۔ وہاں ایک حوض تھا۔ جو پانی سے بھرا رہتا۔ عموماً پریاں وہاں آ کر غسل کرتی تھیں۔ گل باران نے دیکھا کے پریاں نہا رہی ہیں۔ وہ ان کے کپڑوں پر آ کر بیٹھ گیا۔ پریوں نے اُسے نہایت ڈرایا، دھمکایا۔ پھر بڑی منت سماجت کی۔ مگر وہ لاپرواہ اور بے خوف و خطر کپڑوں پر بیٹھا رہا۔ آخر پریوں نے مجبور ہو کر پوچھا،

تم ہم سے آخر چاہتے کیا ہو۔

اس نے ایک کی جانب اشارہ کر کے کہا، وہ خوب صورت پری مجھے دے دو۔

انہوں نے حامی بھر لی کہ وہ پری تمہاری ہے۔ اس کا نام شہ پری ہے۔

اس نے کپڑے چھوڑ دیے۔ سب پریوں نے کپڑے پہن لیے۔ اور شہ پری کو چھوڑ کر باقی سب اُڑ کر چلی گئیں۔

گل باران شہ پری کو اپنے ساتھ اپنی جگہ پر لے گیا۔ دیر تک وہاں مجلس کرتے رہے۔ شہ پری اس سے بولی کہ یہ تمہارا دیو کافی عرصے سے میرے پیچھے پڑا ہوا ہے، وہ مجھ پر عاشق ہے۔ اگر اس نے ہم دونوں کو اکٹھے دیکھا تو ہمیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔ آج جب دیو آجائے تو اس سے مجھے مانگ لینا۔ میں کل اسی وقت اسی تالاب میں واپس آؤں گی۔ یہ کہہ کر وہ چلی گئی۔

دیو اس دوران آگیا۔ وہ گپ شپ لڑاتا، شغل کرتا، مجلس جمانے کی کوشش کرتا۔ مگر گل باران خاموش رہا۔ کسی بات پر دلچسپی ظاہر نہیں کی۔ دیو نے پوچھا تم کیوں خوموش ہو۔ میں تو تمھیں اپنا وقت پاس کرنے کے لیے اٹھا لایا ہوں، اور تم چپ سادھ بیٹھے ہو۔ آخر گل باران بول پڑا، میں تم سے ایک چیز مانگتا ہوں، وعدہ کرو کہ دو گے۔ دیو نے زبان دی اور وعدہ کر لیا۔ گل باران نے شہ پری کا مطالبہ کیا۔ اس کا نام سنتے ہی دیو پر بے ہوشی طاری ہوگئی۔ جب ہوش وحواس میں آیا تو پھر پوچھا۔ گل باران نے شہ پری کا تقاضا کیا۔ بالآخر دیو بولا وہ تمہاری ہے۔ تم پر بخش ہے۔

دوسرے روز صرف شہ پری پانی کے اندر رہی۔ گل باران بھی پانی کے اندر چلا گیا۔ دیر تک دونوں اکٹھے نہاتے رہے۔ شام کو جب واپس لوٹے تو دیو بھی آگیا۔ دیو نے کہا، شہ پری! گل باران اب تمہارا ہے۔ اسے پروں پر بٹھا کر جہاں لے جانا چاہتی ہو، لے جاؤ۔ میری طرف سے تم دونوں کو اجازت ہے۔

شہ پری گل باران کو اپنے ساتھ اُڑا کر اس کے علاقے میں لے گئی۔ وہاں ایک صراف رہتا تھا۔ وہ گل باران کا دوست تھا۔ وہ دونوں اس کے پاس چلے گئے۔ اور اس کے ساتھ وہاں رہنے لگے۔ دوسرے روز گل باران شکار کرنے چلا گیا۔ شہ پری سنار کے گھر سے اپنے خاوند کو تک رہی تھی کہ اس دوران شہر کے بادشاہ کی نظر اس پڑی، جو پہلے بادشاہ کا وزیر تھا۔ وہ فوراً وہاں پہنچا۔ اور شہ پری کو زبردستی اٹھا کر لے یجانے کی کوشش کی۔ شہ پری نے جلدی سے پریوں کے کپڑے پہن لیے اور اُڑنے لگی۔ جاتے جاتے صراف کو پیغام دیا کہ گل باران کو بتا دو کہ اگر اسے میری دوستی اور خواہش ہے تو سبز پری کے دیس آجائے۔ اور پھر شہ پری اُڑ کر غائب ہوگئی۔

دوسرے روز گل باران تیاری کر کے سفر پر روانہ ہوا۔ اس کا رخ اس دیو کی جانب تھا، جس کے پاس وہ پہلے رہائش پذیر تھا۔ وہ منزلیں طے کرتے ہوئے وہاں پہنچ گیا کہ شاید دیو اس کی مدد کر کے اسے کچھ بتا دے۔ دیو نے اپنے ماتحت سب دیوؤں کو بلایا اور پوچھا کہ سبز پری کا وطن کہاں ہے۔ سب نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس دیو نے اسے اپنے دوسرے بھائی کی طرف پیغام دے کر روانہ کیا۔ گل باران اس کے پاس پہنچا۔

اس دیو نے جوتوں کا ایک جوڑا اسے دے کر کہا کہ اسے پہن لو۔ سو دنوں کا سفر ایک دن میں طے کر لو گے۔

وہ اس کے پاس پہنچا تو اس نے کہا، تم آگے جاؤ تیسرے بھائی کے پاس، شاید اسے کچھ معلوم ہو۔

اس بھائی نے بھی لاعلمی ظاہر کر دی۔ اس دیو نے اسے ایک ٹوپی دے کر کہا کہ، اسے پہن لو تمھیں کوئی دیکھ نہیں سکے گا۔ تم سیدھا میرے چوتھے بھائی کے پاس جاؤ۔

گل باران اس کے پاس پہنچا۔ وہاں اس نے اسے ایک ڈنڈا دے کر کہا کہ جہاں کہیں سامنے پہاڑ آئیں ان پر ڈنڈا مارو، تمھیں راستہ مل جائے گا۔ اور پھر اس نے اسے اپنے

پانچویں بھائی کے پاس روانہ کر دیا۔

وہ سفر کرتا ہو، ااس بھائی کے پاس پہنچا۔ اس نے اسے سب کچھ بتا دیا۔ اور سُرمہ بھی دے دیا کہ جس اندھے کی آنکھوں میں سُرمہ ڈالو گے، اس کی روشنی بحال ہو جائے گی۔ اس نے اسے راستہ بھی بتا دیا، اور ہدایت کی کہ ٹوپی پہن کر وہاں تک جاؤ۔ گل باران سفر کرتے کرتے تھک گیا، اور کسی درخت کے نیچے لیٹ کر آرام کرنے لگا۔

اتنے میں دو تین پریاں وہاں آ کر بیٹھ گئیں۔ وہ بولیں، شہ پری ایک انسان کو دل دے بیٹھی ہے۔ اب اس کی حالت پاگلوں جیسی ہے۔ نہ کھاتی ہے، نہ پیتی ہے۔

گل باران ان پریوں کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ وہ بھی شہ پری کے کمرے کی طرف روانہ ہو گئیں۔ انھوں نے شہ پری کے لیے پانی رکھا اور واپس لوٹ گئیں۔ دروازہ بند تھا۔ گل باران نے ٹوپی اتاری۔ شہ پری نے گل باران کو دیکھا تو اس کا دل خوشی سے باغ باغ ہو گیا۔ دونوں گلے ملے۔ گل باراس کے ساتھ رہنے لگا۔

دوسرے روز شہ پری کے والدین شہ پری سے ملاقات کرنے آئے۔ انھوں نے کہا، بیٹی خواہ مخواہ پریشان رہتی ہو۔ وہ انسان ہے۔ تمھیں بھول چکا ہو گا۔ وہ یہاں کیسے آسکتا ہے۔

شہ پری بولی اگر وہ یہاں آ گیا تو؟

وہ بولے اگر وہ یہاں آ گیا تو تم اُسی کی ہو گی۔

اتنے میں گل باران نے ٹوپی اتار لی۔

شہ پری نے کہا، یہ ہے میرا خاوند۔ اس کے لیے میں آنسو بہاتی رہی ہوں۔

اس والدین اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔

ان کی دوبارہ نہایت تزک واحتشام کے ساتھ شادی کر دی۔ وہ دونوں اجازت لے کر واپس ہوئے۔ آ کر اسی دیو کے پاس مہمان بنے۔ دیو بہت خوش ہوا۔ اس نے انھیں ایک

لاٹھی دے دی کہ کوئی مصیبت آن پڑے تو اسے زمین پر مار دو، میں مدد کے لیے پہنچ جاؤں گا۔

یہ میاں بیوی اپنے گھر چلے گئے۔ جب گھر پہنچے تو والدہ اور والد دونوں کو اندھا پایا۔ انھوں نے ان کی آنکھوں میں سُرمہ ڈالا تو دونوں کی آنکھوں کی روشنی بحال ہوگئی۔

جب یہ خبر وزیر کے کانوں میں پڑی تو وہ فوراً بادشاہ کے گھر پہنچا۔ وہاں اس نے گل باران کو موجود پایا۔ اس نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ گل باران کا کام تمام کر دو۔ گل باران نے وقت ضائع کیے بغیر لاٹھی زمین میں ماری تو دیو لاؤ لشکر سمیت پہنچ گیا۔ دیو نے پہنچتے ہی پوچھا، کیا مصیبت آپڑی ہے۔ اس نے سب حالات بتا دیے۔ دیو نے وزیر کے لشکر پر حملہ کو دیا۔ وزیر کو قتل کر کے اس ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔ باقی لشکر کو تہس نہس کر دیا۔

دیو واپس اپنے وطن کو سدھارے۔ گل باران بادشاہ بن بیٹھا اور خوشی خوشی حکومت کرنے لگا۔

سنہری بالوں والی پری

ایک تھا بادشاہ ۔ وہ اپنی بادشاہت کر رہا تھا۔مگر اس کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی ۔ جو گداگر بادشاہ کے پاس خیرات مانگنے آتا، بادشاہ اُسے قید کر لیتا۔ ایک دفعہ ایک خدا رسیدہ بزرگ فقیر وہاں آیا۔ بادشاہ نے اُسے گرفتار کرنا چاہا تو فقیر نے وجہ پوچھی ۔ بادشاہ نے کہا، میری کوئی اولاد نہیں ہوئی ۔تم لوگ میرے لیے دعا بھی نہیں کرتے ۔فقیر نے کہا، صبر سے کام لو، خدا تمھیں بیٹا دے گا۔

اس طرح کچھ عرصہ بعد بادشاہ کے گھر بیٹا پیدا ہوا۔ اس وقت تک فقیر بھی وہاں بیٹھا رہا۔ بادشاہ نے فقیر سے کہا۔ جو مانگ سکتے ہو مانگو!

فقیر بولا، صرف ایک پیالی!

بادشاہ نے فوراً اسے ایک پیالی پیش کی ۔

بیٹے کا نام گل باران رکھا گیا۔گل باران جوان ہوا۔ وہ گھر سے باہر بالکل قدم نہیں رکھتا تھا۔ ایک دن دو گداگر آئے ۔اُس نے دروازے تک آ کر خود خیرات دی ۔ان میں سے ایک فقیر بولا ، یہ جوان کوہ کاف میں ایک لڑکی سے شادی کرے گا۔ یہ بات شہزادے کے ذہن میں بیٹھ گئی۔ وہ ہر روز اس سوچ میں مگن رہتا۔

ایک دن اس نے اپنی بہن کو بتایا کہ وہ کوہ کاف جا رہا ہے ۔ وہاں ایک حسین وجمیل دوشیزہ ہے۔ وہ اسی سے شادی کرلے گا۔

گل باران نے لشکر اور سامان آراستہ کیا۔ اور اپنے سفر پر روانہ ہو گیا۔ راستے میں وہ کسی بادشاہ کے شہر میں پہنچے ۔ جہاں کے لوگ ایک دیو کو مار رہے تھے ۔گل باران نے اُن سے وجہ پوچھی تو انھوں نے بتایا کہ اس دیو نے تباہی مچادی ہے ۔ چھ ماہ وہ سوتا رہتا ہے اور چھ جاگتا رہتا ہے ۔ بادشاہ ہمیں چار آنے فی کس کے حساب سے اس کے مارنے کے عوض

دیتا ہے۔گل باران نے ان سب کو ایک ماہ کی رقم یکمشت ادا کردی۔اور دیو کو آزاد کرایا۔

گل باران اپنی منزل کی جانب سفر کر رہا تھا کہ وہی دیو اس کے راستے پر آ کر بیٹھ گیا۔گل باران تلوار نیام سے نکال کر لڑنے کے لیے آگے بڑھ گیا۔مگر دیو بولا، یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تم نے مجھ سے نیکی اور میں تم سے بدی کروں۔دیو نے گل باران کے سب ساتھیوں کو واپس کر دیا کہ یہ لوگ بزدل ہیں، میں خود تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔

وہ دونوں سفر پر روانہ ہو گئے۔راستے میں گل باران کا گھوڑا تھک گیا۔تب دیو اسے اپنی پیٹھ پر بٹھا کر دریا کے عین درمیان واقع ایک پہاڑ پر لے گیا۔وہ وہاں رہنے لگے۔گل باران ادھر ہی رہتا تھا۔اور دیو، پری زادی کی تلاش میں پھرتا رہتا تھا۔آخر ایک روز وہ اس جگہ جا نکلا۔جہاں پری زادی قید تھی۔دیو نے اس صندوق کو اٹھا لیا،جس میں پری زادی کو قید کر کے بند کیا گیا تھا۔وہ اسے لے کر گل باران کو پاس لے آیا اور اس کے حوالے کر دیا۔اسے ہدایت کی کہ اس صندوق کو مت کھولو۔میں کچھ تھک گیا ہوں۔کچھ دیر سستا کر پھر تم سے آملوں گا۔

گل باران اپنی منزل کی جانب چل پڑا۔آگے جا کر اس نے صندوق کا ڈھکنا کھول دیا۔
اس میں سے پری نکلی اور بولی، کیا پریوں کا وطن اب گزر چکا ہے اور انسانوں کا دیس آچکا ہے؟

تو اس نے جواب دیا کہ نہیں، اب تک پریوں کا علاقہ ختم نہیں ہوا ہے۔

اس دوران کئی دیو، پری زادی کی تلاش میں نکل پڑے تھے۔وہ فوراً ان تک پہنچے اور پری کو اپنے ساتھ لے گئے۔گل باران کو مار مار کر بے ہوش کر دیا۔وہ بے ہوشی کی حالت میں پڑا تھا کہ اس کا اپنا ساتھی دیو پہنچ گیا۔وہ اسے ہوش میں لے آیا۔اور بولا، تم نے پری زادی کو کھو دیا۔

یہ دونوں واپس آ کر اسی جگہ رہنے لگے۔دیو نے اس سے کہا، دوست میں پھر اپنی کوشش کروں گا۔میرے پر جل گئے ہیں۔اگر اس مرتبہ پھر پری زادی کو کھو یا تو اس کے بعد

میرے لیے اس کو حاصل کرنا بہت مشکل ہوگا۔ دیو یہ کہہ کر چل پڑا۔

وہ دوبارہ اسی جگہ پر آیا۔ مگر وہاں پری زادی موجود نہیں تھی۔ دیو کہیں چھپ گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ دوسرے دیو آ گئے۔ دروازے پر دو لاٹھیاں رکھی ہوئی تھیں۔ انھوں نے ان لاٹھیوں کو اٹھا کر ایک دوسری جگہ رکھ دیا تو دروازہ خود بخود کُھل گیا۔ وہ اندر چلے گئے۔ جب دونوں دیو لوٹ کر واپس چلے گئے تو اس دیو نے بھی اسی طرح عمل کیا، دروازہ خود بخود کھلنے کے بعد وہ اندر چلا گیا۔ پری کو صندوق میں بند کر کے گل باران کے پاس پہنچا۔ اور فوراً روانگی کا مشورہ دیا۔ خود آرام کرنے لگا۔ کچھ دیر ستانے کے بعد جا کر اس سے مل گیا۔ اب وہ انسانوں کے علاقے میں داخل ہو گئے تھے۔ وہاں کسی شہر کے نزدیک پڑاؤ کیا۔

بادشاہ نے دیکھا کہ شہر کے نزدیک ایک روشنی ہے۔ بادشاہ اپنے لوگوں کے ساتھ آیا تو دیکھا کہ یہ عورت کی روشنی ہے۔ اس کی نیت خراب ہو گئی۔ دیو نے اپنا ڈنڈا زمین پر دے مارا۔ اس کے کچھ لوگ بھاگ گئے اور کچھ وہیں ڈھیر ہو گئے۔

وہ صبح ہوتے ہی روانہ ہو گئے۔ دیو ادھر ستانے لگا۔ گل باران پری کے ساتھ سفر کر رہا تھا کہ راستے میں ایک بادشاہ شکار کے بعد واپس جا رہا تھا۔ اس دیکھا کے نوجوان ایک حسین دوشیزہ کے ساتھ جا رہا ہے۔ اس نے اپنے آدمیوں کے ساتھ گل باران کو پکڑ کر اس کی مشکیں کس لیں اور عورت کو اٹھا کر اپنے محل لے گیا۔ اسی وقت شادی کا اہتمام ہونے لگا۔ قاضی، وزیر، غلام، عورتیں اور خادمائیں سب جمع ہو گئے۔ عورتیں اور خادمائیں سب اس پری زادی کے ساتھ چارپائی پر بیٹھ گئیں۔ اس دوران دیو بھی پہنچ گیا۔ اس نے جب یہ حالت دیکھی تو پھر ڈنڈے کو زمین پر دے مارا اور خود بادشاہ کے محل جا پہنچا۔ چارپائی کو اوپر اٹھا لے گیا۔ بادشاہ حیرت زدہ رہ گیا کہ چارپائی کے ساتھ عورتیں اور خادمائیں بھی ہوا میں اڑتی جا رہی ہیں۔

بعد ازاں دیو نے عورتوں اور خادماؤں کو واپس کیا۔ وہ گل باران کو لے کر اس شہر پہنچا۔ اور وہاں نہایت تزک و احتشام کے ساتھ پری زادی کی شادی کر دی گئی۔ بادشاہ اور سب خوش ہو گئے۔

قسمت پری

ایک تھا بادشاہ ۔ اس کا بیٹا کوئی نہ تھا ۔ اس نے فقیروں سے کہا ، میرے لیے دعا کروں ۔ ایک فقیر نے کہا، اپنی بیوی کو کہہ دورات کو دریا کے کنارے جا کر بیٹھے اور دعا کرے ۔ اللہ تمھیں بیٹا دے گا۔ بادشاہ نے اپنی بیوی سے کہا کہ تم ایک رات دریا کے کنارے بیٹھو، شاید اللہ ہمیں بیٹا عطا کرے ۔

بادشاہ کی بیوی جا کر دریا کے کنارے بیٹھ گئی اور دعائیں مانگنے لگی ۔ ایک سفید داڑھی والا آدمی دریا سے باہر نکلا اور اس عورت کی پیٹھ پر تھپکی دی اور کہا کہ جاؤ اپنے گھر اللہ نے تمھیں بیٹا بخش دیا، خوش رہو، وہ اپنے گھر چلی آئی اور وقت پورا ہونے پر اس کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔

کچھ سال کے بعد لڑکا بڑا ہوا تو ایک روز شکار کے لیے نکلا۔ ایک شام کو وہ باغ میں سیر کر رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ تالاب میں کوئی نہا رہا ہے، وہ قریب آیا تو اس نے دیکھا کہ ایک پری ہے، نہانے کے بعد کپڑے پہن رہی ہے ۔اس نے پوچھا تم کون ہو؟

اس نے جواب دیا کہ میں ایک پری ہوں ۔ میرا نام قسمت پری ہے ۔ بات کرنے کے بعد پری آسمان کی طرف اڑ گئی ۔شہزادہ گھر آیا اور پریشان رہنے لگا۔ چند دنوں بعد وزیر نے بادشاہ سے پوچھا کہ آپ کا بیٹا کس بات کے لیے پریشان رہتا ہے ۔

بادشاہ نے بیٹے کو بلایا اور پوچھا کہ سناؤ کیوں پریشان ہو؟ شہزادہ نے کہا ،قسمت پری : اور کوئی بات نہیں کی ۔تو بادشاہ نے کہا کہ شہر سے باہر ایک فقیر ہے ۔ وہی تمھیں سب کچھ بتائے گا ۔شہزادہ جب وہاں چلا گیا تو دیکھا کہ وہی فقیر بیٹھا ہوا ہے ۔ اس کے چاروں طرف لڑکے کھیل رہے ہیں ۔ کچھ اس کو دھکے دے رہے ہیں، کچھ اس کو چھیڑ رہے ہیں، کچھ اس کے کان کھینچ رہے ہیں ۔شہزادہ چپ چاپ کھڑا رہا۔فقیر نے کہا،شہزادے تم کیوں مجھ سے

نہیں کھیلتے۔شہزادے نے کہا کہ مجھے قسمت پری کا پتہ بتاؤ۔

فقیر نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ وہ شہر دیکھ رہے ہو۔شہزادے نے دیکھا کہ شہر نظر آرہا ہے۔فقیر نے کہا جاؤ اسی شہر میں۔شہزادہ چل پڑا۔اصل میں یہ شہر تھا بہت دور مگر فقیر نے کرامات کے زور سے اسے قریب دکھایا تھا۔آٹھویں دن شہزادہ وہاں پہنچا۔اس نے دیکھا کہ ایک باغ ہے،اس میں ایک پلنگ پڑا ہوا ہے،اور اس پر بستر بچھا ہوا ہے۔شہزادہ جا کر پلنگ پر لیٹ گیا۔یہ پلنگ قسمت پری کا تھا۔

قسمت پری جب آئی تو اس نے دیکھا کہ ایک آدمی میرے پلنگ پر سو رہا ہے۔اس نے اسے جگایا کہ تم ہو کون،میری پلنگ پر سو رہے ہو۔شہزادے نے کہا میں فلاں بادشاہ کا بیٹا ہوں۔قسمت پری بہت خوش ہوئی۔اس نے کہا کہ میں نے فیصلہ کیا تھا کہ جو شخص میرے پلنگ پر آ کر سو جائے،میں اسی سے شادی کروں گی۔مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ ایک شہزادہ آ گیا۔میں تم سے شادی کروں گی۔پری گئی اپنے ماں باپ کے پاس کہ میری شادی اسی شہزادے سے کر دو۔ماں باپ نے کہا کہ ہم تمہاری شادی اس انسان سے نہیں کرا سکتے۔کیوں کہ انسان کی عمر کم ہوتی ہے،اور ہم پریوں کی عمر دو سو سال ہوتی ہے۔پھر قسمت پری نے کہا کہ میں نے وعدہ کیا ہے کہ کسی اور سے شادی نہیں کروں گی۔

باپ نے کہا چلو میں تیرے ساتھ چلتا ہوں۔قسمت پری کا باپ بھی اور اس کی ماں بھی اس کے ساتھ چلے رسول اللہ صلعم کے پاس۔قسمت پری نے اپنی بات سنائی اور اس کے ماں باپ نے اپنی بات سنائی۔

اسی وقت ایک گھوڑا جس پر سونے کی زین پڑی ہوئی تھی،شہزادہ کے سامنے آ کھڑا ہوا،اور اس سے کہا کہ تم مجھ پر بیٹھ جاؤں،میں تمھیں سیر کرا کے لاتا ہوں۔شہزادہ گھوڑے پر بیٹھ گیا۔گھوڑا اڑ گیا اور رسول اللہ صلعم کے دربار میں پہنچا۔شہزادے نے دیکھا کہ قسمت پری، اس ماں اور اس کا باپ وہاں کھڑے ہیں۔اسی وقت گھوڑا واپس لوٹا۔شہزادہ باغ میں اتر گیا اور

اسی پلنگ پر بیٹھ گیا۔اس نے دیکھا کہ گھوڑا غائب ہو گیا اور ایک گدھا زین کے ساتھ آ کر اس کے ساتھ کھڑا ہوا۔گدھے نے کہا تم نے گھوڑے کی سواری کی اور سیر کر کے آئے ۔اب میری سواری کرو میں بھی تمھیں خوب سیر کراؤں گا۔

شہزادہ اب گدھے پر سوار ہوا، گدھا سیدھا بادشاہ کے اپنے شہر میں پہنچ گیا۔اس طرح شہزادے اور قسمت پری کی ملاقات نہیں ہو سکی۔

ابھی تک لوگ کہتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کی تلاش میں پھر رہے ہیں۔

لوک کہانیاں

شہزادہ، گڈریا اور نینا بائی

ایک بادشاہ تھا، جس کا کوئی بیٹا نہ تھا۔

اس نے اپنے قلعہ کے دروازے پر چار پائی بچھائی اور سو گیا۔

ایک فقیر آیا، اس نے کہا کہ آپ اس ملک کے بادشاہ ہیں۔ آپ کس طرح اس حال میں پڑے ہوئے ہیں۔

بادشاہ نے فقیر سے کہا، فقیرا گر میں تمھیں بتا دوں تو تمہارے کوئی حکمت ہے، جو میرا مسئلہ حل کر سکے؟

فقیر نے کہا، بادشاہ آپ بتا تو دیں۔

بادشاہ نے کہا کہ میرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔

فقیر نے کہا، میں کل تمھیں بتاؤں گا۔

دوسری صبح بادشاہ فقیر کے پاس چلا گیا تو فقیر نے اس کو دو دانے بیر کے دیے اور اسے کہا کہ ایک دانہ تم کھاؤ اور ایک اپنی بیوی کو کھلا دو۔

بادشاہ نے بیر لے لیے۔ ایک اس نے خود کھایا اور ایک اپنی بیوی کو کھلایا۔ بادشاہ کی بیوی پیٹ سے ہو گئی اور دسویں مہینے اس نے ایک بیٹے کو جنا۔ بادشاہ نے اعلان کرا دیا کہ جس کے گھر میں آج کوئی بیٹا پیدا ہوا ہو تو اس بچے کو میرے پاس لائے، میں اپنے بیٹے کے ساتھ ساتھ اسے بھی پالوں گا۔

ایک گڈریا بلوچ تھا۔ اس کے ہاں بھی اسی روز ایک بیٹا پیدا ہوا تھا۔ وہ اپنے بیٹے کو بادشاہ کے ہاں لے آیا۔ بادشاہ دونوں بچوں کو ساتھ پالنے لگا۔

چار پانچ سال بعد گڈریا بادشاہ کے پاس آیا اور عرض کی کہ بادشاہ سلامت میرے بیٹے

کو اجازت دے دیں تا کہ وہ میرے ساتھ چلے۔ بادشاہ نے کہا میں تمہارے بیٹے کو اجازت دیتا ہوں مگر تم میرے بیٹے کو بھی ساتھ لے چلو۔ میں دونوں کو اجازت دیتا ہوں کہ وہ ایک سال تک تمہارے پاس رہیں۔

بلوچ شہزادہ کو اور اپنے بیٹے کو ساتھ لے کر اپنے گھر چلا گیا اور پر اس نے ان کو بکروں کے بچوں کو چرانے پر لگا یا۔

دو تین سال گزر گئے تو بادشاہ نے اپنے آدمی بھیجے کہ جاؤ میرا بیٹا لے آؤ۔

بیٹے نے جواب دیا کہ میں نہیں جاؤں گا۔

پھر بادشاہ نے اپنے وزیر کو بھیجا کہ جا کر میرے بیٹے کو لے آؤ۔

جب وزیر چلا گیا تو شہزادے نے جواب دے دیا کہ میں اپنے بھائی کو چھوڑ کر نہیں آؤں گا۔ میں بلوچ ہوں اور میں نہیں آؤں گا۔

وزیر واپس آ گیا اور بادشاہ کو بتایا۔ بادشاہ کو افسوس ہوا کہ میرا بیٹا میرا نہ ہوا۔ اس نے اعلان کرایا کہ جو میرے بیٹے کو واپس لے آئے گا، میں اسے مالا مال کر دوں گا۔

ایک بڑھیا تھی۔ اس نے کہا کہ میں تیرا بیٹا واپس لاؤں گی۔

بڑھیا وہاں پہنچی جہاں پر یہ لڑکے بکریاں چرا رہے تھے۔ بڑھیا وہاں پر گوبر اکٹھا کرنے لگی۔ جب ٹوکرا بھر گیا تو اس آواز دی جو کوئی آ کر یہ ٹوکرا میرے سر پر رکھ دے میں اس کے کان میں ایک پتے کی بات بھی کہوں گی۔

بادشاہ کے بیٹے نے کہا بھائی تم جاؤ اور بات بھی سنو اور ٹوکرا بھی اٹھا دو۔

چرواہے کا بیٹا بڑھیا کے پاس گیا۔ اس نے ٹوکرا اٹھا کر اس کے سر پر رکھا اور اس سے کہا اب بات بتاؤ۔ بڑھیا نے لڑکے کے کان میں کہا بات تمھیں کل بتاؤں گی۔

لڑکا مڑ کر بھائی کے پاس آیا۔ شہزادے نے پوچھا، بڑھیا نے کیا بتایا۔ لڑکے نے کہا مجھے کچھ نہیں بتایا اور کہا کہ کل بتاؤں گی۔ شہزادے کے دل میں شک پیدا ہوا۔ دوسرے روز

بڑھیا پھر آ گئی، اور گوبرا اٹھانے لگی اور پھر آواز دی کہ کوئی آ کر میری مدد کرے۔شہزادے نے بلوچ کے بیٹے سے کہا کہ اس دفعہ تم جاؤں آج بڑھیا تمھیں بات بتانے والی ہے۔

مگر بڑھیا نے پھر اس کے کان میں کہا کہ کل پھر آ جانا۔جب وہ پھر کر آیا تو شہزادے نے پوچھا تمھیں کیا بتایا۔اس نے کہا بڑھیا نے مجھے کچھ نہیں بتایا۔شہزادے نے کہا ہاں تم بات مجھ سے چھپا رہے ہو۔اس کے دل میں شک پیدا ہوا۔

تیسرے دن پھر بڑھیا آ گئی اور لڑکے کو پکارا۔بلوچ کے بیٹے نے شہزادے سے کہا آج تم جاؤ۔

شہزادہ جب گیا تو بڑھیا نے اس سے کہا کہ بلوچ جس کو تم نے بھائی بنایا ہوا ہے، مجھے ہر روز کہتا ہے کہ بادشاہ کی بہن سے میری بات چیت کرادو۔میں اس پر عاشق ہوں۔

شہزادے کو غصہ آیا اور وہ وہاں سے سیدھا اپنے باپ کے پاس آ گیا۔

یہاں پر وہ بہت افسردہ رہنے لگا۔

باپ نے اس سے پوچھا کہ تم کیوں پریشان ہو۔

اس نے کہا میں اس وقت ٹھیک ہوں گا، جب اسی چرواہے کے بیٹے کو مار کر اس کی آنکھیں نکال دی جائیں اور قدح میں ڈال کر مجھے لا کر دکھائی جائیں۔

بادشاہ سمجھ گیا کہ یہ سب حرکت اس بڑھیا کی ہے۔ وزیر کو بلایا اور کہا کہ جاؤ چرواہے سے کہہ دو کہ اپنے بیٹے کو یہاں سے بھگاؤ۔ایک دنبہ ذبح کرو۔اس کی آنکھیں نکال دو اور کسی برتن میں ڈال کر لے آؤ۔

بلوچ نے وزیر کے کہنے پر ایک دنبہ حلال کیا۔اس کی آنکھیں نکال کر ایک برتن میں رکھ دیں۔اپنے بیٹے کو چھپا دیا۔وزیر نے لا کر آنکھیں بادشاہ کے بیٹے کو دکھا دیں کہ یہ اس لڑکے کی آنکھیں ہیں، ہم نکال کر لائے ہیں۔شہزادہ بہت خوش ہوا۔

ایک دن شہزادہ شکار کو نکلا۔دریا کے کنارے اس نے دیکھا کے جہاز جا رہا ہے۔جہاز

میں ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔شہزادے کی بیوی سے آنکھیں چار ہوئیں اور وہ ایک دوسرے کے عشق میں گرفتار ہو گئے۔تھوڑی دیر میں جہاز شہزادے اور خاتون ایک دوسرے کو دیکھتے رہے اور جہاز دریا کی دوسری طرف روانہ ہو۔اس شہزادی نے اپنا ہاتھ سر پر رکھا۔ دوسری بار آنکھوں پر رکھا۔تیسری بار ہاتھ ہتھیلی پر رکھا اور اشارے کرتی رہی۔

بادشاہ کا بیٹا گھر لوٹا تو بہت غمزدہ تھا۔ بادشاہ نے پوچھا تمھیں کیا ہو گیا ہے۔ شہزادے نے بتایا اس قسم کی عورت میں نے کشتی میں سوار دیکھی اور میرا دل اس پر آ گیا ہے۔ اگر وہ مجھے مل جائے تو اچھا ہو گا، ورنہ میں زندہ نہیں رہ سکتا۔بادشاہ نے وزیر سے دریافت کیا ،اس عورت نے میرے بیٹے کو اس قسم کے اشارے کیوں کیے ہیں، ان کا مطلب کیا ہے۔

وزیر نے جواب دیا، میں کچھ نہیں سمجھتا۔

شہزادے نے کہا ،وہ بلوچ لڑکا جو میرا بھائی بنا تھا اگر وہ زندہ ہے تو اس کی خطا معاف کرواور اسے میرے پاس لاؤ۔

وزیر جا کر اس لڑکے کو لے آیا۔لڑکے نے پوچھا ،شہزادے تمھیں کیا تکلیف ہے ،مجھے بتاؤ۔

شہزادے نے بتایا کہ میں نے جہاز میں ایک عورت دیکھی ہے،جس نے اس قسم کے اشارے کیے۔

لڑکے نے بتایا کہ یہ عورت تم پر عاشق ہوگئی ہے۔جب اس نے سر پر رکھا تو مطلب تھا میں چوٹی کے شہر میں رہتی ہوں۔آنکھوں پر ہاتھ رکھنے کا مطلب میرا نام نینا بائی ہے اور ہتھیلی پر ہاتھ رکھنے کا مطلب یہ تھا کہ ہم چوڑیاں بنانے والے لوگ ہے۔چلو میرے ساتھ میں اسے تلاش کر کے تمھاری ملاقات کراؤں گا۔

انھوں نے دو تھیلے اشرفیوں سے بھرے گھوڑوں پر رکھے اور روانہ ہوئے۔وہ معلوم کرتے کرتے چوٹی کے شہر پہنچ گئے۔اپنے آپ کو سوداگر بتایا۔ایک بڑھیا کے گھر اپنا سامان

رکھا اور ریشم لے کر شہر میں پہنچے کہ ہم ریشم بیچنے آئے ہیں۔ اس طرح وہ گھومتے پھرتے چوڑی بنانے والوں کے محلے میں آئے۔ آواز لگائی ہم ریشم بیچتے ہیں۔ انگوٹھی بھی دھاگے بھی۔ جس نے خریدنا ہے، آجائے۔

بہت ساری عورتیں جمع ہوگئیں۔ ایک روپے کے عوض میں ان کو چار روپے کا سودا ملنے لگا۔ سب کو خوشی ہوئی۔ نینا بائی کو معلوم ہوا، وہ بھی خریدنے آئی۔ اس نے شہزادے کو دیکھا تو پہچان گئی۔ گھر واپس چلی گئی۔ اس نے پیسہ رکھ دیا اور دوپٹے کے پلو میں گندم ڈال کر آئی اور ریشم خریدنے لگی۔ اس نے برتن کو تین بار بھرا اور چوتھی بار اسے ایک چوتھائی خالی چھوڑا ان کے بدلے سامان لیا۔ شہزادے کے دوست چرواہے کے بیٹے نے پہچان لیا۔ اس نے بہت سامان اس کے حوالے کر دیا اور شہزادے سے کہا اٹھو چلتے ہیں۔

جب وہ باہر نکلے تو لڑکے نے شہزادے سے پوچھا تم نے یہاں پر کسی کو پہچانا؟ شہزادے نے کہا نہیں۔ چرواہے کے بیٹے نے بتایا کہ نینا بائی یہی تھی جو گندم لے کر آئی تھی سودا لینے کے لیے اور اپنا پیغام بھی دیا تمھیں۔ جب اس نے برتن گندم سے تین بار پُر کر کے دیا اور چوتھی بار ایک چوتھائی خالی رکھی تو اس کا مطلب یہ تھا کہ شہر کے باہر ایک گنبد ہے، اس کے تین مینار سلامت ہیں اور ایک ٹوٹا ہوا ہے۔ اسی گنبد میں شام کو نینا بائی آرہی ہے۔

شام کو وہ گنبد میں انتظار کرنے لگا۔ رات ہوئی تو نینا بائی گنبد میں آگئی۔ چرواہے کا بیٹا تو باہر آگیا اور شہزادے کو وہیں نینا بائی کے ساتھ گنبد میں رہنے دیا۔

اس گنبد کے سامنے ایک فقیر کا جھونپڑا تھا۔ لڑکے نے فقیر کو تین چار روپے دیے اور اسے کہا کہ اگر کوئی گنبد کی اَور آنے لگے تو تم شور مچانا اور اس طرح کہنا کہ اے بھورے بیل کے مالک اپنے بیل کو باندھ کر رکھو، ورنہ صبح یہ کھیت میں گھس جائے گا، تو مجھے پتہ چل جائے گا۔ اگر آنے والے کے پاس بندوق نہیں تو پھر شور نہ مچانا۔

اس شہر کا بادشاہ بھی نینا بائی پر عاشق تھا۔ اس نے رات کو نجومی سے کہا تم فال نکالو کہ نینا بائی اس وقت کیا کر رہی ہے۔ سو رہی ہے یا جاگ رہی ہے اور کیا کر رہی ہے۔ نجومی نے جب فال نکالی تو کہنے لگا، بادشاہ سلامت نینا بائی فلاں گنبد میں ایک بے گانے آدمی کے ساتھ بیٹھی ہے۔ بادشاہ نے فوج کو حکم دیا کہ جا کر گنبد کو گھیرے میں لے لو نہ کسی کو گنبد کے اندر جانے دو اور نہ کسی کو باہر نکلنے دو۔ صبح سویرے میں خود گنبد کا دروازہ کھول کر دیکھوں گا۔

فوج آ کر گنبد کے چاروں طرف پہرہ دینے لگی۔ فقیر کو جس طرح چرواہے کے بیٹے نے فقیر کی آواز سن لی۔ وہ قریب ہی مکان کے اوپر چڑھ گیا تو دیکھا کہ ایک سوداگر اپنی بیوی کے ساتھ سو رہا ہے۔ اس کو آواز دی کہ اپنی بیوی کے زیور مجھے دے دو اور زنانہ کپڑے بھی مجھے دے دو۔ ہزار روپے اپنے پاس رکھو۔ اگر میں واپس آیا تو سو روپے تمھیں منافع دوں گا۔ ورنہ یہ ہزار تمہارے ہیں۔ سوداگر نے سب کچھ دے دیا۔ لڑکے نے اپنا مردانہ لباس اتارا اور زنانہ کپڑے پہنے۔ زیور بھی پہنے۔ بازار جا کر اس نے مٹھائی خریدی۔ معجون بھی خریدا اور مٹھائی میں ڈال دیا۔ تھال ہتھیلی پر رکھ کر اس گنبد کے پاس چلا گیا۔ بادشاہ کی فوج وہاں پر پہرہ دے رہی تھی۔

سپاہیوں نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے کہا میں فلاح سوداگر کی بیوی ہوں۔ میرا میاں مسافری پر گیا تھا۔ میں نے گنبد کے بزرگ کے نام منت مانی تھی کہ میرا میاں آجائے تو میں اس سے بات چیت نہیں کروں گی۔ جب تک گنبد والے پیر کے سلام کو نہ آؤں اور مٹھائی خیرات نہ کروں۔ بہت سال کے بعد میرا میاں اب واپس آیا ہے۔ اب مجھے چھوڑ دو، میں گنبد پیر کی زیارت کروں اور منت بھی پوری کروں۔ یہ میرا ایمان ہے، ہم ہندو ہیں، اس کے بعد میں اپنے شوہر سے بول سکوں گی۔ کسی نے کہا یہ ہندو کی بیوی ہے، اسے جانے دو۔ سپاہیوں نے مٹھائی لے کر کھالی اور نشے میں غش ہو کر سب گر پڑے۔ لڑکا گنبد کے اندر چلا گیا۔ زنانہ کپڑے، زیور اور مٹھائی کی تھالی وہیں پھینک دی۔ نینا بائی سے کہا تم نکل کر گھر جاؤ۔ نینا بائی اپنے گھر چلی گئی اور یہ دونوں بھائی گنبد میں سو گئے۔

جب صبح ہوئی تو بادشاہ گنبد دیکھنے آ گیا۔ اندر آ کر اس نے دیکھا کہ دونو جوان سو رہے ہیں۔

نجومی سے کہا تم نے رات نینا بائی کے بارے میں جھوٹ بولا، اس لیے تمھیں سزا ملنی چاہیے۔

اس آدمی نے کہا کہ آپ بادشاہ ہیں، اس طرح کریں ایک غار بنائیں۔ نینا بائی کو حکم دیں وہ آگ پر سے گزرے، اگر وہ جل گئی تو مجھے معاف کر دیں اور اگر وہ سلامت باہر آئی تو جو چاہیں مجھے سزا دیں۔

چنانچہ غار کھودی گئی۔ آگ اس میں جلائی گئی۔ بادشاہ نے نینا بائی کو بلایا۔ بہت سارے لوگ بھی آ کر جمع ہوئے۔

چرواہے کے بیٹے نے سوچا کہ نینا بائی تو قصوروار ہے، اسے کس طرح یہاں سے سلامت نکالا جائے۔ اس نے اپنے بھائی کو فقیر کا لباس پہنایا اور دیوانہ فقیر بنا کر لوگوں کے درمیان کھڑا کر دیا۔ اسے سمجھایا کے جب نینا بائی آگ میں سے گزرنے کے لیے آ جائے تو تم پوگلوں کی طرح نینا بائی کو اٹھاؤ اور بادشاہ سے اس طرح عرض کرو کہ ایسی ملکہ کو آگ میں کیوں ڈال رہے ہو۔

نینا بائی تیار ہو کر آگ کے قریب آ گئی۔ فقیر نے آ کر اسے اٹھایا اور جس طرح چرواۓ کے بیٹے نے اسے سمجھایا تھا، بادشاہ کو ویسا ہی کہا۔ پھر نینا بائی نے بادشاہ سے کہا، بادشاہ حضور ایک میں اور میرا شوہر ہیں اور ایک فقیر کو معلوم ہے، اللہ مجھے معاف کر دے۔ ایک تو بادشاہ میرے اوپر عاشق ہے، مجھے کسی نے چھوا تک نہیں ہے۔ اگر میں جھوٹ بولوں تو آگ میں جل جاؤں۔

یوں آگ میں سے وہ گزر کر سلامت باہر آ گئی۔

نینا بائی کو اجازت مل گئی۔ وہ اپنے گھر چلی گئی۔ بادشاہ اپنے محل چلا گیا۔

نجومی کو بلایا گیا اور بادشاہ نے اسے کہا آئندہ تم نینا بائی پر اتنا بڑا جھوٹا الزام نہ لگانا، اس دفعہ تمھیں معاف کیا ہے۔

چرواہے کے لڑکے نے اب اس طرح کیا کہ اپنے ساتھی شہزادے کو زنانہ کپڑے پہنائے اور نینا بائی کے خسر کے پاس اسے لے گیا۔ اس کو کہا میں اس لیے یہاں آیا ہوں کہ سب نے تمہارے محلے کی تعریف کی ہے۔ یہ لڑکی میری بھابی ہے۔ اسے اپنے محلے میں رکھو۔ یہ تمہاری امانت ہے۔ میرا بھائی کہیں چلا گیا ہے۔ میں اسے جا کر لے آتا ہوں، پھر اپنی بھابی لے کر جاؤں گا۔ اس وقت تک تم اسے اپنے ہاں رہنے دو۔

نینا بائی کا خسر لڑکے کو اپنے گھر لے گیا اور نینا بائی کے حوالے کر دیا کہ تمہاری سہیلی رہے گی۔ جب تک اس کا شوہر آ جائے۔ ایک روز یہ گھر میں بیٹھے تھے کہ نینا بائی کا شوہر آ گیا۔ اس نے ایک خوب صورت عورت دیکھی تو وہ اس پر عاشق ہو گیا اور نینا بائی سے کہا کہ میں اس کے ساتھ شادی کروں گا ورنہ اسے بادشاہ کے حوالے کر دوں گا۔

نینا بائی نے اپنے خسر سے کہہ دیا کہ تمہارا بیٹا اس عورت پر عاشق ہو گیا ہے۔ بیس دن گزرے، نینا بائی کے شوہر نے آ کر اس شہزادے سے بات کرنے کی کوشش کی تو شہزادے نے اس کو ڈنڈوں سے مار ڈالا اور زمین کھود کر اس کو وہیں گاڑ دیا اور خود باہر نکل کر بھائی کے ساتھ چلتا بنا۔

نینا بائی نے آ کر اپنے خسر کو بتایا کہ تمہارا بیٹا رات اس عورت کو بھگا کر لے گیا ہے۔ خسرے نے کہا اور کسی کو یہ بات نہ بتانا۔

نینا بائی کے خسر نے سات آٹھ روز بھاگ دوڑ کی مگر اس کو نہ اپنا بیٹا ملا اور نہ وہ عورت۔

ایک روز وہ دونوں بھائی چرواہے کا بیٹا اور بادشاہ کا بیٹا، گھوڑوں پر سوار نینا بائی کے خسر کے پاس آئے۔ چرواہے کے لڑکے نے اس سے کہا میرا بھائی مجھے مل گیا، اب میری بھابی مجھے لا دو، ہم اپنے وطن جا رہے ہیں۔

نینا بائی کے خسر نے سوچا اب کام تو خراب ہو چکا ہے، وہ چرواہے کے بیٹے کو الگ لے گیا اور اسے کہہ دیا کے تمہاری بھابی کو میرا بیٹا بھگا کر لے گیا ہے اور یہاں سے غائب ہے ۔مجھے پتہ نہیں کہاں گیا ہے۔ تجھے قسم ہے یہ بات کسی سے کہنا مت ۔اس ملک کا بادشاہ بہت ظالم ہے، اسے معلوم ہو جائے تو مجھے بہت تنگ کرے گا۔ میرے میرے بیٹے کی بیوی ہے ،جس کا نام نینا بائی ہے، میں تمہارے حوالے کرتا ہوں، اس کو تم لے جاؤں۔

چرواہے کا بیٹا بہت غصے سے بولا، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔سب کہتے تھے کے تم شریف اور ایمان دار آدمی ہو اور یہ تم ہمارے ساتھ کر رہے ہو۔ ہماری عورت کو بھگا دیا تم نے۔ میں ابھی جا کر بادشاہ سے شکایت کرتا ہوں۔

نینا بائی کے خسر نے اپنی پگڑی اتار کر اس کے قدموں پر رکھ دی اور کہا کہ میرے بیٹے نے مجھے ذلیل کیا ہے۔تم نینا بائی کو لے جاؤں اور جو کچھ مانگتے ہو، وہ بھی دے دوں گا۔بس کسی اور کو یہ بات نہ بتاؤ۔

نینا بائی کے خسر نے دو ہزار روپیہ بھی دے دیا اور نینا بائی بھی اس کے حوالے کر دی۔ تب چراوہے کے بیٹے نے منظور کرلیا۔

نینا بائی کو لے کر شہر سے چل پڑے اور رات کو کہیں ٹھہر گئے۔رات کو چرواہے کے بیٹے نے خواب دیکھا کہ بادشاہ کا بیٹا جو اس کا بھائی بھی بنا ہوا تھا اس راستے میں سانپ ڈس لے گا اور وہ مر جائے گا۔اگر یہاں سے بچ جائے تو دہی کھا کر مرے گا جس میں زہر ہو گا۔اگر زہر سے نہیں مرے گا، جو کوئی اسے بچائے گا، بچانے والا ایک سال تک پتھر بن جائے گا اور وہ اس طرح پھر ٹھیک ہو گا کہ اس شہزادے کو جو بیٹا ہوں گا، نینا بائی سے اس پتھر کو حلال کر کے اس کا خون پتھر پر گرے تو وہ پھر زندہ ہو جائے گا۔

صبح وہ روانہ ہوئے تو راستے میں دیکھا ایک تازیانہ پڑا ہوا ہے۔ چرواہے کے بیٹے نے کہا تم لوگ چلو میں خود اسے اٹھا لاتا ہوں۔وہ اپنے گھوڑے سے اترا تو دیکھا کہ یہ تازیانہ

نہیں بلکہ سانپ ہے۔ سانپ کو اس نے مار ڈالا۔ آگے بڑھے تو دیکھا کہ ایک بڑھیا کسی برتن میں دہی ڈالے آ رہی ہے۔ بادشاہ زادے نے دہی خریدا کہ کھالیں گے۔ چرواہے کے نے کہا حضور یہ مجھے دے دیں میں اٹھاؤں، آگے جا کر کھالیں گے۔ چرواہے نے دہی سے بھرا ہوا مٹی کا برتن اٹھایا اور نیچے گرا دیا کہ اس سے وہ ٹوٹ گیا۔ بادشاہ کے بیٹے نے پوچھا اسے کیوں گرا دیا تو اس نے جواب دیا میرے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

گھوڑوں کو دوڑاتے بادشاہ کا بیٹا شام کو شہر اپنے گھر پہنچ گئے۔ چرواہے کے بیٹے نے کہا کہ میں نے قول دیا تھا کہ جب شہر پہنچے گئے تو پہلی رات کو میں خود تمہارے لیے پہرہ دوں گا۔

بادشاہ کا بیٹا اور نینا بائی سو گئے۔ چرواہے کا بیٹا پہرہ دینے لگا۔ آدھی رات کو اس نے دیکھا کہ ایک کالا ناگ آ رہا ہے، بادشاہ کے بیٹے کی طرف۔ اس نے تلوار اٹھائی اور کالے ناگ کو مار ڈالا۔ ناگ کے خون کا ایک قطرہ نینا بائی کے چہرے پر جا گرا۔ چرواہے کے بیٹے نے سوچا شاید بادشاہ کا بیٹا جاگ پڑے اور نینا بائی کے چہرے کو بوسہ دے اور زہر اس کے منہ میں لگ جائے اور وہ مر جائے۔ اس نے تلوار کی نوک پر کپاس رکھی کہ اس سے نینا بائی کے چہرے پر خون کا دھبہ اتارتا ہوں۔ اتنے میں نینا بائی جاگ پڑی۔ بادشاہ کے بیٹے کو جگایا اور اس نے غصے میں چرواہے کے کو کہا کہ اچھا تم نینا بائی کو چھیڑ رہے تھے۔

چرواہے نے خواب کا سب حال بتا دیا۔ جو سانپ اس نے مار ڈالا تھا وہ بھی دکھا دیا اور کہا کہ اب میں نے تمھیں یہ سب کچھ بتا دیا ہے، اس لیے میں ایک سال تک پتھر بن کر پڑا رہوں گا۔ تمہارے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوں گا، اگر تم لوگ اسے حلال کر کے اس کا خون میرے اوپر گرا دو گے تو میں پھر سے زندہ ہو جاؤں گا ورنہ پتھر بن کر پڑا رہوں گا۔

یہ بتانے کے بعد وہ پتھر بن گیا۔

پھر جب بھی جو کھانا پکتا تو نینا بائی پہلے اس پتھر کو ڈالتی اور پھر خود کھالیتے۔ ایک سال

کے بعد ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ بیٹے کو انھوں نے اس پتھر پر حلال کیا اور خون پتھر پر گرتے ہی چرواہے کا بیٹا زندہ ہو کر بیٹھ گیا۔

اب آپ ہی بتائیں کہ کون بازی لے گیا بادشاہ کا بیٹا یا چرواہے کا بیٹا؟

طوطا اور مینا

کسی ملک میں سات طوطے رہتے تھے ۔اس ملک میں قحط پڑ گیا۔طوطوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ کسی اور ملک چلے جاتے ہیں تا کہ آرام سے رہیں ۔ وہ کسی اور ملک میں آئے دیکھا ،لوگ بڑے خوش حال ہیں ۔ پانی بہت ہیں بارش کافی ہوئی ہے۔فصلیں اچھی ہیں ۔مگر لوگ ایک دوسرے کو نہیں چاہتے۔

طوطوں نے سوچا،اس ملک میں جہاں لوگ ایک دوسرے کو پسند نہیں کرتے۔شاید ہم بھی آپس میں لڑنے لگیں ۔اس لیے یہ ملک چھوڑ کر کسی اور ملک چلے جاتے ہیں ۔ چنانچہ وہ ایک اور ملک میں آئے ۔انھوں نے دیکھا کہ یہاں پر نہ زیادہ خوش حالی ہے اور نہ کوئی قحط ہے ۔البتہ جوگ ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں ۔بھائی چارہ ہے ۔طوطوں نے فیصلہ کیا کے اب ہم یہیں رہیں گے ۔ جہاں کے لوگ میل جول اور دوستی سے رہتے ہیں ۔

اس ملک کے بادشاہ کو ایک پھوڑا نکلا۔حکیموں نے علاج کیا مگر ٹھیک نہ ہوا تو ایک حکیم نے مشورہ دیا کہ ایک طوطا پکڑ لیا جائے اور اس پر نوچ کر آگ میں جلائے جائیں اور ان کو پیس کر پھوڑے پر لگایا جائیں تو پھوڑا ٹھیک ہو جائے گا۔ بادشاہ نے اعلان کیا کہ جو شخص طوطا پکڑ کر لائے گا۔اسے بہت سارا انعام دوں گا۔ایک شخص نے جال بنایا اور طوطا پکڑنے کے لیے گیا اور ساتوں طوطے اس کی جال میں پھنس گئے۔

طوطوں نے آپس میں صلاح کی کہ ہم پھنس گئے ہیں ۔اب اس طرح حیلہ کرتے ہیں۔جب وہ شخص ہمیں جال سے باہر نکالے گا تو وہ سمجھے یہ تو مر گئے ہیں ۔اس لیے وہ ہم کو پھنکتا جائے گا اور جب ساتوں کو پھینک دے گا۔تب ہم ایک ساتھ اڑ جائیں گے ۔جب شکاری نے جال سے طوطے نکالنا شروع کیا تو وہ سمجھا واقعی میں یہ مر گئے ہیں ، چنانچہ وہ انھیں پھینکتا چلا گیا۔

چھ اس نے پھینک دیے۔ ساتواں اس کے ہاتھ میں تھا کہ اس کی لاٹھی اس سے گر گئی۔

دوسرے طوطوں نے سمجھا، ہمارا ساتھی ہے جو نیچے گر گیا، وہ سب اڑ گئے۔

شکاری یہ ساتواں طوطا لے کر بادشاہ کے پاس پہنچ گیا۔ بادشاہ نے طوطے کے پر نوچے اور جس طرح حکیم نے بتایا اپنے پھوڑے پر لگائے اور اس کا پھوڑا ختم ہو گیا۔ بادشاہ نے طوطا اپنے سائیس کے حوالے کیا کہ اس کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ دو مہینے تک طوطے کے پر پھر سے نکل آئے، وہ اڑ کر چلا گیا۔ سائیس نے دیکھا کہ طوطا غائب ہو گیا ہے۔ اس کی جگہ ایک موتی پڑا ہوا ہے۔ اس نے موتی جا کر بادشاہ کے حوالے کیا۔ بادشاہ نے کہا کہ ہم نے بڑی بے وقوفی کی ہے جو طوطے کو پنجرے میں بند نہ کیا۔

طوطا اڑتا چلا گیا اور کہیں کھو گیا۔

راستے میں بارش ہوئی تو وہ بوڑھے درخت کے تنے میں گھسنے لگا تا کہ بارش سے بھیگ نہ جائے۔

اندر کھوہ میں ایک مینا بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے کہا، تمھیں اندر آنے کی اجازت نہیں۔

طوطے نے کہا، میں مسافر ہوں تھوڑی دیر کے لیے مجھ کو اندر آنے دیں۔ بارش تھم جائے گی تو چلا جاؤں گا۔

مینا کہنے لگی کہ ایک شرط پر تمھیں اندر آنے دوں گی کہ تم میری بیٹی کے ساتھ شریعت کے مطابق شادی کر لو۔ پھر تمھیں جگہ دوں گی۔

طوطا نے شرط منظور کر لی۔ مینا کی بیٹی سے اس کی شادی ہو گئی۔

ایک روز مینا اڑ کر باہر سیر کو چلی گئی۔ طوطا سوچنے لگا۔ وہ مینا ہے اور میں طوطا ہوں، ہم دونوں اکٹھے نہیں رہ سکتے۔ اس لیے اپنی بیوی کو چھوڑ کر چلا گیا۔ جب طوطا کی ساس آئی، مینا آ گئی، طوطے کو نہ دیکھا تو وہ طوطے کا پیچھا کرنے لگی اور جا کر راستے میں اسے گھیر لیا اور پوچھا کہ تم بھاگ کیوں رہے ہو۔ تم نے کون سا عیب مجھ میں دیکھا۔ طوطے نے کہا، تم میں کوئی

عیب نہیں مگر تم مینا ہو اور میں طوطا ہوں۔ ہم اکٹھے نہیں رہ سکتے، اس لیے میں جا رہا ہوں۔ مینا کہنے لگی اور کسی سے فیصلہ کراتے ہیں۔ طوطے نے کہا مجھے منظور ہے چلو۔

وہ بادشاہ کے پاس آئے۔ انھوں نے اجازت مانگی اور مینا نے کہا کہ سب سے پہلے میں اپنا بیان دوں گی اور کہانی بھی سناؤں گی۔

مینا کی کہانی

ایک بادشاہ تھا۔ ایک روز جب وہ تیاری کر رہا تھا۔ اپنے بیٹے کی شادی کی اور بادشاہ کی بیٹی کے ساتھ تو اس کے نجومی نے فال نکال کر اسے بتایا کہ جس بادشاہ کی بیٹی سے تم اپنے لڑکے کی شادی کرانا چاہتے ہو۔ تمہارا بیٹا اس لڑکی کو اپنے گھر میں نہیں رکھے گا۔ خیر...... بادشاہ نے جا کر اپنے بیٹے کی شادی کرادی، جب واپس اپنے وطن آرہے تھے تو رات کو انھیں کسی جنگل میں ٹھہرنا پڑا۔ بادشاہ کی بہو جانوروں اور پرندوں کی باتیں سمجھتی تھی۔ رات کو گیدڑ کی آواز آئی کہ، ایک مردہ شخص پانی میں بہتا ہوا آرہا ہے اس کے گلے میں موتیوں کا ہار ہے کوئی ہے، جو اس کے گلے سے یہ موتیوں کا ہار اتار کر آئے۔

بادشاہ کی بہو سمجھ گئی، وہ کسی کو بتائے بغیر چپکے سے اٹھی اور دریا کے کنارے پہنچی۔ اس نے دیکھا ایک صندوق پانی میں تیرتی ہوئی آرہی ہے۔ اس نے صندوق پانی میں سے باہر نکالا اور کھولا تو دیکھا اس میں ایک شخص کی لاش سے گلے میں ہار ہے، اس نے ہار اتارا اور واپس آ گئی۔

جب وہ دریا کے کنارے جا رہی تھی تو اس کا شوہر بادشاہ کا بیٹا جاگ پڑا تھا اور وہ دیکھنے کے لیے اس کے پیچھے پیچھے چلا گیا تھا۔ وہ بھی دریا کے کنارے سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ اس نے بعد میں صندوق کھول کر دیکھا تو اس کو صرف لاش نظر آئی، وہ سمجھا کہ میری بیری جادوگرنی ہے جو رات کو لاشاں سے کھیلتی رہتی ہے۔ جب صبح ہوئی تو بادشاہ کا بیٹا اپنے باپ سے کہنے لگا کہ اس عورت کو اپنے گھر میں نہیں رکھوں گا۔ بادشاہ پوچھنے لگا، کیوں؟

لڑکے نے بتایا کہ رات میں نے خود اسے مُردے کو ہاتھ لگاتے ہوئے دیکھا ہے، یہ جادوگرنی ہے۔ بادشاہ نے اپنی بہو سے جا کر پوچھا کہ رات تم نے کیا کیا ہے؟

بہو نے سارا قصہ بادشاہ کو بتایا کہ کسی طرح وہ گیدڑ کی آواز سے معلوم ہوئی اور اس نے کسی کو بتائے بغیر لاش سے موتیوں کا ہار اتارا ہے۔ اس کے حوالے کیا تو بادشاہ بڑا خوش ہوا۔ اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ بیٹا یہ بڑی لائق لڑکی ہے اور ہمیں بہت کام دے گی۔

مگر بیٹے نے کہا، اب میرا دل میلا ہو گیا اس سے۔

صبح ان کا قافلہ روانہ ہوا۔

پھر انھیں راستے میں رات پڑ گئی۔ ایک درخت کے نیچے انھوں نے پڑاؤ ڈالا۔ کچھ پکا کر کھایا۔

اس درخت پر دو تیتر بیٹھے تھے۔

ایک تیتر نے دوسرے سے کہا کہ کوئی کہانی سناؤ تا کہ رات کٹ جائے۔

دوسرے تیتر نے کہا، میں کہانی کیا سناؤں۔ بس اتنا سنو کہ یہ جو لوگ درخت نیچے پڑے سو رہے ہیں، سب نادان ہیں۔ اس درخت کے پتے اگر پیس کر آنکھوں میں ڈالے جائیں تو آنکھوں کے لیے علاج ہیں اور اگر کسی کو جِلدی بیماری لگ جائے تو اس کے پتوں کو ابال کر اس سے اسے غسل دیا جائے تو بیماری دور ہو جائے گی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس درخت کے نیچے بادشاہ کا خزانہ بھی دفن ہے۔

بادشاہ کی بہو ساری باتیں سن کر سمجھ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر درخت کے نیچے کی زمین کھودنے لگی۔ اس کا شوہر بھی جاگ اٹھا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ اس کی بیوی کیا کر رہی ہے۔ اس کی بیوی نے دیکھا کہ واقعی خزانہ دفن ہے تو وہ پھر سے اپنی جگہ آ کر سو گئی۔

صبح ہوئی تو بادشاہ کا بیٹا پھر اپنے باپ سے کہنے لگا کہ میں اس بیوی کو اپنے گھر نہیں رکھتا۔ بادشاہ نے جا کر اپنی بہو سے پوچھا، رات کو تم نے کیا کیا ہے۔ بہو نے کہا آپ

درخت کے کچھ پتے اتروا کر لائیں۔ بادشاہ نے پتے اتروائے۔ اس کی بہو نے پتے پیس کر بادشاہ کی اندھی آنکھ میں ڈال دیے تو بادشاہ کی آنکھ بالکل ٹھیک ہوگئی۔ پھر اس نے بادشاہ سے کہا کہ اب درخت کے نیچے کی زمین کی کھدائی کریں۔ جب زمین کھودی گئی تو خزانہ مل گیا۔ بادشاہ کی بہو نے بتایا کہ رات اس نے پرندوں کی باتوں میں یہی سنا تھا۔

بادشاہ نے اپنے بیٹے کو بتایا کہ یہ تو بہت کام کا آدمی مل گیا ہے۔

جب وہ اپنے شہر اور گھر پہنچے تو میاں اپنی بیوی سے الگ رہنے لگا۔ بہو نے بادشاہ سے کہہ دیا کہ آپ اجازت دے دیں تو میں اپنے میاں کو خود منا کر اپنے پاس لے آؤں۔ بادشاہ نے کہا، میری طرف سے تمھیں اجازت ہے۔

اس نے اپنے میاں سے کہا، تم میرے ساتھ چلو۔ اس کے میاں نے کہا میں تمہارے پاس بالکل نہیں آؤں گا۔ میں تو، اگر بانو کے پاس جاؤں گا۔ اسی سے شادی کروں گا۔ تو بیوی نے اسے بتایا کہ وہاں پر تو تمھیں درانتی لے کر گھاس کاٹنا پڑے گا اور گھوڑوں کا سائیس بننا پڑے گا۔

مگر شوہر نہ مانا اور اگر بانو کے پاس چلا گیا۔ اس نے وہاں جا کر دیکھا کہ ننگے دھڑ نگے فقیر بھیک مانگتے پھر رہے ہیں۔ شہزادے نے پوچھا کیا یہ سارا شہر فقیروں کا ہے یا تم لوگوں کے لباس اور رہن سہن یہی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ ہمارا لباس تو اس طرح نہیں اور نہ ہم فقیر ہیں۔ ہم سب شہزادے ہیں یا بڑے سوداگروں کے بیٹے ہیں۔ ہم لوگ اگر بانو کے عشق میں گرفتار ہوئے اور اس سے شادی کرنے آئے تھے۔ جو مال دولت ہم لائے تھے وہ تو اگر بانو چھین کر کھا بیٹھی۔ اب ہم شرم کے مارے واپس نہیں جا سکتے۔ انھوں نے شہزادے سے کہا تم بھی ہمارے ساتھ شامل ہو جاؤ۔

شہزادے نے اگر بانو کی کنیز سے کہا کہ اگر بانو کو جا کر بتاؤ تمہارے عشق میں گرفتار ایک شہزادہ آیا ہے۔ کنیز نے اپنی مالکن کو جا کر بتایا۔ اگر بانو نے حکم دیا کہ تم جا کر اس شہزادے سے کہہ دو کہ میرے لیے ایک خوب صورت سونے کا گھوڑا بنا کر لائے۔ شہزادے

نے سونے کا گھوڑا بنا کر اگر بانو کی خدمت میں بھیجا۔ پھر حکم ہوا اگر بانو سے کہ اب ایک سونے چاندی کا پلنگ بھی بھیج دو۔ سونے کا پلنگ بھی بھیج دیا گیا۔ تیسری بار حکم ہوا کہ اب سونے کا ایک صندوق بنوا کر بھیج دو۔ صندوق بھی بھیج دیا گیا۔

شہزادے کے پاس جو کچھ رقم تھی وہ سب ان چیزوں پر خرچ ہوئی اور شہزادہ اب نادار ہو گیا۔ چنانچہ اس نے نوکری کر لی اور کنوئیں سے پانی کھینچ کھینچ کر کچھ کما لیتا۔

جب تین سال گزر گئے اور وہ واپس نہ گیا تو بہو نے بادشاہ سے عرض کی کہ مجھے اجازت دو، میں اپنے شوہر کو تلاش کر کے لاؤں۔

اسے اجازت مل گئی تو اس نے بادشاہ سے کہا مجھے ایک جیسے گھوڑے، ایک جیسے ہتھیار، ایک جیسے نوکر، ایک جیسے لباس، اور کچھ کاری گر ساتھ کر دیں۔ بادشاہ نے بہو کو یہ سب کچھ دیا۔ بہو نے مردانہ لباس پہنا اور اپنا نام بھی مردانہ بادشاہ رکھا۔ اگر بانو کے شہر کی طرف روانہ ہوئی۔ راستے میں چند روز لگے اور پھر وہ اگر بانو کے شہر پہنچ گئی۔ اپنے کاری گروں کو حکم دیا میرے لیے یہاں پر مکان بناؤ۔ انھوں نے مکان بنایا اور یہاں پر رہنے لگے۔

سارا شہر چھان مارا مگر اسے اپنا شوہر نظر نہیں آیا۔ ایک روز شہر سے باہر ایک کنوئیں پر اپنا شوہر نظر آیا جو کنوئیں پر کام کر رہا تھا۔ اس نے اپنی بیوی کو نہیں پہچانا۔ بیوی نے کہا تمھیں ماہوار دس روپے دیے جائیں گے تم میرے گھوڑوں کے سائیس بن جاؤ۔ اس کا شوہر بڑا خوش ہوا اور اس کے ساتھ ہو گیا۔ اس کو ایک درانتی دی اور کہا کہ جاؤ میرے گھوڑوں کے لیے گھاس کاٹ کر ڈال دو۔ جب وہ گھاس کاٹ کر لایا تو بیوی اسے اپنے گھر لے گئی اور نائی کو بلایا۔ اس کی حجامت کروائی اور کٹے ہوئے بال اپنی کنیز کو دیے کہ انھیں حفاظت سے رکھو۔ اپنے شوہر کے پھٹے پرانے کپڑے بدلوائے اور اسے نئے کپڑے پہنائے۔ اس کو کہا اب تم اس سارے کیمپ کے جمعدار رہو اور یہ سب لوگ تمہارے ماتحت ہوں گے۔

پھر اس نے اپنی کنیز سے کہا کہ جا کر اگر بانو کو بتاؤ کہ مردانہ بادشاہ تمہارے عشق میں

گرفتار ملنے آیا ہے۔کنیز نے جا کر اگر بانو کو بتایا۔اگر بانو نے کہا کہ میری شادی کے لیے سونے کا ایک گھوڑا بنا دو۔گھوڑا اس نے بھیج دیا، سونے کا پلنگ بھی۔

پھر اگر بانو نے سونے کا ہاتھی بھی مانگا تو پھر مردانہ بادشاہ نے اپنے کاری گروں کو حکم دیا کہ ہاتھی اس طرح بناؤ کہ بالکل کاغذ کی طرح ہو۔میں اس کے پیٹ میں بیٹھ کر بانو کو دیکھنے جاؤں گی۔

کاری گروں نے ہاتھی بنایا۔مردانہ بادشاہ اس میں بیٹھا اور کہا کہ جا کر ہاتھی اگر بانو کو پہنچا دو۔ہاتھی اگر بانو کو پہنچا دیا گیا تو اگر بانو اس کو ٹٹولنے اور کہنے لگی کہ اب مردانہ بادشاہ بالکل مفلس ہو گیا ہو گا۔

مردانہ بادشاہ نے اندر سے جواب دیا، مردانہ بادشاہ تو یہ تمہارے پاس آیا ہے۔

یہ دیکھ کر اگر بانو حیران رہ گئی اور خوش ہو کر بولی، پہلے جتنے بادشاہ زادے مجھ سے شادی کرنے آئے تھے، ان میں کوئی اتنا عقل مند نہیں تھا۔اب تو میں تم سے شادی کروں گی۔

اگر بانو نے مردانہ بادشاہ سے شادی کر لی۔رات کو ساتھ سو گئے۔تو مردانہ بادشاہ نے درمیان میں تلوار رکھی۔اگر بانو نے پوچھا تم ایسا کیوں کر رہے ہو۔مردانہ بادشاہ نے جواب دیا کہ میرے مرشد نے کہا ہے کہ پہلے سلام کو نہ آؤ، بانو کے ساتھ نہیں سونا۔

اگر بانو نے کہا چلو تمہارے مرشد کے پاس چلتے ہیں۔

تیاریاں شروع ہوئیں۔اپنا سامان اور نوکر وغیرہ سب لے کر اپنے وطن کو چل دیے۔جب گھر نزدیک ہوا تو مردانہ بادشاہ نے اپنے سپاہیوں سے کہا، میں کسی کام سے جا رہا ہوں۔اگر میں چوتھی رات کو واپس آسکا تو خیر ورنہ سب سامان اگر بانو۔سپاہی سب اس آدمی کے ہوں گے۔

مرادانہ بادشاہ وہاں سے چل کر اپنے شہر آئی بادشاہ کو سارا حال سنایا کہ تمہارا بیٹا میں لائی ہوں۔اس نے اپنا مردانہ لباس اتار کر زنانہ لباس پہنا اور اپنے گھر بیٹھ گئی۔چار رات تک لوگوں

نے انتظار کیا۔ جب مردانہ بادشاہ واپس نہیں آئی تو وہ شخص اپنے دل میں خوش ہوا کہ اگر بانو بھی میری اور یہ سارا سامان بھی میں لے جا سکتا ہوں۔ وہ اپنے وطن کی طرف آیا۔ جب شہر پہنچے تو اس نے دریافت کیا کہ میری پہلی بیوی زندہ ہے یا مرگئی ہے۔ لوگوں نے بتایا کہ زندہ ہے۔

تو اس نے کہا اگر زندہ ہے تو میں اسے مارڈالوں گا۔ بادشاہ کی بہو نے بادشاہ سے کہہ دیا کہ اسے کوئی نہ روکے، مجھے مارنے دیجیے۔

جب بادشاہ کا بیٹا قریب آیا تو بیوی نے اس سے کہا کہ میں اپنی جان کے لیے عرض نہیں کرتی۔ بس میرے پاس کوئی چیز گرہ میں بندھی ہوئی ہو۔ تم اسے کھول کر دیکھو پھر مجھے چاہیے مارڈالو۔ جب بادشاہ کے بیٹے نے گرہ کھولی تو اس نے اپنے بال دیکھے تب وہ سمجھا کہ سارا کمال اس کی بیوی کا ہے۔

اب اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ مجھے معاف کردو۔ بیوی نے کہا، تمھیں معاف کر دیا اور اس نے اگر بانو کی شادی بھی اپنے میاں سے کرائی۔ بیٹے نے جا کر اپنے بادشاہ باپ سے کہا کہ اب اپنی بادشاہی اس بیوی کے حوالے کر دیتے ہو۔ مینا نے بادشاہ سے کہا کہ ہم مینا جو ہیں، اگر بانو کی ذات سے ہیں آپ طوطا سے پوچھیں کہ اس نے مجھ میں کون سا عیب دیکھا ہے۔ اس بادشاہ کی بہو نے اپنے حقیقی اور شرعی شوہر کی خاطر کتنی مصیبتیں اٹھائیں۔ میں نے جب طوطے سے شریعت کے مطابق اپنی بیٹی کی شادی کرائی ہے تو طوطا کیوں جا رہا ہے۔ بادشاہ نے طوطے سے پوچھا تم کو مینا کی بیٹی منظور ہے؟ طوطا نے جواب دیا مجھے منظور نہیں ہے۔ بادشاہ نے پوچھا، تمھیں کس وجہ سے منظور نہیں۔ اس نے جواب دیا، میں طوطا ہوں، وہ مینا ہے، اس لیے ہم اکٹھے نہیں رہ سکتے۔

بادشاہ نے طوطے کی بات قبول نہیں کی تو طوطے نے کہا کہ بادشاہ آپ نے تو صرف مینا کی کہانی سنی ہے؛ میرا بیان بھی تو سن لیں۔

بادشاہ نے کہا، اچھا تم بھی سناؤ۔

جب طوطے نے اپنا بیان دیا تو اس نے مینا کو جھٹلا دیا۔

طوطے کی کہانی

ایک بادشاہ تھا۔ اس کا ایک بیٹا تھا۔ جس وقت عورتیں پانی بھرنے جاتیں تو شہزادہ غلیل سے ان کے گھڑے پھوڑ دیتا۔ لوگوں نے آ کر بادشاہ سے فریاد کی۔ بادشاہ نے تمام عورتوں کو لوہے کے گھڑے دیے۔ تو بادشاہ کے بیٹے نے بھی ایسا ہی غلیل بنایا اور لوہے کے گھڑے بھی اس سوراخ ہو گئے۔ پھر لوگوں نے جا کر فریاد کی بادشاہ نے کنیز سے کہہ دیا کہ جب بھی میرا بیٹا چارپائی پر آ کر بیٹھے تو اس کے جوتے باہر جانے کے لیے پھر سے رکھ دو۔ جب بادشاہ کا بیٹا چارپائی پر آ کر بیٹھا تو کنیز نے آ کر اس کے جوتے اسی طرح رکھے۔ اس نے کنیز سے پوچھا کہ یہ تم خود کر رہی ہو یا کسی نے کہا ہے تمھیں۔ کنیز نے بتایا کہ تمہارے باپ نے ایسا حکم دیا ہے۔ اس نے کنیز سے کوئی بات چیت نہ کی۔ اپنا گھوڑا منگایا اور اس پر بیٹھ کر وزیر کے بیٹے کے ساتھ آیا اور اسے کہہ دیا کہ میں ملک چھوڑ رہا ہوں۔ تم سے ملنے آیا ہوں۔ وزیر کے بیٹے نے کہا میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔

ایک ایک جگہ انھوں نے ایک ہرن کا شکار کیا اور سجی پکانے بیٹھے تو ایک فقیر آنکلا۔ فقیر نے ان نے پوچھا تم لوگ کہاں جا رہے ہو۔

انھوں نے بتایا کہ ہم ناراض ہو کر جا رہے ہیں۔ فقیر نے کہا تم لوگ مجھے اپنا مرشد مان لو۔

ان دونوں نے قبول کیا کہ تم ہمارے مرشد ہو۔

فقیر نے وزیر کے بیٹے کو حکم دیا کہ بادشاہ کے بیٹے کو دو ٹکڑے میں کاٹ دو۔

وزیر نے شہزادے کو دو حصوں میں کاٹ دیا۔

فقیر نے کہا یہاں دو قبریں بناؤ۔ وزیر کے بیٹے نے دو قبریں کھودیں اور بادشاہ زادے کے دو حصے الگ الگ فنا دیے۔

فقیر نے کہا، ایک سال تک تم نہ پانی پیو، نہ کھانا کھاؤ۔ اگر بھوک لگے تو درختوں کے پتے کھاؤ۔ پیاس لگے تو بھی درختوں سے پیو۔ ایک سال کے بعد گھوم پھر کر اسی جگہ آجاؤ۔

وزیر کا بیٹا جنگل میں چلا گیا۔ چھ مہینے جنوب کی طرف رہا اور چھ مہینے کے بعد شمال کی طرف آیا۔ سال کے بعد وہ پھر اسی جگہ آیا جہاں بادشاہ زادے کو دو حصوں میں دفنایا تھا۔ جب وہ وہاں پہنچا تو دیکھا فقیر بھی اسی طرح بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں گھوڑے بھی اسی طرح بندھے ہیں۔ شکار کا گوشت بھی اسی طرح تازہ پکا ہے۔ فقیر نے حکم دیا کہ اب دونوں قبریں کھود کر دیکھو۔ جب وزیر زادے نے قبر کھودی تو دیکھا اس میں تو ایک عورت ہے اور ایک میں بادشاہ کا بیٹا۔

فقیر نے دونوں حصے یعنی بادشاہ اور عورت کی آپس میں شادی کر دی۔ وزیر زادہ اور شہزادہ ایک بادشاہ کے ہاں نوکر ہو گئے۔ اس کی بادشاہ کی بہو کسی سوداگر کے ساتھ بھاگ گئی۔ کسی نے بادشاہ کو یہ بتایا۔

اس بادشاہ کی کسی اور بادشاہ سے لڑائی چھڑ گئی تو بادشاہ نے اعلان کیا کہ جو بھی اس جنگ میں جھنڈا اٹھائے اور جب ہم جنگ جیت لیں تو مجھے وعدہ ہے کہ اپنی بیٹی اسی شخص کو دوں گا۔

بادشاہ زادے اور وزیر زادے نے کہا، جھنڈا ہم اٹھاتے ہیں۔

جنگ ہوئی اور یہ لوگ جیت گئے۔

اب وزیر نے صلاح کی کہ بادشاہ سے عرض کرتے ہیں کہ دو دن ہمیں حکومت کرنے دے۔ کیوں کہ بادشاہ ہم سے بہت خوش ہے۔ بادشاہ سے انھوں نے عرض کی اور بادشاہ نے ان کی درخواست منظور کر لی۔ نئے بادشاہ نے اس سوداگر کو تلاش کرایا جو اس کی بیوی بھگا کر لے گیا تھا۔ کسی نے اس کا گھر دیکھا یا اس نے کسی بھینس والے کو بلایا اور اسے کہہ دیا کہ ہم رات کو دو آدمی بھیجیں گے۔ تم دو بھینس اسے دے دینا۔ وہ انھیں سوداگر کے سامنے حلال کریں گے اور چلے جائیں گے۔ اس کے بعد تم بھینسوں کے پاؤں کے نشان لے کر سوداگر کے گھر تک

آجاؤ۔ اور پھر ہم سوداگر کو پکڑیں گے۔ سب ایسا ہی ہوا۔ سوداگر کو بیوی کے ساتھ پکڑ کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ بادشاہ کے حکم سے دونوں کو پھانسی دے دی گئی۔ پھر انھوں نے بادشاہی چھوڑ دی اور پہلے والے بادشاہ کے حوالے کر دی۔

طوطے نے بادشاہ سے کہا کہ بادشاہ، وہ جو اس کے اپنے آدھے حصے سے اس کی بیوی بنی تھی، وہ بھی اسے چھوڑ کر بھاگ گئی تھی، میں اسی طرح مینا کی بیٹی کو چھوڑ کر بھاگ رہا ہوں۔

بادشاہ نے مینا کی درخواست قبول نہ کی اور طوطے سے کہا، تم ٹھیک کہتے ہو۔

شہزادہ نہال اور مچھلی

کسی شہر میں ایک مچھیرا رہتا تھا۔اس کا کام یہ تھا کہ مچھلیاں پکڑتا اور روز ایک مچھلی بادشاہ کی خدمت میں لاکر پیش کرتا۔بادشاہ اسے مچھلی کی قیمت ایک روپیہ ادا کرتا۔

ایک روز بادشاہ کا بیٹا،جس کا نام نہال تھا،شکار کے لیے نکلا۔

دریا کنارے اس نے دیکھا کہ کوئی مچھیرا مچھلیاں پکڑ رہا ہے۔مچھیرا جب کانٹے سے مچھلی پھنسا رہا تھا تو شہزادے نے آواز دی کہ یہ کیا کر رہے ہو،چھوڑ دو مچھلی کو۔مچھیرے نے کہا جناب یہ تو میری روزی ہے۔روزانہ بادشاہ ایک مچھلی کے بدلے مجھے ایک روپیہ دیتا ہے۔شہزادے نے کہا تم مچھلی چھوڑ دو میں تمھیں چار روپے دیتا ہوں۔مچھیرے نے مچھلی چھوڑ دی اور شہزادے نے اسے چار روپے دے دیے۔

شام کو مچھیرا بادشاہ کے پاس مچھلی نہ لے جاسکا۔بادشاہ نے اسے بلوایا اور پوچھا کہ تم آج مچھلی کیوں نہیں لائے۔

مچھیرے نے جواب دیا،جناب آپ کے بیٹے نے مجھے حکم دیا کہ مچھلی چھوڑ دو تو میں نے چھوڑ دی۔

بادشاہ کو بیٹے پر بڑا غصہ آیا اور اس نے بیٹے کو اپنے ملک سے باہر نکال دیا۔

شاہزادے نے گھوڑا لیا۔اس پر زین ڈالی،ایک تھیلا بھی اس پر ڈالا اور سوار ہو کر چل دیا۔اس نے دیکھا کہ سامنے سے ایک نوجوان ایک سبز گھوڑے پر سوار آرہا ہے۔وہ قریب آیا،سلام کیا اور شاہزادے سے پوچھا کہ تم کون ہو اور کدھر جارہے ہو؟

شہزادے نے بتایا کہ میں فلاں بادشاہ کا بیٹا ہوں،میرا نام نہال ہے۔میرا باپ مجھ سے ناراض ہو گیا اور مجھے ملک سے نکال دیا ہے۔اب میں کہیں اور نوکری کرنے جارہا ہوں۔تم

بتاؤتم کون ہو؟

اس سوار نے کہا، میں ایک بلوچ ہوں اور نوکری کی تلاش میں جا رہا ہوں۔

دونوں نے فیصلہ کیا کہ ساتھی بنتے ہیں۔

کسی اور ملک میں جا کر ایک بادشاہ کے ہاں ملازم ہو گئے۔

بادشاہ نے ان سے کہا، پچاس پچاس روپے دیتا ہوں۔تم لوگ بس شہر کے دروازے پر پہرہ دو۔

دونوں نے ہامی بھر لی۔

پہلے پہر میں شہزادے نہال کی باری تھی، وہ پہرہ دے رہا تھا۔اس نے دیکھا کہ ایک سفید داڑھی والا شخص محل سے نکل کر جا رہا ہے۔

نہال نے پوچھا تم کون ہو؟ میں تمھیں نہیں جانے دوں گا۔

بوڑھے نے کہا، میں بادشاہ کا بخت ہوں۔ میں اس لیے جا رہا ہوں کیوں کہ بادشاہ رات کو مرنے والا ہے۔

نہال نے پوچھا، وہ کیسے مرے گا؟

بخت نے جواب دیا، کوئی کالا ناگ اسے کاٹے گا اور مر جائے گا۔

نہال نے کہا، اگر سانپ کو کوئی مار دے اور بادشاہ بچ جائے تو تم نہیں جاؤ گے؟

بخت نے جواب دیا، پھر میں نہیں جاؤں گا۔

نہال جا کر محل میں بادشاہ کے پلنگ کے قریب بیٹھ گیا۔کالا ناگ آیا اور نہال نے اسے مار ڈالا اور اسے اسی پلنگ کے پاس رکھ دیا۔بادشاہ اور ملکہ دونوں سو رہے تھے۔ناگ سے خون کا ایک قطرہ ملکہ کے چہرے پر جا گرا۔نہال نے سوچا کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے زہر سے وہ مر جائے اس نے اپنے کمان کے تیر کی نوک پر کچھ روئی چڑھائی اور اس سے ملکہ کے رخسار سے خون صاف کرنے لگا۔ملکہ جاگ پڑی اس نے دیکھا کہ نوکر اُسے چھو کر پیچھے ہٹ گیا ہے۔

نہال نے اپنی کوٹھی میں آکر اپنے ساتھی کو جگایا مگر اسے کچھ بتایا نہیں اور خود سو گیا۔

ادھر ملکہ نے بادشاہ کو جگایا اور اسے کہا کہ جس نوکر نے پہلے پہر ڈیوٹی دی تھی، اس کو جا کر مار ڈالو۔

بادشاہ نے آکر پوچھا کہ رات کے پہلے پہر کس نے پہرہ دیا تھا۔

پہرہ دار نے جواب دیا کہ وہ جو سو رہا ہے، اس نے پہرہ دیا تھا۔

بادشاہ نے تلوار اٹھائی کہ اسے مارتا ہوں۔

نہال کے ساتھی نے پوچھا کہ اس کا قصور کیا ہے۔

بادشاہ نے کہا، بس میں اسے مار ڈالتا ہوں۔

اس نے کہا پہلے میری بات سنو پھر چاہیے مار ڈالو۔

بادشاہ نے کہا، اچھا سناؤ۔

نہال کے ساتھی نے کہانی شروع کر دی: ایک تھا بادشاہ کسی روز وہ شکار کے لیے تیار ہو۔اس نے حکم دیا کہ جس کے سامنے ہرن آجائے۔وہی شخص اس کا پیچھا کرے۔اتفاق سے بادشاہ کے اپنے سامنے ہرن دکھائی دیا اور بادشاہ نے اس کا پیچھا شروع کیا۔گھوڑا دوڑاتے دوڑاتے بادشاہ کافی دور چلا گیا۔پیاس سے وہ نڈھال ہو گیا۔اس نے کسی 'پیلو' کے درخت کے سائے میں اپنا گھوڑا باندھا۔باز کو بھی وہیں رکھا اور خود بھی بیٹھ گیا۔تھوڑی دیر بعد بادشاہ نے دیکھا کہ پیلو کی شاخوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے ہیں۔بادشاہ نے گلاس اس کے نیچے رکھ دیا۔جب گلاس میں کچھ پانی بھر گیا تو بادشاہ نے اسے پینے کے لیے اٹھایا۔باز نے جھپٹ کر اپنی چنگلوں سے پانی گرا دیا۔بادشاہ کو بڑا غصہ آیا اس نے باز کا سر کاٹ دیا اور اسے پھینک دیا۔پھر اس کا وزیر بھی آن پہنچا۔مشکیزہ اٹھا کر بادشاہ کو پانی پلایا۔بادشاہ نے پانی پی کر اطمینان کا سانس لیا اور پیلو کی شاخ کی طرف نگاہ ڈالی تو اس نے دیکھا کہ وہاں پر ایک کالا ناگ لٹک رہا ہے اور یہ پانی کی طرح کے قطرے جو گرتے رہے، یہ اس سانپ کا زہر تھے۔اس کو بڑا

افسوس ہوا کہ میں نے باز کو مفت میں مار ڈالا حالاں کہ وہ مجھ کو زہر پینے سے منع کر رہا تھا۔

کہانی سنا کر وہ بولا، آپ بادشاہ ہیں، آپ ذرا رک جائیں۔ میرا ساتھی پہرہ دار جب جاگ اٹھے تو آپ سوچیں، پھر اس کو مارنے کا فیصلہ کریں۔ بعد میں آپ کو افسوس نہ ہو۔

بادشاہ مڑ کر گھر چلا گیا۔ ملکہ نے اس سے پوچھا کہ پہرہ دار کو مار ڈالا؟ تو بادشاہ نے جواب دیا، ابھی نہیں صبح ہو گی تو اسے ماروں گا۔

ملکہ نے کہا، آپ کو پھر میں کہتی ہوں کہ اسے مار ڈالو۔

بادشاہ پھر پہرہ دار کے پاس گیا تو اس نے کہا ایک اور کہانی مجھ سے سن لو۔

بادشاہ نے کہا سناؤ۔

اس نے کہانی شروع کی: وہی بادشاہ جو شکار کے لیے نکلا تھا، اس کا ایک طوطا تھا۔ طوطوں کی شادی ہونے والی تھی اور وہ اس میں جانا چاہتا تھا۔ اس نے بادشاہ سے اجازت مانگی۔ بادشاہ نے کہا کیا بھروسہ تم پھر واپس آؤ یا نہ آؤ۔ طوطے نے جواب دیا میں وعدہ کرتا ہوں کہ واپس آجاؤں گا۔ بادشاہ نے اسے چھٹی دے دی۔ طوطے جب شادی پر جمع ہو گئے تو ایک نے کہا، ایک درخت ایسا ہے جو شخص اس کا پھل کھائے اگر بوڑھا ہے تو جوان ہو جائے گا۔ طوطے نے اسی درخت سے پھل اتارا کہ اتنی اچھی چیز ہے تو میں بادشاہ کو لے جا کر دوں گا۔ واپس آ کر اس نے بادشاہ کو پھل دیا اور کہا آپ کے لیے اچھی چیز لایا ہوں۔ بادشاہ نے پوچھا کیا ہے۔ طوطے نے پھل دے کر بتایا کہ اسے جو کھائے گا پھر سے جوان ہو گا۔ بادشاہ نے وہ پھل وزیر کے حوالے کیا اور پوچھا کہ یہ کھاؤں یا نہ کھاؤں۔ وزیر نے کہا ایک دانے سے کچھ فائدہ نہیں ہو گا۔ اسے لگا لیتے ہیں تا کہ اس کا درخت اگے، جب اس پر بہت سارے پھل آئیں گے، پھر کھا لے گے۔ پھل انھوں نے زمین میں گاڑ دیا۔ درخت اُگا۔ اس پر بہت سارے پھل آئے اور ایک پھل گر گیا۔ جس پر کسی سانپ نے اپنا زہر ڈال دیا۔ صبح سویرے باغبان نے پھل اٹھایا اور بادشاہ کے پاس لے گیا۔ بادشاہ نے صلاح کی کہ کھاؤں یا نہ کھاؤں۔ وزیر نے کہا پہلے یہ پھل

اس بوڑھے کُتے کو کھلائیں گے۔ اگر وہ جوان ہو جائے تو بعد؛ نے پھل کھایا اور فوراً گر کر مر گیا۔ بادشاہ نے کہا، یہ زہریلا پھل ہے، طوطے نے دشمنی کی ہے میرے ساتھ۔ اس طرح بادشاہ نے طوطے کو مار ڈالا۔ درخت کے بارے میں مشہور ہو گیا کہ اس کے پھل زہریلے ہیں۔ اس میں بہت سارے پھل لگے پک گئے۔ ایک ہندو اپنی بیوی سے لڑ پڑا۔ دونوں بوڑھے تھے۔ بیوی نے کہا میں جا کر پھل کھالوں گی اور مر جاؤں گی۔ اس نے جا کر پھل اتار کر کھایا اور وہ جوان ہو گئی۔ اس کے میاں کو پتہ چلا وہ بھی پھل کھا کر جوان ہو گیا۔ بادشاہ کو معلوم ہوا، اس نے دونوں کو بلا کر قصہ پوچھا۔ پھر باغ میں چلا گیا اور پھل کھا کر افسوس کرنے لگا کہ طوطے نے ہمارے ساتھ نیکی کی تھی۔ ہم نے اسے بے گناہ مار ڈالا۔

اب بادشاہ سلامت آپ اچھی طرح دریافت کر لیں پھر میرے ساتھی پہرہ دار کو مار ڈالیں تاکہ بعد میں آپ کو افسوس نہ ہو۔

بادشاہ واپس گھر گیا، مگر بیوی کے اصرار پر تیسری بار اسے مار ڈالنے آیا۔ جب تک صبح ہو گئی۔

ساتھی نے کہا، اب اس سے پوچھ لیں۔ نہال بھی جاگ پڑا۔

بادشاہ نے کہا، تمھیں مار ڈالوں گا۔

اس نے پوچھا کیوں؟

بادشاہ نے کہا، ملکہ کا حکم ہے۔

اس نے کہا، میری بات سن لو، پھر مجھے مار ڈالو۔

بادشاہ نے منظور کر لیا۔ نہال نے سارا قصہ سنایا اور کہا، آپ جا کر دیکھیں آپ کے پلنگ کے پاس وہ سانپ پڑا ہوا ہے جو میں نے مار ڈالا تھا۔

بادشاہ نے جا کر دیکھا تو سب ٹھیک تھا۔ کمان کا تیر بھی پڑا تھا۔ اس کے نوک پر کپاس بھی چڑھی ہوئی تھی، خون کے دھبے بھی اس پر تھے۔

بادشاہ بہت خوش ہوا اور اپنی بیٹی کی شادی نہال سے کر دی۔

نہال بیوی کو لے کر اپنے وطن روانہ ہوا۔

جب وہ اپنے ملک کے نزدیک پہنچے تو نہال کے ساتھی نے کہا کہ بیوی جو تم لے کر آ رہے ہو، ہم دونوں کی ہے: آدھی تمہاری آدھی میری۔

نہال نے کہا، تم اپنا حصہ بیچو اور قیمت مجھ سے لے لو۔ بیوی مجھ سے نہ مانگو۔

ساتھی نے جواب دیا، میں آدھا حصہ مانگتا ہوں۔

نہال نے کہا، کس طرح آدھا حصہ کرو گے؟

اس نے کہا، اسے مار ڈالتے ہیں۔ آدھا حصہ تم لے لو آدھا، مجھے دے دو۔ اسے گھوڑے پر سے اتار دو تا کہ میں اسے دو حصے کر دوں۔

نہال نے بیوی کو گھوڑے پر سے اتار دیا تو عورت کے منہ سے دو ناگ نکل پڑے۔

تب نہال کے ساتھی نے کہا کہ بیوی تمہاری ہے، میری تو بھابھی ہے۔ میں نے یہ اسی لیے کیا کہ ناگ نکل جائیں اور تمھیں ڈس نہ لیں۔ اب کوئی خطرہ نہیں۔ میں اصل میں وہی مچھلی ہوں، جسے تم نے مچھیرے سے بچایا تھا۔ تم نے مجھ سے نیکی کی، میں نے تمہارا احسان چکا دیا۔ اب میں اپنی طرف جاتا ہوں۔

لال بادشاہ

ایک بادشاہ تھا۔اس کا بیٹا کوئی نہ تھا۔

کسی فقیر سے اس نے کہا، میرے لیے نیک دعا کروتا کہ اللہ مجھے بیٹا عنایت کرے۔فقیر نے دعا کی۔

وقت گزرتا گیا اور بادشاہ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔بادشاہ نے اس کا نام لال بادشاہ رکھا۔

بیٹا جب بڑا ہوا تو اپنے باپ سے کہنے لگا کہ میں اپنی پسند کی شادی کروں گا۔بادشاہ نے سب کو حکم دیا کہ اچھی خوب صورت لڑکیاں تلاش کر کے لاؤ، جسے میرا بیٹا پسند کرے گا۔میں شریعت کے مطابق ان کی شادی کرادوں گا۔

لوگ اپنی اپنی بیٹیاں دکھانے لائے مگر لال بادشاہ نے کسی کو بھی پسند نہ کیا۔

ایک بڑھیا وہاں رہتی تھی۔اس نے کہا کہ فلاں جگہ ایک بادشاہ ہے، اس کا نام انور بادشاہ ہے، اس کی بیٹی لال بادشاہ کو پسند آئے گی۔

لال بادشاہ نے جب ان کی باتیں سنیں تو باپ سے کہنے لگا، میں جاؤں گا۔اس بادشاہ کی بیٹی کو بیاہ کرلاؤں گا۔بادشاہ نے کہا، وہاں نہ جاؤ وہ تو بہت دور جگہ ہے۔مگر اس نے باپ کی بات نہ مانی تو بادشاہ نے وزیر سے کہا، یہ میری بات نہیں مانتا، تو ٹھیک ہے، چلا جائے۔ مگر تم بھی اس کے ساتھ جاؤں جو اللہ کو منظور ہے، ہو جائے۔

لال بادشاہ وزیر کے ساتھ انور بادشاہ کے ملک چلا۔جب شہر قریب آیا تو دیکھا کہ چار فقیر ہیں، لکڑیاں چن رہے ہیں۔لال بادشاہ نے سلام کیا فقیروں نے اس سے حال دریافت کیا اور پوچھا کہ تم کون ہو۔اس نے جواب دیا میرا نام لال بادشاہ ہے۔میں فلاں بادشاہ کا بیٹا

ہوں میں انور بادشاہ کی بیٹی سے شادی کرنے آیا ہوں۔

فقیر یہ سن کر ہنسنے لگے، لال بادشاہ نے پوچھا تم لوگ ہنستے کیوں ہو۔ انھوں نے کہا ہم چاروں بھی بادشاہ تھے اور ہم بھی انور بادشاہ کی بیٹی سے شادی کرنے آئے تھے مگر ہمارا حال تم دیکھ رہے ہو۔

لال بادشاہ نے پوچھا کہ بتاؤ تم لوگ کیوں اس طرح فقیر ہو گئے۔

انھوں نے کہا، انور بادشاہ سب کو کہتا ہے کہ ایک کنواں ہے، اسے روپیہ سے بھر دو، پھر میں اپنی لڑکی شادی میں دوں گا۔ ہم سے تو یہ کنواں بھرا نہ گیا، اس لیے ہم فقیر ہو گئے۔ لکڑیاں چنتے ہیں، شہر جا کر بیچتے ہیں، اور اپنا پیٹ پالتے ہیں۔ کل کو تمہارا بھی یہی حال ہو گا۔

لال بادشاہ نے کہا، اب میں واپس نہیں جاؤں گا جو کچھ میری قسمت ہے وہی ہو گا۔

اس نے آ کر انور بادشاہ سے ملاقات کی۔ انور بادشاہ نے اسے کہا کہ ایک کنواں ہے، اسے پیسہ سے بھر دو، اپنی بیٹی کی تم سے شادی کر دوں گا۔

لال بادشاہ نے وزیر کو باپ کے پاس بھیجا اور ان سے پیسہ مانگا۔ وزیر بادشاہ کے پاس چلا گیا بادشاہ نے دیکھا کہ کنواں پیسوں سے تو نہیں بھرا جا سکتا۔ کیوں نہ کوئی جادو کے ذریعے اسے بھر دیا جائے۔

جادوگر کے پاس گئے۔ اس سے کہا تم ایسا جادو بتاؤ جس سے کنواں پیسوں سے بھر جائے۔ جادوگر نے کہا ایک روپیہ لاؤ۔ میں اس پر کچھ پڑھ کر تمھیں دے دوں گا اور یہ ایک ہزار روپے بن جائے گا۔ پھر یہ ہزار روپے کنوئیں میں جا کر ڈال دو تو کنواں بھر جائے گا۔

وزیر نے ایک روپیہ فقیر کو جا کر دیا فقیر نے اس پر کچھ پڑھا۔ پھر یہ رقم لے کر لال بادشاہ کے پاس چلا گیا۔ لال بادشاہ نے جا کر یہ روپیہ کنوئیں میں ڈال دیا۔ کنواں بھر گیا۔ تب اس نے بادشاہ سے اس کی بیٹی مانگی۔ بادشاہ نے بیٹی کی شادی کر دی۔ تو وہ اپنی بیوی کو لے کر شہر سے روانہ ہوا۔

وزیر سے کہا تم جا کر میرے باپ کو خوش خبری دو اور اس سے انعام بھی لو کہ لال بادشاہ شادی کر کے واپس آ رہا ہے۔

لال بادشاہ منزلیں طے کرتا ہوا کسی اور شہر میں پہنچ گیا۔ کسی درخت کے نیچے پڑاؤ کیا۔ خود سودا سلف لینے گیا۔ بیوی کو اس اس درخت کے سائے میں بیٹھایا۔ خود کسی بیوپاری کے پاس گیا اور کہا مجھے سودا دے دو۔

بیوپاری نے پوچھا تم کون ہو۔

اس نے بتایا کے میں مسافر ہو۔

بیوپاری نے کہا تمہارے ہاتھ کی انگوٹھی بہت خوب صورت بنی ہوئی ہے۔ مجھے تھوڑی دیر کے لیے دے دو، میں اپنے لیے سنار سے ایسی ہی انگوٹھی بنوانا چاہتا ہوں۔ پھر تمھیں یہ واپس لا کو دوں گا۔

لال بادشاہ نے انگوٹھی اتار کر دے دی۔ بیوپاری اسے لے کر لال بادشاہ کی بیوی کے پاس پہنچ گیا اور اس سے کہنے لگا تمہارے شوہر نے مجھے بھیجا ہے۔ اس نے کہا ہے کہ ہم دو تین روز یہیں ٹھہریں گے، تم میرے ساتھ چلو۔ لال بادشاہ کی بیوی نے انگوٹھی پہچان لی، اور بیوپاری کے ساتھ روانہ ہوئی۔ بیوپاری اس کو اپنے گھر لے آیا۔ اونٹ اور سامان بھی ساتھ لایا۔

واپس آ کر اس نے لال بادشاہ کو انگوٹھی دے دی اور اسے سودا بھی نہیں دیا۔

جب لال بادشاہ واپس ہوا تو اس کی بیوی اور اس کے اونٹ اس کو نظر نہ آئے۔ اس طرح وہ فقیر بن کر اسی شہر میں بیٹھ گیا۔

ایک مہینہ گزرا تو بیوپاری، لال بادشاہ کی بیوی سے شادی کرنے کی تیاریاں کرنے لگا۔

لال بادشاہ کی بیوی نے ایک بڑھیا کو بلایا۔ اس سے کہا، تم شہر میں پھرو تمھیں چالیس روپے دوں گی۔ تم یہ معلوم کرو کہ اس شہر میں کوئی فقیر یا کوئی اور آدمی اس نام و نشان کا ہے۔

بڑھیا شہر میں گھومنے لگی تو جونشان اور حلیہ لال بادشاہ کی بیوی نے بتائے، ایسا ہی ایک شخص اسے نظر آیا۔ اس نے قریب جا کر پوچھا تم کون ہو۔ اس شخص نے اپنا سارا واقعہ سنایا۔ بڑھیا نے جا کر بادشاہ کی بیوی کو بتایا۔ بیوی نے دوسو روپے اپنے شوہر کو بھیجے اور کہلا بھیجا کہ تم ایک تیز رفتار اونٹ خریدو۔ فلاں دن محل کے کے نزدیک آ کر ٹھہرو اور مجھے وہاں سے نکال کر لے جاؤ۔ میں تمہاری بیوی ہو۔ بیوپاری مجھ سے شادی کی تیاری کر رہا ہے۔

ایک چور وہاں آیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک آدمی سو رہا ہے اور اس کا اونٹ بیٹھا ہوا ہے۔ اس نے سوچا میں کیوں نہ اس اونٹ کو لے جاؤں۔ جب اس نے اونٹ کو قید کو کھولا تو اسی وقت شہزادی پہنچ گئی اور اس نے کہا جلدی سوار ہو جاؤ اور چلو۔

چور بھی اونٹ پر بیٹھا اور شہزادی بھی۔ شہزادی نے دیکھا کہ یہ کون ہے۔ لال بادشاہ تو وہیں سو رہا تھا۔ یہ دونوں اونٹ بھگاتے چلے گئے۔ جب صبح ہوئی تو شہزادی نے دیکھا کہ یہ کوئی اور آدمی ہے۔ جس کے ساتھ میں آئی ہوں، یہ میرا شوہر تو نہیں۔

ایک کنوئیں کے قریب ٹھہر گئے۔

شہزادی نے کہا کہ کچھ پکا کر کھائیں۔ وہ شخص لکڑیاں لانے کے لیے چلا۔ شہزادی نے اپنا ایک جوتا کنوئیں میں پھینک دیا۔ چور جب آیا تو اس نے کہا میرا جوتا کنوئیں میں گر پڑا ہے۔ اسے باہر نکالو۔ چور کنوئیں میں اتر گیا۔ شہزادی اونٹ پر بیٹھ گئی اور اسی راستے سے واپس چل پڑی۔

اس کے سامنے چار گھوڑ سوار آئے ہر ایک کہنے لگا کہ شہزادی کو میں لے جاؤں گا۔ شہزادی نے کہا میں اکیلی ہوں، تم لوگ چار آدمی ہو۔ میں ایک سے شادی کروں گی۔ تم لوگ اس طرح کرو، اپنے اپنے گھوڑے باندھو۔ ہتھیار اتار کر رکھ دو۔ باقی کپڑے اتارو، صرف شلوار پہنے رکھو، اور اس طرح اس درخت کے پاس سے دوڑ لگاؤ جو سب سے آگے آئے گا، میں اسی سے شادی کروں گی۔

آدمیوں نے اپنے گھوڑے درختوں سے باندھ دیے۔ ہتھیار بھی رکھ دیے۔ کپڑے بھی اتار دیے اور اُس درخت کے پاس چلے گئے۔ اتنے میں شہزادی نے مردانہ کپڑے پہنے۔ ہتھیار بھی پہنے۔ ان گھوڑوں کے لگام کھول کر انھیں بھگا دیا اور خود اونٹ پر بیٹھ کر نکلی۔ اونٹ کو بھگاتے بھگاتے وہ دریا کے کنارے پہنچی۔ اونٹ کو کسی درخت کے نیچے باندھ دیا۔ خود تھوڑی دیر کے لیے آرام کرنے لیٹ گئی۔ جب اٹھی تو پھر اونٹ ہر سوار ہو کر کسی تیسرے شہر پہنچی۔

اس شہر کا بادشاہ مر چکا تھا اور شہر کے دروانے پر لکھا تھا کہ جو دروازہ کھول دے گا، وہی بادشاہ بن جائے گا۔ شہزادی نے بسم اللہ کر کے دروازہ کھول دیا۔ اس طرح وہ آ کر تخت پر بیٹھ گئی۔

لال بادشاہ نیند سے جب اٹھا تو وہ اونٹ کے پاؤں کے نشان دیکھ کر چلتا گیا۔ بیوپاری بھی اسی طرح۔ چور بھی جب کنوئیں سے باہر نکلا تو اونٹ کے پاؤں کے نشان کے ساتھ ساتھ چلتا رہا اور وہ چار گھڑ سوار بھی۔ یہ ساتوں شخص اونٹ کے پاؤں کے نشانوں کے ساتھ چلتے چلتے اسی شہر میں پہنچ گئے۔

شہزادی نے اپنے امیروں کو حکم دیا کہ جو بھی شخص نیا نیا اس شہر میں داخل ہو، اسے میرے سامنے پیش کیا جائے۔ چنانچہ یہ ساتوں آدمی پکڑے گئے اور شہزادی کے سامنے پیش کیے گئے۔

شہزادی نے کہا کہ ان ساتوں کو دور جا کر بٹھاؤ اور ایک ایک کر کے میرے پاس لاتے جاؤ۔ میں اس سے پوچھتی جاؤں گی۔

سب سے پہلے لال بادشاہ کو پیش کیا گیا تو شہزادی نے کہا تم اپنا حال سناؤ۔ اس نے سارا کچھ سنا دیا۔ وہ پہچان گئی کہ یہی میرا شوہر ہے۔

پھر بیوپاری کی باری آئی۔ اس نے سب کچھ بتا دیا پھر چور کو بلایا گیا اور اس کا بیان لیا۔ پھر چاروں گھڑ سوار بلائے گئے۔

حال سننے کے بعد اس نے حکم دیا کہ بیوپاری کو پھانسی دی جائے۔ چور کو بھی پھانسی دی جائے۔ ان چار گھڑسواروں کو چار گھوڑے دے دیے جائیں۔ ہتھیار اور لباس بھی دیے جائیں، اور شہر سے نکال دیا جائے۔

لال بادشاہ سے کہا، تم لال بادشاہ ہو اور میں تمہاری بیوی ہوں۔ یہ تخت بھی تمہارا ہے۔ اب تخت پر بیٹھ کر جشن مناؤ۔

ہاتھ دیکھنے والا فقیر

ایک تھا بادشاہ۔ وہ اپنے ملک میں حکمرانی کرتا تھا۔ کرنا خدا کا یہ ہوا کہ اس کے ملک میں قحط پڑا۔ لوگ اِدھر اُدھر بھاگ کر چلے گئے۔ صرف سست لوگ ہی رہ گئے۔ بادشاہ کے پاس بڑی مال و دولت تھی، مگر وہ سب کچھ خرچ کر کے تقریبا کنگال ہو گیا۔ اس کے پاس اتنا کچھ باقی نہ رہا کہ وہ کپڑے بھی خرید سکے۔ اس کی بیوی کے کپڑے بھی پھٹ کر تار تار ہو گئے۔ کئی روز اسی فکر و پریشانی میں گزرے۔ بادشاہ اب بالکل بے بس ہو گیا۔ ایک روز اس نے اپنی بیوی سے مشورہ کیا کہ اب کیا کیا جائے۔ اس کی بیوی اُمید سے تھی۔ ان کی پاس اتنا کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا کہ بچے کی پیدائش پر دوسری صبح اسے کیا پہنایا جائے۔ بیوی نے سوچ کر کہا کہ تم چلے جاؤ۔ آگے پیڑ کے نیچے ایک فقیر بیٹھا ہوا ہے، وہ ہاتھ کی لکیریں پڑھتا ہے۔ جاؤ اور اس سے اپنی قسمت کا حال معلوم کرلو۔ بادشاہ فقیر کے پاس چلا گیا۔ اس کو سوا روپیہ نذرانہ پیش کیا۔ فقیر نے اسے کہا کہ جاؤ حلال کی مزدوری کرو۔

بادشاہ واپس اپنے گھر چلا گیا اور بیوی سے کہا، بھاڑ میں جائے فقیر۔ حال تو کچھ نہیں بتایا بلکہ کہا کہ جاؤ حلال کی کماؤ۔ اب جب کہ مزدوری ہی نہیں ملتی تو کماؤں کہاں سے۔

بیوی نے کہا، پھر جاؤ۔ شاید کچھ اور بتائے۔

بادشاہ پھر فقیر کے پاس چلا گیا۔

فقیر بولا، جاؤ جو کام بھی کرو، جلد بازی سے مت کرو۔ صبر سے کام لو۔

بادشاہ غصہ ہوا، اور بولا: جب کام ہی نہیں ملتا تو کیسے صبر سے کام لوں۔

بادشاہ غصہ ہو کر واپس چلا گیا اپنی بیوی سے آ کر کہا، تم خدا کے حوالے ہو، میں چلتا ہوں۔ اگر زندہ رہا تو واپسی پر ملاقات ہو گی، ورنہ خدا حافظ۔

بادشاہ اپنی بیوی کو رخصت کر کے ایک طرف چل پڑا۔ چلتے چلتے وہ ایک شہر کو پہنچا۔لیکن یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ شہر خالی پڑا ہے۔صرف ایک بوڑھی عورت ایک گھر میں بیٹھی ہے۔وہ سونے کے زیورات سے لدی ہوئی تھی۔اس کے دل میں لالچ پیدا ہوا کہ اس بوڑھی عورت کے زیورات چھین لے۔اس کا گھر بھی اتنا دور نہیں۔واپس جا کر عیش و آرام سے دن بسر ہوں گے۔

اس بوڑھی عورت نے اس کے تیور بھانپ کر کہا، احتیاط کرنا مجھے معلوم ہے کہ تم ایک بھوکے اور بدحال آدمی ہو۔ان زیورات کو تم جیسا چھین کر نہیں لے جا سکتا۔آگے کسی دوسرے شہر چلے جاؤ۔وہاں بادشاہ کا ایک سونے کا محل ہے۔وہ محل بائیں جانب گرا ہوا ہے۔وہاں سے سونے کا ایک ٹکڑا اُٹھا لینا۔

بادشاہ آگے بڑھ گیا۔وہاں پہنچ کر اس محل سے سونے کے کچھ ٹکڑے اٹھا لیے۔مگر اس دوران پہرہ داروں نے اسے گرفتار کر لیا۔سونا واپس چھین لیا وہ پہرہ داروں کو غفلت میں پا کر سونا اُٹھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔لیکن اس مرتبہ اسے شہر کے بادشاہ نے دیکھ لیا۔اس نے نوکروں کو حکم دیا، اسے پکڑو، جانے مت دو، سونا لے جا رہا ہے، پکڑ کر اسے پیش کرو۔

نوکروں نے اسے پکڑ کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر کیا۔بادشاہ نے اس کو جیل میں ڈال دیا اور زنجیروں سے اس کو باندھ دیا۔مبادا کہ وہ دوبارہ سونا چرا کر فرار ہو۔وہ قید خانہ میں پڑا رہا۔ایک عورت قید خانہ میں اس کو روٹی لا کر پہنچاتی رہی۔اس عورت کے آنکھیں ہمیشہ آنسوؤں سے پُر ہوتی تھیں۔

ایک دن بادشاہ نے اس عورت سے کہا، آج میں اس وقت تک روٹی نہیں کھاؤں گا، جب تک تم مجھے اپنا حال نہیں بتاؤ گی کہ تم روزانہ کیوں روتی ہو؟ اس عورت نے کچھ ٹال مٹول کیا مگر بادشاہ کے اصرار پر آخر اپنا حال یوں بتایا کہ فلاں ملک میں ایک بادشاہ ہے۔اُس کا نام زبردست ہے۔تمام لوگ اس سے خوف کھاتے ہیں۔وہ ایک روز آ کر میری بہو کو

زبردستی اٹھا لے گیا۔ میرا بھائی اس تلاش میں نکل پڑا۔ وہ آج تک واپس نہیں آیا۔ میں اب اس بادشاہ کے گھر کام کرتی ہوں۔ مجھے ہر طرح سے آرام ہے۔ لیکن بھائی کی جدائی کے غم سے نڈھال ہوں۔

بادشاہ نے کہا تم میری زنجیریں کھول دو۔ میں جا کر تمہارے بھائی کو ڈھونڈ لاؤں گا۔

اس نے زنجیریں کھول دیں اور اُسے ایک گھوڑا بھی دے دیا۔ وہ منزلیں پار کرتا ہوا سفر کرتا رہا۔ دن رات میں بدل گئے اور راتیں دنوں میں بدل گئیں۔ بات تو پل بھر میں ہو جاتی ہے مگر کام مکمل ہونے میں مدت درکار ہوتی ہے۔ وہ بتائی گئی نشانیوں پر چل پڑا تھا۔ وہ ایک شہر میں پہنچا۔

وہاں وہ سیدھا ایک بوڑھی عورت کے گھر چلا گیا۔ اسے کافی پیسہ اور سونا دے دیا۔ بوڑھی عورت بہت خوش ہوگئی۔ اس عورت کا بھائی بھی وہاں پہنچا تھا۔ وہ دونوں اکٹھے ہو گئے۔ اس بوڑھی نے اس کی بیوی کو جا کر پیغام دیا کہ تمہارا شوہر آیا ہوا ہے، وہ تمھیں لے جائے گا۔ اس کی بیوی نے جواب دیا، کل صبح بادشاہ مجھ سے شادی کر رہا ہے، شادی کے وقت میں باغ کے آخری حصے میں چلی آؤں گی۔ میری شوہر کو کہنا کہ وہاں آجائے۔

انھوں نے پورا منصوبہ بنایا۔ بادشاہ کی شادی کی تقریبات شروع ہوگئیں۔ شادی کی رات عورت مکان سے نکل کر باغ کی طرف چل پڑی۔ اس کا شوہر اپنے دوست کے ساتھ انتظار میں تھا۔ اُس کے دوست بادشاہ نے کہا، تم دونوں سفر پر روانہ ہو جاؤ۔ میں بادشاہ کو جا کر یہ اطلاع دوں گا کہ ہم اپنی امانت واپس لے جا رہے ہیں۔ تم نے اس عورت کو زبردستی اٹھا لیا تھا۔ اب میاں بیوی واپس جا رہے ہیں۔

پھر اس نے جا کر بادشاہ سے کہا، شادی روک دو، ہم اپنی امانت واپس لے جا رہے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ بھی بھاگ کھڑا ہوا۔

چلتے چلتے بہت دور وہ ایک جگہ پر پہنچے۔ بادشاہ نے بہت سے گھڑ سوار، ان پکڑنے

کے لیے ان کے پیچھے روانہ کر دیے، تا کہ وہ جانے نہ پائیں۔ اس نے کہا کہ عورت کو میرے گھر سے لے جا کر انھوں نے میری سخت بے عزتی کی ہے۔ ان کو پکڑ کر بوٹی بوٹی کر ڈالو۔ گھڑ سوار روانہ ہوئے۔

بادشاہ کیا دیکھتا ہے کہ تین چار شہسوار چلے آ رہے ہیں۔ انھوں نے ان کو اُدھر ہی روک کر قتل کر ڈالا۔ آگے پھر بادشاہ کی فوج سامنے آ گئی۔ وہ صرف ایک شخص تھا۔ اس نے پوری فوج کا مقابلہ کر کے ان کا صفایا کر دیا۔ اب وہ کچھ اور آگے بڑھے تو خود بادشاہ اس کے سامنے آ گیا۔ اس نے بادشاہ کو پہلے ہی دیکھا ہوا تھا۔ اس نے اسے پہچان کر اس سے لڑائی شروع کر دی۔ دونوں میں سخت مقابلہ ہوا۔ آخر بادشاہ کا بھی صفایا کر دیا۔ اس نے بادشاہ کی جیبوں کی تلاشی لی۔ اس کی ایک جیب سے ایک لعل برآمد ہوا۔ اس نے اسے نکال کر اپنی جیب میں ڈالا۔ اب وہ مطمئن تھا کہ بادشاہ کو قتل کرنے کے بعد اس کے سامنے کوئی بھی نہیں آئے گا۔

وہ اطمینان سے واپس چلا گیا۔ چلتے چلتے آخر شہر کے قریب پہنچ گیا۔ اس کا دوست اپنی بیوی کے ساتھ پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔ اس شخص کی بہن بہت خوش ہو گئی۔ وہ پہلے اپنے بھائی کے غم سے انتہائی دکھی تھی۔ اب خوشی سے باغ باغ تھی۔ یہ تینوں بادشاہ کے انتظار میں تھے۔ بادشاہ جب نزدیک آیا تو تینوں نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگایا۔ وہ تینوں وہیں کھڑے رہے اور بادشاہ نے خوشی خوشی ان کو رخصت کر کے وہ شہر چھوڑ دیا اور اپنا کورجین سونے اور جواہر سے بھر کر اپنے گھر کی جانب روانہ ہوا۔

جب وہ گھر پہنچا تو اس کی حیرانی کی کوئی انتہا نہ رہی کہ اس کی بیوی کے ساتھ ایک اور نوجوان سویا ہوا ہے۔ اس نے تلوار سنبھال لی کہ اسے قتل کر ڈالے۔ اچانک اسے اس فقیر کی بات یاد آ گئی کہ جلد بازی مت کیا کرو، صبر سے کام لو۔ اس نے یہ سوچ کر ہاتھ روک لیا اور کچھ نہ بولا۔

صبح سویرے اس کی بیوی نے اُٹھ کر نوجوان کو نیند سے جگا کر کہا، اٹھو۔سورج نکلا ہے۔جاؤ فصل کی رکھوالی کرو۔پرندوں کے آنے کا وقت ہے۔نوجوان اٹھ کھڑا ہوا۔سورج کی روشنی پھیل چکی تھی۔اس دوران بیوی کی نظر اپنے خاوند پر پڑی۔بیٹے سے کہا، تمہارا باپ آ گیا ہے۔باپ نے اپنے بیٹے کو سینے سے لگا لیا۔

بادشاہ بوڑھا ہو چکا تھا۔اب وہ آرام سے گھر بیٹھ گیا۔زر جواہر اور سونا اپنے بیٹے کے حوالے کر دیا۔اس کا بیٹا اب بادشاہ کے تخت پر بیٹھ گیا۔اور ختم ہوئی کہانی۔

لنگڑا

کسی بادشاہ کے ملک میں ایک غریب شخص رہتا تھا۔ وہ بہت محنت مزدوری کرتا تھا۔جس سے اس نے بہت زرودولت جمع کرلی۔

ایک دن کسی فقیر نے آکر اس سے کہا کہ فلاں ملک میں ایک بہت ہی حسین لڑکی ہے، تم اس کے ساتھ شادی کرلو۔ اس نے اس کی تعریف میں زمین وآسمان ایک کر دیے۔ جس سے اس شخص کے دل میں یہ خواہش جاگ اُٹھی کہ جاکراس سے شادی کرلے۔ خواہ وہ کسی بادشاہ کی بیٹی ہو یا غریب کی۔

وہ زرودولت لے کر گھوڑے پر سوار ہوکر روانہ ہوا۔ آخر شہر میں پہنچ گیا۔ اس نے وہاں دیکھا کہ ایک شخص جیسے مرا ہوا ہے۔ لوگ اس کے سر کو کھینچ رہے ہیں۔ اس نے وہاں جا کر پوچھا یہ تم لوگ کیا کررہے ہو۔ انھوں نے کہا یہ شخص مر چکا ہے اور ہمارا مقروض ہے، اب ہم اس کو کھینچ رہے ہیں۔

اس غریب نے اپنی رقم ان کے درمیان تقسیم کردی۔ تب لوگوں نے مردے کو چھوڑ دیا۔ جب قرض خواہ چلے گئے تو وہ اچھل کر اپنے پیروں پر کھڑا ہوگیا۔ وہ ایک پیر سے لنگڑا تھا۔ کیوں کہ ان قرضوں نے اسے ایک پیر سے لنگڑا بنا دیا تھا۔ اس نے کہا، میرا مال متاع یہی تھا۔ غریب نے اپنا راستہ لیا۔ لنگڑے نے اس سے کہا جہاں تم جاؤ گے، میں تمہارے ساتھ آؤں گا۔ غریب نے اسے اپنا حال بتایا۔ لنگڑا اس کا ساتھی بن گیا۔ آخر وہ اپنی منزل کے طرف روانہ ہوئے۔

سفر کرتے ہوئے ایک شہر پہنچے۔ ایک بوڑھی شہر کے راستے پر گلی کے سرے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بولی، میری بیٹی سے شادی کرلو، تب میں تمہیں راستہ دوں گی۔ لنگڑے نے کہا، ہم واپس آئیں گے، پھر تمہاری بیٹی سے شادی ہوگی۔ وہ آگے چلے گئے۔

وہ چلتے چلتے ایک پہاڑ پر پہنچ گئے۔ وہاں جانے کا ایک راستہ تھا۔ مگر اس راستے کو ایک اژدھا روکے ہوئے تھا۔ اس نے ان سے کہا، اس آدم زادہ سے شادی کرلو، تب آگے جاسکتے ہو۔ لنگڑے نے جواب کہ واپسی پر شادی ہوگی۔

وہ پھر آگے بڑھتے چلے گئے۔ آخر کار منزلیں طے کرتے ہوئے وہ بادشاہ کے شہر پہنچ گئے۔ وہ سیدھے بادشاہ کے پاس چلے گئے کہ تمہاری بیٹی بیٹھی ہوئی ہے، اس کی شادی اس آدمی سے کردو۔ بادشاہ نے کہا میں اپنی بیٹی کی شادی تو کردوں گا، مگر شادی کی پہلی رات اس کا شوہر مر جائے گا۔ پہلے بھی کئی اسی طرح مر چکے ہیں۔ انھوں نے کہا، کوئی پرواہ نہیں۔

دونوں کی شادی ہوگئی۔

رات کو غریب اپنی بیوی کے ساتھ سو گیا۔ لنگڑے نے پہرہ دیا۔ اس نے ایک سانپ کو آتے دیکھا۔ اس نے تلوار سے سانپ کو مار کر ٹکڑے ٹکڑے کردیا۔ صبح سب لوگوں کو خبر ہوگئی۔ بادشاہ بہت خوش ہوا۔

کچھ عرصہ انھوں نے وہاں گزارا۔ پھر بادشاہ سے اجازت لے کر اپنی بیوی کو ساتھ لے کر واپس روانہ ہوگئے۔ منزلیں طے کرتے ہوئے اس نے آ کر اژدہے کی عورت سے بھی شادی کرلی۔ پھر واپسی پر اس بوڑھی عورت کی بیٹی سے بھی اس نے شادی کرلی۔

چلتے چلتے سفر کرتے کرتے وہ اس شہر کو آگئے جہاں لنگڑے کو قرض خواہوں نے پکڑ رکھا تھا۔ یہاں لنگڑے نے کہا کہ آؤ، بیویوں کو آپس میں بانٹ لیں۔ غریب نے کہا کہ بادشاہ کی بیٹی میری ہے، باقی دونوں تمہاری ہیں۔ اس نے کہا، نہیں سب کو نصف نصف تقسیم کرتے ہیں۔ لوگوں نے کہا، تم پاگل ہو۔ عورتوں کو کاٹ کر آدھا آدھا کرلو گے کیا؟ تب اس نے تلوار نکال لی۔ اور پہلی بیوی کو للکارا تو بادشاہ زادی کے منہ سے سانپ گرنے لگے۔ پھر دوسری کو للکارا تو اس کے منہ سے اژدہے کے بچے گرنے لگے۔ پھر تیسری بیوی للکارا تو ان کے منہ سے کوبرا سانپ گرنے لگے۔

تب لنگڑے نے کہا، بھائی تم نے میرے ساتھ نیکی کی ہے۔اس لیے میں نے بھی تمہاری نیکیوں کے بدلے تمہارے ساتھ یہ نیکی کی ہے۔ورنہ یہ تمھیں کھا جاتے۔بیویاں تمھیں مبارک ہوں۔وہ تمہاری بیویاں ہیں اور میری بہنیں ہیں۔

غریب نے اس کو خوشی سے سینے سے لگایا۔لنگڑا یہیں رک گیا اور غریب اپنے وطن روانہ ہوا۔اپنے گھر آ کر اپنی بیویوں کے ساتھ ہنسی خوشی زندگی بسر کرنے لگا۔اور محنت مزدوری کر کے اپنا وقت آرام سے گزارنے لگا۔

ڈاچی

کسی ملک میں ایک نقلی بادشاہ تھا۔اصلی بادشاہ تو اللہ تعالیٰ خود ہے۔وہ اپنے ملک میں حکومت کرتا تھا۔اس کا ایک بھائی بھی تھا۔دونوں کی کوئی اولاد نہیں تھی۔

ایک دن کسی فقیر کا وہاں سے گزر ہوا۔بادشاہ نے کہا،فقیر ہماری کوئی اولاد نہیں ہے۔آپ دعا کریں ہمیں اولاد ہو۔اس کے بدلے میں تم جو کچھ مانگو گے،ہم دیں گے۔فقیر بولا،میں کل صبح تم لوگوں کو بتادوں گا۔رات کو فقیر سو گیا۔اس نے نیند میں خواب دیکھا۔صبح آکر بادشاہ کو خوش خبری سنائی کہ تمہارے گھر میں بیٹا پیدا ہوگا،اور تمہارے بھائی کے گھر میں بیٹی پیدا ہوگی۔جب تمہارے ہاں بیٹا پیدا ہوگا تو اس کے تین ماہ بعد تم فوت ہو جاؤ گے۔

خدا کی قدرت سے بادشاہ کے گھر بیٹا پیدا ہوا اور اس کے بھائی کے ہاں بیٹی ہوئی۔بادشاہ نے اپنے بیٹے کی منگنی اپنی بھتیجی سے کر دی۔اور اپنے بیٹے کے نام بادشاہت اور تمام جائیداد کر دی۔تین ماہ بعد بادشاہ فوت ہو گیا۔اس کا بیٹا کم سن تھا۔اس کی جگہ پر بادشاہی بادشاہ کا چھوٹا بھائی چلاتا تھا۔تھوڑی بہت مدت گزری۔بچہ جوان ہوا۔وہ اپنے چچا کے پاس گیا،کہ اب میں شادی کروں گا۔چچا بولا،کیسی منگنی اور کیسی شادی،میں اپنی بیٹی نہیں دوں گا۔وہ ناراض ہو کر واپس لوٹا۔اور اپنی ماں کو سارا ماجرا بتا دیا۔

ایک روز ایک تاجر تجارت کرتا ہوا ان کے شہر میں آیا۔رات کو خوب بارش ہوگئی۔سوداگر،بادشاہ کے پاس گیا کہ مجھے کوئی جگہ دو،بارش سے میرے سامان کو نقصان پہنچ رہا ہے بادشاہ نے جگہ دینے سے صاف انکار کر دیا۔سوداگر پریشانی کی حالت میں اپنے سامان کے پاس آیا۔اس نوجوان نے سوداگر کو اپنے گھر لے جا کر جگہ دی۔اس طرح دونوں کی گہری دوستی ہوگئی۔نوجوان نے بادشاہ کا رویہ اور اپنی شادی کا سارا قصہ اسے سنایا۔سوداگر نے اس سے

کہا،تم جا کر میری ڈاچی لے کر آؤ، اور اپنی منگیتر کو اس پر بٹھا کر لے جاؤ۔اس نے اپنی منگیتر کو پیغام دیا کہ تم باغ میں چلی آؤ، وہاں سے میں تمہیں لے جاؤں گا۔منگیتر نے جواب بھیجا میں تو تمہاری ہوں۔جیسا کہو گے، ویسے کروں گی۔

نوجوان رات کو باغ میں بیٹھا اور ڈاچی کی مہار اپنے ہاتھ میں باندھ لی۔اتنے میں اسے نیند آ گئی۔اس دوران وہاں کوئی چور آیا۔مہار کاٹ کر ڈاچی لے اڑا۔اس اثنا میں وہ شہزادی پہنچی۔اسے معلوم نہ تھا کہ یہ کوئی چور ہے۔اس سے بولی، مجھے تم نے قول دیا تھا اور اب اکیلے جا رہے ہو۔چور نے اسے ڈاچی پر سوار کیا اور چل پڑا۔نوجوان نیند ہی میں وہاں پڑا رہا۔

صبح سویرے جب وہ نیند سے بیدار ہوا تو دیکھا، ڈاچی غائب ہے۔اس نے جا کر سوداگر کو سب کچھ بتا دیا۔ان کو یہ بھی معلوم ہو کہ شہزادی کو کوئی دوسرا آدمی لے گیا ہے۔نوجوان، شہزادی کے پیچھے چل پڑا۔

شہزادی نے راستے میں دیکھا کہ میرا ساتھی کوئی بات چیت نہیں کرتا۔اس کی باتوں کے جواب میں صرف ہوں ہاں کرتا رہتا ہے۔وہ سمجھ دار خاتون تھی۔سمجھ گئی کہ کسی غلط آدمی دے پاس پہنچی ہوں، اور اپنے منگیتر سے بچھڑ گئی ہوں۔اس نے راستے میں کہا، یہ بہت اچھا میدان ہے، یہاں شہزادے گھوڑے بھگاتے رہتے ہیں۔ چور نے کوئی جواب نہیں دیا۔پھر آگے آ گئے تو وہ بولی، یہ علاقہ کتنا سرسبز و شاداب ہے، یہاں چرواہوں نے مال مویشی چرائے ہیں۔تو چور نے جواب دیا، ہاں یہ جگہ مال مویشیوں کے لیے بہت اچھی جگہ ہے۔اب وہ سمجھ گئی کہ وہ جلد بازی میں کسی چرواہے کے بیٹے کے ہاتھ چڑھ گئی ہے۔

آگے جب آئے تو عورت نے ایک چال چلی اور اسے دھوکہ دے کر بولی، تم شہر چلے جاؤ، میں یہاں بیٹھ کر انتظار کروں گی تا کہ تم شہر سے کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے آؤ۔چور روانہ ہو گیا۔اس کے جاتے ہی شہزادی ڈاچی پر سوار ہو گئی اور چل پڑی۔

نوجوان منزل بہ منزل سفر کرتا رہا، حتیٰ کہ چور سے اس کا آمنا سامنا ہو گیا۔پوچھا تم

کیوں اتنا بھاگ رہے ہو؟ چور بولا، میری ڈاچی میری بیوی کے ساتھ گم ہوگئی ہے۔ان کو تلاش کررہا ہوں۔نوجوان نے کہا، بد بخت وہ تو میری منگیتر ہے، میں تو اس کی تلاش میں سرگرداں ہوں۔

چور نے سارا ماجرا سنایا۔نوجوان نے کہا، جو کچھ ہوا سو ہو گیا۔چلو دونوں ان کی تلاش کریں۔شہزادی میری ہوگی اور ڈاچی تمہاری۔

وہ اکٹھے روانہ ہوگئے۔دوسری طرف شہزادی تیز رفتاری کے ساتھ سفر کرتی ہوئی کسی دریا کے کنارے جا پہنچی۔ڈاچی کو کسی جھاڑی کے ساتھ باندھ کر خود سوگئی۔اس کے گلے میں ایک قیمتی ہار تھا۔اس ہار سے آگ کی طرح روشنی پھوٹتی تھی۔ندی کے اُس پار ایک سوداگر اپنے قافلے کے ساتھ قیام پذیر تھا۔اس کی نظر روشنی پر پڑی۔اس نے سوچا، کیا چیز ہے اس طرح روشن ہے۔اس نے کشتی میں سوار ہوکر دریا کے پانی کو پار کیا اور دوسری طرف آیا۔اس نے دیکھا کہ خوب صورت دوشیزہ محوِخواب ہے۔اوراس کے گلے کے ہار سے روشنی پھوٹ رہی ہے۔اس نے اسے بیدار کیا۔دونوں بیٹھ گئے۔سوداگر نے اس کے ساتھ گفتگو کی اور کہا کہ میں تمہارے ساتھ شادی کرلوں گا۔شہزادی نے اثبات میں جواب دیا۔شہزادی نے اس کی کشتی پانی میں بہادی کہ ڈاچی پر بیٹھ کر دریا پار کریں گے۔وہ ڈاچی پر سوار ہوگئی اور ڈاچی کو ایک چابک رسید کیا۔ڈاچی گویا اڑگئی اور شہزادی چلی گئی۔سوداگر واپس ہوا۔سب سامان فروخت کردیا اور سب کا سونا خریدلیا۔کچھ خودلیا اور کچھ نوکروں کو دے کر شہزادی کی تلاش میں اٹھ کھڑا ہوا۔راستے میں نوجوان، چور اور سوداگر کی ملاقات ہوگئی۔سوداگر اور انھوں نے ایک دوسرے کو اپنا حال بتایا۔اب تینوں اکٹھے ہوکر اس کی تلاش میں چل پڑے۔

شہزادی ایک شہر پہنچی۔اس نے مردوں کا لباس پہن لیا، اور دوسرے مردوں کے ساتھ شامل ہوگئی۔اور بادشاہ کے دربار میں چلی گئی۔

وزیر بولا، یہ ایک خاتون ہے۔بادشاہ بولا نہیں مرد ہے۔ان کا آپس میں اتفاق

رائے نہیں ہوا تھا کہ شہزادی چلی گئی۔ ندی پر غُسل کر رہی تھی کہ وزیر اس کے پیچھے پیچھے چلا آیا۔ اور ندی کے کنارے اس کے کپڑوں پر بیٹھ گیا۔ اور پوچھا، مجھے صحیح صحیح بتا کہ تو عورت ہے یا مرد؟ وہ ندی کے اندر تھی۔ کمر تک پانی میں تھی۔ بولی یہی ہے، تم دیکھ رہے ہو کہ میں مرد ہوں یا عورت۔ اس کا سینہ ظاہر تھا۔ وزیر نے پہچان لیا ور اس کے کپڑے چھوڑ دیے، اور منہ پھیر لیا۔ شہزادی نے اپنے کپڑے پہن لیے اور دونوں شہر چلے آئے۔

وزیر نے بادشاہ سے کہا، واقعی یہ مرد ہے۔ شہزادی وزیر سے بولی، اب تم سے شادی کروں گی۔ اپنی تمام جائیداد بیچ دو، تب شادی ہوگی۔ وزیر نے اپنی تمام جائیداد فروخت کر دی، اور دونوں کسی دوسرے ملک جانے کے لیے تیار ہو گئے۔ راستے میں شہزادی نے وزیر سے پوچھا۔ یہ بتا، کیا تو نے اپنا گھر جلایا ہے تا کہ تمہارے گھر میں کوئی رہ نہ سکے۔ اس کی بات سن کر وزیر اپنے گھر کو جلانے چل پڑا، اور گھر جا کر واپس لوٹا تو دیکھا شہزادی تمام سامان کے ساتھ غائب ہے۔ وزیر بہت پچھتایا۔ مگر پچھتانے سے کیا ہوتا، جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ وہ اس کی تلاش میں روانہ ہوا۔ اس دوران، شہزادی کے منگیتر، چور اور سوداگر کی اس سے ملاقات ہو گئی۔ سب نے اپنا حال بتایا۔ اور فیصلہ ہوا کہ سب اس کی تلاش کریں۔ ہر ایک کو اپنی چیز مل جائے گی۔

شہزادی ایک دوسرے شہر آ گئی۔ شہر کا دروازہ بند تھا۔ دروازے کو دھکا دے کر کھول کر شہر میں داخل ہوئی۔ لوگوں نے اسے گھیر لیا کہ تم اب ہمارے بادشاہ ہو۔ وہ مردوں کا سا لباس پہنے ہوئے تھی۔ وہ کچھ بہانے بنانے لگی۔ لوگوں نے اصرار کیا۔ آخر بادشاہی قبول کر لی۔ مگر وہ جانتی تھی کہ اس کے آدمی اس کی تلاش میں ضرور اُدھر آ نکلیں گے۔ راستہ یہی تھا۔ پہلے روز اس نے کوئی کام نہیں کیا کہ میں تھکا ماندہ ہوں۔ اور سب کام وزیر سے کروائے۔ اس نے پہلے ہی پہرے دار بٹھا دیے تھے کہ جو بھی نو وارد شہر میں داخل ہو، اس کو پکڑ کر اس کے سامنے پیش کیا جائے۔

ایک روز پہرے داروں نے چار آدمیوں کو اکٹھے آتے ہوئے دیکھا۔ان کو پکڑ کر بادشاہ کے پاس لے گئے۔بادشاہ نے ان چاروں کو پہچان لیا۔اس نے نوجوان سے کہا تم فلاں بادشاہ کے بیٹے ہو۔اس نے کہا ہاں۔چور سے کہا ،تم ڈاچی کے چور ہو۔سوداگر سے کہا ،تم سوداگر ہو۔وزیر سے کہا ،تم وزیر ہو۔سب نے اثبات میں جواب دیا۔وہ سب حیران ہوگئے کہ ہم کس مصیبت میں پھنس گئے۔ہمارے حال سے تو کوئی واقف نہیں تھا۔

تب بادشاہ نے کہا ،شہزادے میں تمہاری چچا زاد بہن ہوں اور تمہاری منگیتر ہوں۔میں یہ سمجھتی تھی کہ ڈاچی تم لے جارہے ہو اور میں سوار ہوگئی ، مجھے چوری کی خبر نہیں تھی۔شہزادے نے کہا ، مجھے نیند آگئی تھی۔تب شہزادی نے بادشاہی ، شہزادے کے سپرد کر دی۔ڈاچی ، چور کے حوالے کر دی۔سوداگر کی دولت اس کے حوالے کر دی۔اور وزیر سے کہا کہ تمہیں نہیں چھوڑ دی گی ، کیوں کہ تم نے مجھے عریاں حالت میں دیکھا تھا اور میرا تعاقب کیا تھا ، تا کہ میں تم سے شادی رچاؤں۔

وزیر کو اس نے گھوڑوں کا گلہ بان مقرر کیا۔شہزادے سے اس نے شادی کی۔اور باقی دونوں کو رخصت کیا۔

اس طرح دونوں عاشق و معشوق صد دل دیک جان ہوگئے ، اور آرام وچین سے زندگی گزارنے لگے۔

عقل مند غریب

کسی بادشاہ کے شہر میں ایک غریب نے رہائش اختیار کی۔غریب کے گھر کے بیٹا پیدا ہوا۔وہ غریب لوہار کا کام کرتا تھا۔وہ ہل، جوا، درانتی اور بیلچہ وغیرہ بنا کر اپنا گزر اوقات کرتا تھا۔

ایک دن اچانک غریب فوت ہو گیا۔بیٹے کی پرورش ماں نے کی۔مگر بدبختی سے ماں بھی مر گئی۔بچے کو اس کے نانا اور نانی اپنے پاس لے گئے۔اور اس کی نگہداشت اور پرورش کی۔بچہ جو بڑا ہوا تو اس نے بھی اپنا آبائی پیشہ شروع کیا۔اس طرح اس نے اپنے نانا اور نانی کی گزر اوقات کا بھی اہتمام کیا۔

ایک روز وہ جنگل کی طرف نکل پڑا کہ لکڑی جلا کر لوہار کے کام کے لیے کوئلہ لائے۔ وہ لکڑیاں کاٹتا اور جمع کرتا رہا، اور ان کو جلاتا رہا تاکہ ایک بوری کوئلے سے بھر جائے۔وہ اس کام میں مصروف تھا کہ کسی لکڑی کو کاٹتے وقت اس نے دیکھا کہ اس کا اندر کھوکھلا ہے، جس میں ایک لال کا دانہ برآمد ہوا۔وہ خوشی سے پھولے نہ سمایا۔جلائی ہوئی لکڑیاں ٹھنڈی ہو کر کوئلہ بن گئیں۔تو اس نے بوری بھر کر گھر کی راہ لی۔گھر آ کر اپنے نانا اور نانی کو لعل کے پانے کی خوشخبری سنائی اور کہا کہ میں اس کو بازار میں جا کر فروخت کر دوں گا۔ہماری غریبی کے دن ختم ہوں گے، اور ہم آئندہ آرام سے زندگی کے دن گزاریں گے۔اپنے لیے اچھا گھر بنائیں گے۔اس لعل کی اچھی قیمت مل جائے گی۔

لوہار کے نانا نے اس سے کہا، تمہارا دماغ چل گیا ہے۔اگر بادشاہ کو اس لعل کا حال معلوم ہوا تو وہ اس لعل کو چھین کر لے جائے گا۔ہمیں بھی قید خانہ میں ڈال دے گا، اور پابہ جولاں کر دے گا۔لعل کی بات چھوڑ دو۔حلال کی روزی کماتے رہو۔ہمیں یہی عزت کی روٹی غنیمت ہے۔

لوہار نے لعل صندوق میں بند کر دیا۔ اور اپنا لوہاری کا کام جاری رکھا۔

ان ہی دنوں ایک بہت بڑا سوداگر وہاں آیا۔ سوداگر، لوہار کے گھر کے قریب قیام پذیر ہوا۔ شام کے وقت لوہار، سوداگر سے حال احوال لینے چلا گیا۔ سوداگر نے کہا کہ میں فلاں ملک جا رہا ہوں اور وہاں کے بادشاہ کے پاس اپنا سامان فروخت کروں گا۔ لوہار کو ترکیب سوجھی۔ اس نے لعل سوداگر کو دے کر کہا کہ اس کو لے جا کر اس بادشاہ کو دے دینا اور اس کو میرا اسلام نیاز عرض کرنے کے بعد پیغام دینا کہ یہ لعل آپ کے لیے گل بادشاہ نے بھیجا ہے۔

سوداگر نے لعل لے کر اپنی جیب میں ڈال دیا اور جا کر وہ لعل بادشاہ کو اسی پیغام کے ساتھ پہنچا دیا۔ اس پر بادشاہ نے چھ اونٹ سونے اور سامان سے لاد کر اس کے حوالے کیے کہ ان کو لے جا کر گل بادشاہ کو پہنچا دینا اور کہنا کہ یہ تمہاری خدمت میں حقیر نذرانہ پیش ہے۔

سوداگر روانہ ہوا۔ سفر کرتے کرتے لوہار کے گھر پہنچ کر قافلہ کو ٹھہرایا۔ تمام سونا اور مال ومتاع لوہار کے حوالے کیا اور اس بادشاہ کا پیغام اس کو پہنچایا۔ لوہار کے نانا اور نانی کو جب معلوم ہوا تو وہ پھر منت کرنے لگے کہ یہ مال ومتاع لوٹا دو، اگر بادشاہ کو معلوم ہو گیا تو وہ ہم سب کو ذلیل وخوار کر دے گا۔ لوہار نے ذہن پر زور دے کر ایک اور ترکیب سوچی اور سوداگر سے پوچھا، اب کہاں جانے کا ارادہ ہے؟ سوداگر نے کہا، فلاں بادشاہ کے وطن کو جاؤں گا۔ جہاں میرا گھر بھی ہے۔ اس نے وہ تمام سونا اور مال ومتاع سوداگر کو دے کر کہا کہ ان کو بادشاہ کے حوالے کر کے کہنا کہ یہ سلام ونیاز کے ساتھ، تمہارے لیے گل بادشاہ نے بھیجے ہیں۔

سوداگر اپنے سفر پر روانہ ہوا، اور آخر اپنے وطن پہنچا۔ اپنے وطن پہنچ کر گل بادشاہ کے تحفے وتحائف اپنے بادشاہ کی خدمت میں پیش کیے اور اس کے سلام پہنچائے۔ بادشاہ نہایت خوش ہوا۔ اس نے دس اونٹ، قیمتی سامان اور مال سے لاد کر کے سوداگر کو دیے کہ گل بادشاہ کو سلام دینا اور یہ نذرانہ اسے پیش کرنا۔

سوداگر نے یہ ساز وسامان لے کر واپس لوہار کے گھر کے دروازے پر آ کر اتار دیا۔ لو

ہار نے گھر سے نکل کر اس سے حال احوال کیا۔ سودا گر نے کہا کہ یہ سامان تمھیں اس بادشاہ نے دوستی کے جواب میں پیش کیا ہے۔

یہ باتیں نانا، نانی نے سن لیں اور وہ سر پیٹنے لگے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ کام تو لوہاری کا کرتا ہے اور سلام دعا، پیغام اور تعلقات بادشاہوں کے ساتھ ہیں۔ لوہار نے پہلے کی طرح یہ ساز و سامان دوبارہ پہلے بادشاہ کو بھیجا۔ سودا گر نے سب کچھ اسی طرح پہنچایا اور لوہار خود پہلے کی طرح لوہاری کرتا رہا اور روٹی کماتا رہا۔ جب بادشاہ کو دوبارہ اتنا ساز و سامان پہنچا تو وہ بہت حیران ہوا۔ سودا گر کو کہا جاؤ گل بادشاہ کو پیغام دو کہ میرے پاس بڑی فوج نہیں ہے، میں ایک چھوٹے سے ملک کا مالک ہوں۔ میں فلاں روز تمھیں سلام کرنے بذاتِ خود آؤں گا۔ میری بادشاہت اور محلات تمہارے ہیں۔ میری بیٹی کے ساتھ بھی تم شادی کرلو۔

سودا گر نے آ کر لوہار کو سارا پیغام پہنچایا۔ لوہار یہ حال سن کر بہت پریشان ہوا۔ بھاگ کر کسی درخت کے سائے تلے سو گیا۔ خدا کی قدرت دو فرشتے آ گئے اور لوہار سے سب ماجرا پوچھا۔ اس نے سب کچھ ان کو بتا دیا۔ اسی وقت فرشتوں نے حکم دیا، اور ایک بہت بڑا شہر وجود میں آ گیا۔ وہاں انھوں نے خلقِ خدا کو بھی جمع کر دیا۔ باغات و سبزہ زار شہر میں لگائے۔ یہ شہر نہایت حسین اور پُرکشش ہو گیا۔ فرشتوں نے دو پریاں حاضر کیں تاکہ وہ لوہار کی خدمت کریں۔

اس کے بعد لوہار کی دعوت پر بادشاہ وہاں اس شہر میں اس سے ملاقات کرنے چلا آیا۔ اس نے بادشاہ کے استقبال کے لیے آگے اس کے راستے پر لوگوں کو روانہ کر دیا۔ پوری خلقت نے اس کا استقبال کیا۔ بادشاہ شہر اور استقبال دیکھ کر حیران ہو گیا۔ کچھ عرصہ مہمان بن کر وہاں۔ پھر واپس چلا گیا۔ اس نے اسے اپنی بادشاہی بھی دے دی، اور اپنی بیٹی کا اس سے عقد بھی کرایا۔

اس طرح لوہار بادشاہ بن گیا۔ آس پاس کے سب لوگ جمع ہوتے گئے، اور اس کی رعایا بن گئے۔ اب وہ حقیقتاً گل بادشاہ بن چکا تھا۔ اپنے نانا نانی کو بھی اس نے اپنے پاس بلا لیا۔

یوں ایک غریب لوہار اپنی ترکیبوں سے آخر بادشاہ بن گیا۔

دغاباز وزیر

ایک تھا بادشاہ۔ وہ اپنے ملک کا حاکم تھا۔ بادشاہ کو کوئی اولاد نہیں تھی۔ بادشاہ بہت غمگین اور دکھی تھا۔ بادشاہ نے دو تین شادیاں کیں تا کہ اس کی کوئی اولاد ہو، اس کا جہان میں نام رہے اور اس کی بادشاہی اس کی اولاد سے قائم رہے۔ مگر کچھ روز بعد بادشاہ بہت بیمار پڑ گیا۔ اس کے بچنے کی امید نہ رہی۔ اس نے اپنے وزیر قاضی اور وکیل کو بلایا۔ ان کو بتایا کہ خدا جانتا ہے کہ اب میں زندہ رہ سکوں گا کہ نہیں، تم لوگ آپس میں اتفاق کی رسی مضبوطی سے تھامے رکھو۔ ورنہ تم سب لوگ نقصان اٹھاؤ گے اور دربہ در ہو جاؤ گے۔ اگر میری بات پر عمل کرو گے تو بھلا پاؤ گے، ورنہ تم لوگوں کی مرضی۔ میری یہی خواہش ہے کہ میری چھوٹی بیگم کا خیال رکھو۔ وہ امید سے ہے۔ اسے کسی طرح دکھ مت پہنچنے دو۔

چند روز بعد بادشاہ فوت ہو گیا۔ اب وزیر وسوسوں کا شکار ہو گیا۔ اس کے دل میں فتور آ گیا کہ بادشاہ کی بیگم کو ہی ختم کرا دے۔ وزیر نے قاضی کو بھی اپنا ہم خیال بنا لیا۔ وزیر اسی کشمکش و پیچ میں تھا کہ خدا کی قدرت سے بادشاہ کی بیگم کو ایک بیٹا پیدا ہوا۔ بچہ نہایت خوب صورت تھا۔ وزیر نے سازش کا جال بچھا دیا۔

کچھ لوگ اس نیت سے بادشاہ کے گھر آئے کہ بچے کو لے جا کر اس کا کام تمام کر دیں۔ چھوٹی بیگم نے وزیر کی بدنیتی بھانپ لی۔ بھاگ کر بیٹے کو پہاڑی میں چھوڑ آئی تا کہ وزیر کے ہاتھوں مارے جانے سے وہ خود مر جائے، یا ہو سکتا ہے بچ جائے۔

وزیر نے آ کر پوچھا، بچہ کہا ہے۔ اس نے کہا کہ تم کو کب میرے بچے کے بارے میں معلوم ہوا ہے۔

یہ سن کر وزیر واپس چلا گیا۔ وکیل نے اس کو منع کیا کہ لوگوں سے ایسا سلوک اچھا

نہیں ہے۔ وزیر کو جیسے آگ لگ گئی۔ اس نے ارادہ کرلیا کہ اسے کسی طرح زندہ نہیں چھوڑوں گا۔

اُدھر ماں نے سوچا کہ بچہ تو اب مر چکا ہوگا، جا کر پہاڑوں سے اس کو نکال کر اسے کفن دفن کرآؤں۔

اس کی لونڈی پہاڑی کے اندر جا کر اسے باہر لے آئی۔ بچہ ابھی تک زندہ تھا۔

کچھ دنوں بعد ماں نے اپنی لونڈیا کو ساتھ لے کر، اپنے بیٹے کو سینے سے لگایا اور کسی جنگل میں جا کر ایک جھونپڑی میں رہائش اختیار کی۔ بچہ آخر بڑا ہو کر جوان ہو گیا۔ انھوں نے اسے سونے کا ایک ٹکڑا دیا کہ جاؤ بازار سے سامان اور کپڑے خرید کر لاؤ۔ اس لڑکے کا یہی معمول بن گیا۔ ایک دن وکیل کی نظر اس پر پڑی وہ اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔ دیکھا کہ یہ تو بادشاہ کی بیگم ہے اور یہ تو وہی بچہ ہے، وہ ان کے پاس چلا گیا۔ اس نے بیگم سے کہا، آؤ میں تم لوگوں کو اپنے گھر لے چلوں۔ شہزادی اس کے ساتھ چلی گئی، اور وہ اس کے ہاں رہنے لگے۔

وزیر کے دل میں ہر وقت یہی کھٹکا رہتا کہ بادشاہ کا بیٹا زندہ ہے تو وہ یقیناً اسے تباہ و برباد کر دے گا۔ ایک دن وہ فقیروں کا بھیس بدل کر گھر گھر صدائیں لگاتا پھرا۔ حتیٰ کہ وکیل کے گھر تک پہنچا۔ لڑکے نے جا کر اسے خیرات دے دی۔ اس نے لڑکے کو پہچان لیا۔ اس نے لڑکے کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کی۔ اس دوران وکیل بھی باہر آ گیا اور بولا، اے فقیر کیوں دیوانے ہو گئے ہو۔ وہ لڑکے کو چھوڑ کر بھاگ نکلا۔

ایک دن شہزادہ شکار کو چلا گیا۔ کیا دیکھتا ہے کہ ایک دوشیزہ لٹکی ہوئی ہے۔ اس کا سر نیچے ہے اور پیر اوپر ہیں۔ اس نے پوچھا کہ تم کیسے لٹکی ہو؟ اس عورت نے پوری کہانی سنائی کہ مجھے ایک دیو نے یہاں باندھا ہے۔ شام کو آ کر مجھے کھول دیتا ہے۔ وہ وہاں درختوں کے نیچے چھپ کر گھات میں بیٹھا۔ شام کو دیو جب وہاں آیا تو کہنے لگا، یہاں انسان کی بو آتی ہے۔ کچھ اِدھر اُدھر گھوم پھر کر تلاش کیا۔ پھر اس دوشیزہ کو کھول کر آزاد کیا۔ وہ اپنا سر دوشیزہ کی زانوں پر

رکھ کر گہری نیند سو گیا۔تب شہزادے نے تلوار نکال کر دیو کو قتل کر کے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔اس نے دوشیزہ کو ساتھ لے کر شہر کا رخ کیا۔

قاضی نے جا کر وزیر کو اطلاع کر دی کہ شہزادہ ایک خوب صورت دوشیزہ کو لے کر آیا ہے۔وزیر کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔اس نے اس دوشیزہ کو زبردستی اٹھا لیا، کیوں کہ اب وہ بادشاہ تھا۔دوشیزہ نے اشاروں میں ان کو سمجھایا کہ تم لوگ آرام سے بیٹھو، مطمئن رہو۔میں اس سے خود نمٹ لوں گی اور زندہ نہیں چھوڑوں گی۔دوشیزہ نے مرے ہوئے دیو کے منہ کے زہریلے جھاگ کو ایک ڈبیہ میں بند کر کے اپنے ساتھ لے لیا تھا کہ شاید کسی وقت کام آئے۔

رات کو جب وزیر گھر آیا تو وہ دوشیزہ محل میں بیٹھی ہوئی تھی۔اس نے کھانا وزیر کے سامنے رکھا، اور گلاس میں زہر ملا دیا۔وزیر نے جب پانی پیا تو اسی وقت دم توڑ دیا۔

پھر اس نے بادشاہ زادے کو بلوایا۔اس سے شادی کر لی۔شہزادہ اب بادشاہی کے تخت پر بیٹھا۔اس نے وکیل کو بلایا۔وکیل کو اپنا وزیر مقرر کر دیا۔اور قاضی کو قید خانہ میں ڈال دیا۔

بادشاہ کا گول مٹول بیٹا

ایک تھا بادشاہ۔اس کی دو بیویاں تھیں۔بادشاہ کی کوئی اولاد نہ تھی۔اس نے کسی چورا ہے پر اس خیال سے دھرنا مار کر بیٹھنا شروع کر دیا کہ شاید کوئی بزرگ یا فقیر گزرے، وہ اس سے سوال کرے۔

ایک دن وہ بیٹھا تھا کہ کسی فقیر کا وہاں سے گزر ہوا۔اس نے پوچھا تم کیوں اس راستے پر یوں پڑے ہوئے ہو۔بادشاہ نے دل کا مدعا بیان کیا کہ میری کوئی اولاد نہیں ہے۔اس خیال سے بیٹھا تھا کہ شاید کوئی خداترس بزرگ یہاں سے گزرے اوراس کی برکت سے میری دلی مراد پوری ہواور مجھے بیٹا نصیب ہو۔فقیر نے اس کو ہدایت کی کہ تم آگے جاؤ، دو پنجرے لٹکا دو۔ان میں جو پرندے آجائیں، ان کو نکال کر ذبح کرو۔آگ میں پکا کر اپنی بیویوں کو کھلاؤ۔

بادشاہ نے فوراً جا کر دو پنجرے لٹکا دیے۔شام کے وقت جب وہاں گیا تو دیکھا کہ ایک پنجرے میں پانچ پرندے ہیں اور دوسرے میں ایک پرندہ ہے۔وہ ان کو نکال کر لے گیا۔پانچ پرندے حلال کر کے اپنی پسندیدہ بیوی کو کھلائے اورایک پرندہ جو کسی دوسری قسم کا تھا، دوسری بیوی کو کھلایا۔خدا کی قدرت دیکھئے کہ اس کی زیادہ محبوب بیوی کے پانچ بیٹے پیدا ہوئے اور دوسرے بیوی کو ایک بیٹا ہوا، جو ایک عجیب وغریب بچہ تھا۔گول مٹول تھا۔شکل و صورت سے بھی بھدا تھا۔

بچے آخر بڑے ہو گئے۔ایک دن بادشاہ آنکھوں سے کمزور ہو گیا۔اس نے ان سے کہا، جاؤ میرے لیے کوئی دوا ڈھونڈ لاؤ۔پانچوں بیٹے ایک طرف روانہ ہوئے اور ایک بیٹا تنہا دوسری جانب چل پڑا۔

پانچوں بیٹے پہلی ہی رات تھک کر ہمت ہار گئے۔ اور تھوڑی سی مٹی لے کر واپس ہو گئے۔ مگر گول مٹول بیٹا در در کی خاک چھانتا ہوا کسی طبیب کی تلاش میں کامیاب ہو گیا اور اس سے دوائی حاصل کر کے واپس ہوا۔

جب وہ شہر کے قریب پہنچا تو اس کی ملاقات دوسرے بھائیوں سے ہوئی۔ دریافت پر ان بھائیوں نے بتایا کہ ہم کوئی دوائی ساتھ لے جا رہے ہیں۔ گول مٹول نے کہا، میں تو بس یونہی واپس آیا ہوں۔ معلوم نہیں دوائی کیسی ہے۔ وہ سب گھر چلے گئے۔

ان پانچ بیٹوں نے لائی ہوئی دوائی اپنے باپ کو دے دی۔ اس نے جب مٹی آنکھوں میں ڈالی تو وہ اور زیادہ اندھا ہو گیا۔ دوسرے روز گول مٹول نے اپنی دوائی دے دی تو بادشاہ کی آنکھیں ٹھیک ہو گئیں اور روشنائی لوٹ آئی۔

کافی مدت بعد بادشاہ فوت ہو گیا۔ وہ سب اب گول مٹول کے پیچھے پڑ گئے۔ اور اس کے دشمن بن گئے، کیوں کہ وہ نہایت ذہین اور عقل مند تھا۔

ایک روز گول مٹول کی ماں بھی فوت ہو گئی۔ وہ جلدی سے اپنی ماں کا جسد اٹھا کر بازار لے گیا۔ وہاں کسی ہندو کا حقہ رکھا ہوا تھا۔ اس نے حقہ لے کر اس کا نل اپنی ماں کے منہ میں ڈالا۔ جب دیکھا کہ ہندو آ گیا ہے تو وہ اس کے پاس گیا۔ ہندو نے جب یہ ماجرا دیکھا تو بہت حیران ہوا۔ اس نے ہندو سے کہا تم نے میری ماں کو قتل کیا ہے۔ ہندو نے بہت واویلا کیا۔ آخر مجبور ہو کر اسے دس ہزار روپے دے کر جان خلاصی کی۔ اس نے اپنی ماں کو لے جا کر کفن دفن کیا۔ گھر آیا اور بھائیوں کو سارا ماجرا سنایا۔

یہ سن کر پانچوں بھائیوں نے بھی اپنی ماں کو ہلاک کیا کہ جا کر اسے ہندو کے پاس فروخت کر دیں۔ انھوں نے لاش لے جا کر ہندو سے کہا کہ تم نے گول مٹو کی ماں کی لاش دس ہزار روپے میں خریدی ہے۔ ہمیں بھی اتنی رقم دے کر ماں خرید لو۔ ہندو نے ان سے کہا، بدبختو! مردے کو لوگ دفن کرتے ہیں، اسے کون خریدتا ہے۔

وہ اور زیادہ غصہ ہو گئے کہ اب تو گول مٹول کو سزا دے کر اس کا گھر جلائیں گے۔

انھوں نے اس کے گھر کو آگ لگا دی۔

گول مٹول نے راکھ جمع کی۔ اس کو بوریوں میں بھر کر اونٹ پر لاد کر کسی راستے پر چل پڑا۔ راستے میں کسی ہندو سے اس کا آمنا سامنا ہوا۔ ہندو نے اس سے کہا کہ میرے بیٹے کو سوار کر لو۔ گول مٹول نے بوری کے اوپر تھوڑی سی رقم رکھ لی تھی۔ اس نے ہندو سے کہا خیال کرنا، میری بوری میں پیسے ہیں، اگر تمہارے بیٹے سے کوئی ہوا نکل گئی اور وہ راکھ بن گئے تو پھر میں کیا کروں گا۔ ہندو نے اسے مذاق سمجھا اور کہا ایسا ہوا تو وہ اس کی تمام رقم ادا کرے گا۔ یہ سن کر اس نے ہندو کے بیٹے کو سوار کر لیا۔ اور لا کر شہر پہنچا دیا۔ وہاں اس نے ہندو کو پکڑ لیا کہ دیکھو میری بوری کے پیسے راکھ بن چکے ہیں۔ ہندو بڑا پریشان ہوا۔ بہر حال وعدے کے مطابق اس نے بوری کو پیسوں سے بھر کر اسے لوٹا دیا۔ وہ رقم لے کر واپس گھر آیا اور بھائیوں کو بتایا کہ تم لوگوں نے میرا گھر جلایا۔ میں نے اس کی راکھ فروخت کر کے اتنی بڑی رقم کمالی ہے۔

یہ ماجرا سن کر ان بھائیوں نے بھی اپنے گھر جلا ڈالے اور بوری میں راکھ بھر کر گھر گھر ان کو بیچنے نکل پڑے۔ لوگوں نے ہر جگہ ان کا مذاق اڑایا کہ راکھ اپنے سر پر ڈال دو۔ راکھ کے لیے کون پیسہ دیتا ہے۔

اب تو ان کا غصے کا پارہ چڑھ گیا۔ انھوں نے واپس آکر گول مٹول کے بیل کو ذبح کر ڈالا۔

گول مٹول نے اس کا چمڑا نکال کر کسی درخت کے ساتھ لٹکا دیا۔ اس اثنا میں جوا کھیلنے والے اس درخت کے نیچے جمع ہو گئے۔ چمڑا ہوا چلنے سے ہلا تو دھڑ کے پر جواباز خوف زدہ ہو کر بھاک کھڑے ہوئے اور جوئے بازی پر لگی ہوئی ساری رقم وہاں چھوڑ گئے۔ سب رقم گول مٹول نے اکٹھی کر کے قبضے میں لے لی۔ اور جا کر بھائیوں کو بتایا کہ بیل کے چمڑے کی فروخت سے اس نے اس قدر رقم کمائی ہے۔

اب انھوں نے بھی اپنے بیل ذبح کیے، لیکن بازار میں ہر ایک چمڑے پر صرف ان کو دو دو روپے ملے۔ وہ اب نہایت غصہ ہو گئے کہ اب تو رات کو کھانے کے لیے بھی گھر میں کچھ نہیں ہے۔ دوسری طرف گول مٹول روز بروز امیر سے امیر تر ہوتا جا رہا ہے۔ انھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ فیصلہ کیا کہ گول مٹول کو لے جا کر پانی میں ڈبو دیں گے۔

انھوں نے اسے ایک روز دریا کے کنارے دھکا دے کر پانی میں گرا دیا اور خود گھر چلے آئے۔

وہ پانی میں ڈبکیاں کھا رہا تھا کہ اس دوران وہاں ایک چرواہا گیا۔ اس نے چرواہے کا پیر پکڑ کر پانی سے اپنے کو نکال لیا۔ اس دوران پیر پھسلنے سے چرواہا پانی میں ڈوب کر ہلاک ہو گیا۔ گول مٹول اس کا سارا ریوڑ ہانک کر گھر لے گیا۔ اس نے اپنے بھائیوں کو بتایا کہ اس دریا کے پانی سے اسے یہ سب ریوڑ ملا ہے۔ اس کے اندر بہت ریوڑ ہیں۔

سب بھائی اکٹھے ہو کر دریا پر چلے گئے۔ بڑے بھائی کو دھکا دے کر اندر گرایا تو وہ ڈبکیاں کھانے لگا۔ ایک بھائی نے پوچھا، یہ کیا کر رہا ہے؟ گول مٹول نے جواب دیا، وہ کہتا ہے کہ مال بہت ہے، مجھ سے اکیلے نہیں نکالا جاتا، تم لوگ بھی آ جاؤ۔

ایک ایک کر کے سب نے چھلانگ ماری اور سب ڈوب کر ختم ہو گئے۔

گول مٹول گھر لوٹ آیا۔ اس نے اپنی عقل مندی سے دکھ سہہ کر اور محنت کر کے اپنا مقام خود پیدا کر لیا، اور باقی زندگی آرام سے گزارنے لگا۔

بادشاہ اور سوداگر

کسی ملک میں ایک بادشاہ تھا۔ بادشاہ تجارت بھی کیا کرتا تھا۔ اس کی بڑے سوداگر کے ساتھ شراکت تھی۔ وہ سوداگر باہر تجارت کا مال لے کر کاروبار کرتا تھا۔ اب بادشاہ کے دو بیٹے تجارت کرنے لگے تھے۔

کچھ عرصہ بعد سوداگر کسی بیرونی ملک سے بہت سا تجارتی مال لے آیا۔ شہر میں مال اتارا تو لوگ مال دیکھنے کے خواہاں تھے۔ بادشاہ نے لوگوں کی دعوت کا اہتمام کیا۔ شام کو لوگ جمع ہو گئے۔ سوداگر بادشاہ اور اس کے بیٹے بھی اس دعوت میں شریک ہوئے۔ کھانے کے دوران بہت دُور بادشاہ کی نظر آگ کے شعلوں پر پڑی۔ بادشاہ محل سے باہر نہیں نکلا۔ کھانا ختم ہونے کے بعد وہ شہر سے باہر نکلا کہ دیکھوں کیسی آگ کے شعلے ہیں۔ سوداگر اور لوگوں نے کہا ،بادشاہ سلامت یہ شعلے بہت دور واقع ہیں ،ہمیں اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔ بادشاہ نے اصرار کیا تو سوداگر نے اسے بتایا کہ یہ شعلوں کی روشنی فلاں بادشاہ کی ملکہ کی ہے جو اتنی خوب صورت اور حسین ہے کہ اس کا چہرہ آگ کی طرح روشن ہے۔ جب سے وہ ملکہ اس شہر میں سکونت پذیر ہوئی ہے، وہ پورا شہر روشن ہو گیا ہے۔ بادشاہ بولا میں جا کر اس عورت کو ضرور لے آؤں گا۔ سوداگر نے عرض کیا، بادشاہ سلامت! کئی بادشاہوں نے ایسی کوششیں کیں ہیں مگر اس کو لے جانے کسی کو کامیابی نصیب نہیں ہوئی، میں نے کئی بار اس شہر کے چکر لگائے ہیں۔

باشادہ نے مگر طے کر لیا کہ وہ اسے حاصل کر کے رہے گا۔ بادشاہ نے تمام حالات معلوم کیے، شہر کی نشانیاں دریافت کیں اور اس شہر کی جانب سفر پر روانہ ہوا۔ آخر وہ اپنی منزل کو پہنچا۔ اس کے پاس مال و دولت کی کمی نہیں تھی۔ بادشاہ کے محل کے ساتھ ہی اپنے لیے ایک محل خرید لیا۔ اس نے محل سے سرنگ کھودنا شروع کی اور اسے بادشاہ کے محل کے اندر تک پہنچا دیا۔

ایک روز بادشاہ کی ملکہ بیٹھی ہوئی تھی کہ وہ سرنگ سے باہر نکل آیا۔ملکہ کو حیرت ہوئی۔بادشاہ نے اپنی پوری کہانی سنائی۔اور ملکہ کو اپنی باتوں سے بہلا کر راضی کرلیا۔دونوں کی دوستی ہوگئی۔رات کو ملکہ سرنگ کے راستے بادشاہ کے پاس چلی جاتی اور رات بھر اس کے ساتھ ہم مجلس رہتی۔آخر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ملکہ اس پر شیدا ہوگئی۔

ایک دن بادشاہ نے ملکہ سے کہا،اے حسینہ! میرے لوگ اور میری رعیت میرے انتظار میں ہیں۔میں مصروف آدمی ہوں۔اب تم ایک ہونے کی کوئی ترکیب سوچو۔ملکہ بولی،تم جانے کی تیاریاں شروع کرو۔بادشاہ کچہری لگائے بیٹھا ہے۔تم بادشاہ کے کپڑے پہن لو اور کچہری میں چلے جاؤ۔بادشاہ تمھیں دیکھ کر حیرت زدہ ہوجائے گا۔پھر تم بھاگ کر واپس آؤ اور کپڑے تبدیل کرلو۔

بادشاہ نے اس ترکیب پر عمل کیا اور بادشاہ کی کچہری میں چلا گیا۔بادشاہ کی اس پر نظر پڑی تو حیران ہوا کہ میرے کپڑے اس نے کیسے پہنے ہیں۔وہ سر درد کا بہانہ بنا کر کچہری سے اٹھا اور واپس آکر بادشاہ کے کپڑے اتارے اور اپنے کپڑے پہن لیے۔

بادشاہ جب اپنے محل آیا تو اس نے اپنے کپڑے وہاں پائے۔وہ بڑی کشمکش و پیچ میں رہا۔اپنی بیوی سے کہا کہ میں نے کسی آدمی کو اپنے کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تھا۔بیوی بولی ،ایسے کپڑے بہت ہیں۔تم پریشان مت ہو۔

دوسرے روز اس نے بادشاہ کی پگڑی سر پر باندھ لی اور کچہری میں چلا گیا۔بادشاہ نے جب اپنی پگڑی دیکھی تو اٹھ کر گھر آیا۔اس کے آنے سے پہلے ملکہ کا دوست اس کی پگڑی اتار چکا تھا۔

ملکہ نے اپنے دوست کو مشورہ دیا کہ کل رات تم بادشاہ کی دعوت کرلو۔میں کھانے سے پہلے آجاؤں گی۔

وہ بادشاہ کے پاس چلا گیا اور اسے رات کے کھانے کی دعوت دی۔

بادشاہ دعوت پر اس کے ہاں چلا گیا۔ ملکہ پہلے سے وہاں موجود تھی اور کھانا تیار کرنے میں مصروف تھی۔ بادشاہ یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ اس کی ملکہ کھانا بنا رہی ہے۔ بادشاہ یہ کہہ کر واپس ہوا کہ میں جا کر اپنا پوڑ (مٹی سے بنا ہوا چھوٹا سا چرٹ) لاتا ہوں۔ اس کے کش لگائے بغیر کھانا کھا نہیں سکتا۔ وہ نکل کر چلا گیا ملکہ سرنگ کے راستے اس کے گھر پہنچنے سے پہلے ہی اپنے محل چلی گئی۔ وہ انتظار میں بیٹھ گئی۔ بادشاہ جب آیا تو اس نے بادشاہ سے پوچھا تم نے نہیں کہا تھا کہ آج باہر تمہاری کسی نے دعوت کی ہے۔ بادشاہ نے کہا، بیگم! جب میں وہاں گیا تو ہو بہو تمہاری شکل وصورت کی ایک حسین وخوب صورت عورت وہاں بیٹھی ہوئی تھی۔ میں سمجھا شاید تم ہی ہو۔ میں اپنا پوڑ لانے کے بہانے وہاں سے چلا آیا۔ ملکہ بولی، وہ تو میری بہن ہے۔ یہ سن کر وہ واپس ہوا۔

ملکہ دوبارہ سرنگ کے ذریعے آ کر پہلے سے وہاں کھانا پکانے میں مصروف ہوگئی۔ بادشاہ نے آ کر اسے کام میں مصروف پایا۔ بادشاہ نے کھانا تناول کیا اور اس آدمی سے کہا پہلے تم نے مجھے کیوں نہیں بتایا کہ ہماری بیویاں آپس میں بہنیں ہیں۔

اب ملکہ کو خوب موقع ملا۔ وہ خوب گل چھرے اور مزے اڑانے لگے۔

ایک دن وہ سفر پر تیار ہوا۔ بادشاہ سے اجازت لی کہ وہ اب جا رہے ہیں۔ بادشاہ نے بہ خوشی بہت سے تحفہ تحائف اس کو دیے، اور کہا کہ اپنی حدود تک تم لوگوں کو رخصت کرنے میں ساتھ آؤں گا۔ بیوی بھی ساتھ تھی۔ بادشاہ کی سرحد پر ایک درخت تھا۔ دوپہر انھوں نے اس درخت کے سایہ تلے گزاری۔ پھر وہ اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر اپنے ملک چلے گئے۔

بادشاہ جب واپس اپنے محل آیا تو ملکہ کو اس نے آواز دی۔ مگر ملکہ موجود نہیں تھی۔ اِدھر اُدھر اس کو تلاش کیا، مگر وہ نہ ملی۔ اس کے کمرے میں چلا گیا کہ شاید وہ اپنی بہن کی یاد میں غمگین بیٹھی ہو۔ جب وہاں گیا تو اس نے سرنگ دیکھ لی۔ وہ سرنگ میں داخل ہوا اور چلتے چلتے اس محل میں پہنچا جہاں اس نے دعوت کھائی تھی۔ تب اس کو تمام صورت حال کا علم ہوا، اور

اس پر حقیقت واضح ہوئی کہ یہ کیسی ترکیب سوچی گئی تھی۔

وہ شرمسار ہو کر اپنے گھر آیا۔ اس طرح وہ اپنی ملکہ سے محروم ہو گیا۔

اس بادشاہ نے ملکہ کو اپنے گھر لا کر اس سے شادی رچائی اور خوش و خرم ہو کر زندگی گزارنے لگے۔ سوداگر نے اپنی تجارت جاری رکھی۔ سب سکھ چین سے رہنے لگے۔

چھ بھائی

کسی ملک میں ایک بادشاہ تھا۔اس کے چھ بیٹے تھے۔بڑے بھائی نے سب سے پہلے شادی کرلی۔دوسروں نے یکے بعد دیگرے شادی رچائی۔بادشاہ نے اپنے گھر میں حکم جاری کیا کہ کوئی سوالی آئے یا کوئی اور،اس کی چھوٹی بہو کو کبھی باہر بھیجا نہ جائے۔

کچھ روز گزرے ہی تھے کہ ایک فقیر نے گھر پر صدا لگائی اور خیرات طلب کی۔بڑی بہو نے کچھ گندم لے کر اسے دی۔مگر اس نے لینے سے انکار کیا۔سب بہوئیں باری باری گئیں۔مگر فقیر نے کسی کے ہاتھ سے بھی خیرات لینی قبول نہیں کی۔وہ تمام دن دروازے پر بیٹھا ہی رہا۔آخر گھر کی عورتیں تنگ آ گئیں۔لاچار ہو کر چھوٹی بہو کو خیرات دے کر باہر بھیجا۔جونھی وہ باہر نکلی،فقیر نے اسے پھونک ماری اور وہ کتیا بن گئی۔اور فقیر چلتا بنا۔وہ اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گئی۔

تمام عورتیں خوف زدہ ہو گئیں کہ آخر بادشاہ کو کیا جواب دیں گی۔

شام کو بادشاہ گھر آیا۔سب کو مغموم اور حواس باختہ پایا۔آخر اسے تمام ماجرا سنایا کہ ایک فقیر خیرات مانگنے آیا تھا۔سب نے باری باری جا کر اسے خیرات دی مگر اس نے نہیں لی۔آخر چھوٹی بہو مجبوراً خیرات لے کر گئی تو اسے جھاڑ پھونک کے ذریعے اس نے کتیا بنا دیا۔جو پیچھے پیچھے اس کے ساتھ چلی گئی۔بادشاہ کے بھائی بھی آ گئے۔سب کمر بستہ ہو گئے کہ اپنی بہو کو واپس لائیں گے۔بادشاہ نے سب عورتوں سے دریافت کیا کہ تم لوگوں میں سے کوئی حمل سے تو نہیں۔بادشاہ کی ملکہ نے کہا کہ میں امید سے ہوں۔اس نے اپنی انگوٹھی نکال کر ملکہ کو دے دی اور نصیحت کی کہ اگر بیٹا ہوا تو یہ اسے پہنا دینا۔اگر بیٹی ہوئی تو اسے ایسے ہی رکھنا۔

وہ سب فقیر کے پیچھے روانہ ہوئے۔ایک دن وہ فقیر کی جگہ پہنچے۔فقیر نے انھیں دیکھ

کران پر جھاڑ پھونک ماری تو سب پتھر بن گئے۔

اُدھر کچھ عرصہ بعد بادشاہ کے گھر میں بیٹا پیدا ہوا۔ وہ بڑا ہو کر جوان ہوا۔ اس نے اپنی ماں سے پوچھا، اماں میرا کوئی باپ ہے کہ نہیں؟ ماں نے اسے بتایا کہ تمہارا باپ بادشاہ تھا۔ تمہاری چھوٹی بھابی کو ایک فقیر لے گیا۔ وہ اس کی تلاش میں گئے ہیں۔ ابھی تک واپس نہیں لوٹے۔

ایک دن اس نے انگوٹھی نکال کر بیٹے کو دی کہ تمہارے باپ نے تمہارے لیے رکھ چھوڑی تھی۔ انگوٹھی لے کر بیٹا اپنے باپ اور چچاؤں کی تلاش کے لیے جانے پر تیار ہوا۔ چلتے چلتے وہ آخر جادوگر کے شہر پہنچ گیا۔ جادوگر اس وقت وہاں موجود نہیں تھا۔ اس نے ایک عورت کو وہاں دیکھا۔ عورت نے اسے دیکھا تو پہلے ہنسی اور پھر رونے لگی۔ اس نے اسے بتایا کہ میرا شوہر اور پانچ چچا سب یہ پتھر بنے پڑے ہیں۔ تمھیں بھی جادوگر آخر پتھر بنا دے گا۔ اس نے جواب دیا، اللہ خیر کرے گا۔ اس نے عورت سے پوچھا کہ اس جادوگر سے نمٹنے کا طریقہ کیا ہے۔ عورت بولی کہ اس کا علاج ہے، بشرطیکہ تم ایک جگہ جا سکو۔ اس نے نوجوان سے پوچھا کہ تم ان کے لیے کیوں اتنی تکلیفیں اٹھاؤ گے۔ نوجوان نے بتایا کہ میں اسی بادشاہ کا بیٹا ہوں، اور دوسرے میرے چچا ہیں۔ عورت بہت خوش ہوئی۔ اسے کھانا کھلایا۔ راستہ بتا دیا کہ آگے ایک ندی آئے گی۔ اس کے قریب والے باغ کے اندر مت جانا۔ اس سے آگے جو باغ آئے اس میں چلے جانا۔ وہاں درخت کے ساتھ لٹکا ہوا ایک پنجرہ ہے۔ جس میں ایک مرغا ہے۔ تم وہاں سے اس مرغے کو نکال کر لانا۔ اسے مارنا نہیں۔ پہلے یہاں ضرور لے آنا۔ جب یہاں آؤ گے تو جادوگر تم سے کہے گا کہ مرغے کو چھوڑ دو۔ لیکن تم اسے بالکل آزاد نہ کرنا۔ اسی مرغے میں جادوگر کی روح ہے۔

تمام قصہ سن کر، وہ وہاں سے چلا گیا۔ مرغے کو لے کر جلدی لوٹ آیا۔ راستے میں مرغے کو اس نے تھوڑا ابھینچا۔ جادوگر بے قرار ہو گیا۔ عورت نے پوچھا، آج تمھیں کیا ہو گیا ہے۔

اتنے میں لڑکا آپہنچا۔جادوگر اس سے کہا، مرغے کو چھوڑ دو۔ ورنہ تمھیں پتھر بنا ڈالوں گا۔

اسے جتنا ڈرایا، دھمکایا۔نوجوان قطعاً انکار کرتا رہا کہ کبھی بھی مرغے کو نہیں چھوڑوں گا۔جادوگر نے منت سماجت کی کہ اس کے بدلے جو مانگتے ہو، مانگو۔میں دوں گا۔نوجوان نے کہا، ان پتھروں کو واپس انسان بنا دو۔ پھر میں مرغے کو آزاد کروں گا۔

اس نے ان کو پھر سے انسان بنا دیا۔تب نوجوان نے مرغے کی گردن کو دبوچ لیا اور اسے مار دیا۔جادوگر کی روح بھی اسی وقت نکل گئی۔

وہ چھ کے چھ آدمی زندہ ہو گئے۔انھوں نے نوجوان کو نہیں پہچانا۔بادشاہ نے پوچھا تم کون ہو؟ اس نے بتایا کہ میں بادشاہ کا بیٹا ہوں۔یہ انگوٹھی اس کی نشانی ہے۔بادشاہ نے انگوٹھی پہچان لی۔اور اسے گلے سے لگا لیا۔

وہ سب واپس اپنے ملک آ گئے۔لوگوں نے جی بھر کر خوشیاں منائیں اور سب ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگے۔

کنیز کا بیٹا

ایک بادشاہ اپنے ملک میں حکمرانی کرتا تھا۔اس کی دو بیویاں تھیں۔ایک اچھے خاندان کی لڑکی اور دوسری بیوی کنیز تھی۔بے چاری کنیز کی کیا حیثیت ہوتی ہے۔

قدرت خدا کی کہ اس خاندانی بیوی کا ایک بیٹا پیدا ہوا اور کنیز کو بھی ایک بیٹا ہوا۔کنیز کا بیٹا نہایت چست اور مضبوط جوان تھا۔جب کہ دوسری بیوی کا بیٹا بزدل اور سست تھا۔اب بادشاہ بوڑھا ہو چکا تھا۔وہ حیران تھا کہ کس بیٹے کو بادشاہی کے تخت پر بٹھائے۔کیوں کہ اس خاندانی بیوی کے بیٹے میں کوئی قابلیت اور صلاحیت نہیں تھی۔اس کو کسی طرح بھی بادشاہ نہیں بنایا جاسکتا تھا۔ایک دن اس نے دربار لگایا۔لوگوں کو دعوت دی۔وزیر نے مشورہ دیا کہ بادشاہی کا تاج کنیز زاد بیٹے کو پہنا دو۔اگر دوسرے کو بادشاہ بنا دیا تو اسے کوئی نہیں مانے گا۔تمھاری بادشاہت کا نام ونشان مٹ جائے گا۔بادشاہ نے کہا۔کوئی ایسا طریقہ تلاش کرو کہ بادشاہت قائم رہے۔اس نے اسے مشورہ دیا کہ اس طرح کرو کہ ہر ایک بیٹے کو دو دو ہزار روپے حوالے کر دو۔جو بھی ایک مقررہ وقت میں ان پیسوں کو کئی گنا کر کے واپس لائے، اسی کو بادشاہ بنا دو۔

بادشاہ نے اپنے بیٹوں کو بلوا بھیجا۔ہر ایک کو دو، دو ہزار روپے دے کر کہا کہ جو بھی تین مہینوں کے اندر اس رقم سے کام لے کر اسے بڑھا کر لایا، بادشاہت اسی کی ہوگی۔دونوں بھائی رقم لے کر روانہ ہو گئے۔

چلتے چلتے وہ ایک دوراہے پر پہنچے۔اب دو راستے دو سمتوں کو جاتے تھے۔کنیز کے بیٹے نے کہا، بھیا! ہم نے شرط لگا رکھی ہے، مگر اکٹھے جا رہے ہیں۔آؤ کہ الگ الگ اپنی راہ لیں۔اس بھائی نے ذرا اصرار کیا کہ نہیں اکٹھے جائیں گے کیوں کہ اکیلے میں مزہ نہیں

ہے۔اس کی نیت بھی خراب تھی۔مگر کنیز کے بیٹے کا دل صاف تھا۔وہ یہاں ایک دوسرے سے جدا ہو کر مختلف راستوں پر چل دیے۔جاتے وقت دونوں نے اپنی تلواریں ایک جگہ دفن کر دیں کہ واپسی پر دیکھیں کون پہلے آیا ہے۔

خاندانی ماں کا بیٹا کچھ آگے جا کر تھک گیا اور ایک شہر میں بیٹھ گیا۔اس نے وہاں دیکھا کہ لوگ بڑے مزے سے خربوز، تربوز کھاتے ہیں اور اچھے اچھے کھانے کھاتے ہیں۔اس نے بھی ان کے پاس آنا جانا شروع کیا۔لوگوں کو اچھے اچھے کھانے کھلاتا رہا اور اپنی تمام پونجی ختم کر ڈالی۔اب محنت مزدوری تک نوبت آ گئی۔وہ اتنا کچھ کماتا تھا کہ صرف اس کی گزر اوقات ہوتی تھی۔اس نے بڑے دکھ اٹھائے اور محتاج ہو گیا۔

اب اس کا ذکر یہیں چھوڑ دو۔کچھ تذکرہ ہو جائے کنیز کے بیٹے کا۔

کنیز کے بیٹے نے دل میں ارادہ کر لیا کہ پوری جدوجہد کرے گا اور کسی سوداگر یا کسی بادشاہ کے شہر میں جا کر ان سے ملاقات کرے گا۔پوچھ گچھ کرتے کرتے اسے کسی نے بتایا کہ فلاں شہر کا حاکم نہایت اچھا اور نیک بادشاہ ہے۔ہر ایک کا خیال رکھتا ہے۔وہ اسی جانب روانہ ہوا۔ چلتا چلا گیا۔دوپہر کی گرمی تھی۔وہ کسی درخت کے سائے میں کچھ سستانے لگا۔منزل بہت دور تھی۔وہ اس درخت کے سائے میں لیٹا ہوا تھا کہ اس دوران تین حوریں آ گئیں، اور وہ اس درخت کے اوپر بیٹھ گئیں۔ان حوروں نے آپس میں مشورہ کیا کہ اس شخص کی مدد کرنا ہے۔اس غریب نے بہت بڑی اور مشکل شرط لگا رکھی ہے۔

ایک بولی، میں جس شاخ پر بیٹھی ہوں اس کے نیچے خزانہ کی ایک پوٹلی ہے، وہ اس نکال کر لے جائے۔

دوسری بولی، میں جس شاخ پر بیٹھی ہوں اگر اس کی پتیاں توڑ کر لے اور جس کسی کو بھی کوڑھ کی بیماری ہو، ان پتیوں کے کھانے سے شفایاب ہو جائے گا۔

تیسری بولی، اس درخت کے پھولوں کو توڑ کر ان کو پیس کر کسی اندھے کے آنکھوں

میں سرمہ کی طرح ڈال دے تواس کی آنکھیں روشن ہوجائیں گی۔

ان باتوں کے بعد چوریں اڑ کر چلی گئیں۔

کنیز کا بیٹا آنکھیں ملتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ پتیاں اور پھول تور کر اپنی چادر کے کنارے پر باندھ کر اپنی راہ لی۔ سفر کرتے کرتے وہ ایک جگہ پہنچا جہاں اسے کچھ گھڑ سوار آتے ہوئے نظر آئے۔ دریافت پر انھوں نے بتایا کہ بادشاہ بیمار ہے، کئی حکیموں طبیبوں سے علاج کرایا ہے۔ مگر افاقہ نہیں ہوا۔ ان سب کو بادشاہ نے قتل کر دیا ہے۔ ہم کسی ایسے طبیب کی تلاش میں ہیں، جس کے علاج سے شاید بادشاہ کو صحت یابی نصیب ہو۔ اس نے کہا، میں تم لوگوں کے بادشاہ کا علاج کروں گا۔ وہ اسے اپنے ساتھ شہر لے گئے۔ اسے بادشاہ کے پاس پہنچایا۔

بادشاہ نے اپنی بیماری کا حال سنایا۔ اس نے بادشاہ سے کہا کہ میں تمہارا علاج کروں گا۔ اس نے وہی پتیاں نکال کر بادشاہ کو کھلائیں۔ صبح کو بادشاہ اٹھ بیٹھا۔ دو راتوں تک اس نے علاج جاری رکھا۔ خدا کی قدرت سے بادشاہ بالکل صحت یاب گیا۔ بادشاہ نے اسے محل میں جگہ دی اور اپنی بیٹی کا نکاح اس کے ساتھ کروایا۔

شادی کے کچھ عرصہ بعد اس نے بادشاہ سے اپنے جانے کے ارادے کا اظہار کیا، اور کہا کہ اپنی بیوی کو یہیں چھوڑ کر جاؤں گا اور پھر آؤں گا۔

کنیز کا بیٹا منزل بہ منزل چلتے چلتے ایک شہر میں پہنچا۔ جہاں اس کی ملاقات وہاں کے وزیر سے ہوئی۔ جس نے بادشاہ کے اندھے ہوجانے کا حال بتایا۔ چنانچہ اس ے وعدہ کیا کہ میں تمہارے اندھے بادشاہ کا علاج کروں گا۔ اسے بادشاہ کے پاس لے جایا گیا۔

بادشاہ نے یہ شرط لگادی کہ میرا علاج ہوا تو ٹھیک ورنہ تمہارا سر قلم کر دوں نگا۔ وہ راضی ہوگیا۔ وہی پھول اس نے سرمہ کی طرح آنکھوں پہ استعمال کرنا شروع کیا۔ بادشاہ کی آنکھوں میں کچھ روشنی آگئی۔ تین دن کے علاج کے بعد بادشاہ کی آنکھوں میں مکمل روشنی واپس آگئی۔ بادشاہ بہت خوش ہوا۔ اسے اپنے محل میں بٹھایا اور اپٹی بیٹی کو اس کی خدمت میں مقرر کر

دیا۔ وہ دن رات اس کی خاطر مدارت میں لگی رہی ۔ دونوں میں دوستی پیدا ہوگئی ۔ جب بادشاہ کو ان کی دوستی کا علم ہوا تو دونوں کی شادی کر دی ۔

ایک رات کنیز کے بیٹے نے پھر رختِ سفر باندھا۔ بادشاہ نے بڑی منت سماجت کی اور کہا، جس چیز کی تم کو ضرورت ہو، ساتھ لے جاؤ۔ اس نے پچاس اونٹ اور پچاس مزدوروں کے ساتھ اس کو روانہ کیا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا کہ اپنے والد سے یہ کتا مانگ کر مجھے دے دو، بڑا اچھا کتا ہے۔ وہ بھی اسے دے دیا گیا۔

وہ سفر کرتے کرتے واپس پہلے بادشاہ کے ملک پہنچا۔ بادشاہ اپنے داماد کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ اس کی بڑی آؤ بھگت کی ۔ کچھ عرصہ قیام کے بعد بادشاہ سے اجازت لے کر اپنی بیوی کو ساتھ لیے روانہ ہوا۔ سفر کرتے وہ پھر اسی درخت کے نیچے آ کر خیمہ زن ہوا۔ دونوں بیویاں اس کے ساتھ تھیں ۔ وہ درخت کے سائے تلے بیٹھ گئے ۔

کچھ فاصلہ پر اس کا کاروان مزدوروں کے ساتھ ٹھہرا ہوا تھا۔ کنیز کے بیٹے نے اب اس جگہ کو کھودا، اور خزانہ نکال کر اونٹوں پر لاد دیا۔ یہ منزلیں طے کرتے ہوئے اس جگہ پر پہنچے جہاں تلواریں رکھی گئی تھیں ۔ کنیز کے بیٹے نے زمین کھود کر دیکھا، تلواریں ابھی تک رکھی ہوئی تھیں ۔ وہ اپنی تلوار نکال کر لے گیا اور آگے بڑھ گیا۔

رات ایک شہر میں گزاری ۔ کیا دیکھتا ہے کہ اس کا بھائی تغاری اٹھا کر مزدوری کرتا ہے۔ اس کے کپڑے کیچڑ سے لت پت ہیں ۔ خاندانی بیٹے نے اپنے بھائی کو نہیں پہچانا۔ مگر کنیز زادہ نے اسے پہچان لیا اور اپنے ساتھ لے لیا۔ نئے کپڑے پہنائے اور اپنے ہمراہ کر لیا۔ راستے میں اسے بتایا کہ میں تمہارا وہی بھائی ہوں ۔

سفر میں رات پڑ گئی ۔ ایک جگہ قیام کیا۔ دونوں بھائی شکار کو نکلے ۔ کنیز کے بیٹے نے اسے اپنا تمام قصہ بتایا کہ کس طرح اس نے اپنے لیے دو بیویاں پیدا کیں اور بہت سامال و دولت اکٹھا کیا۔ اس کے بھائی کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی اور وہ اسے ختم کرنے کا

منصوبہ بنانے لگا۔

راستے میں کنیز کے بیٹے کو پیاس لگی۔اس نے پانی مانگا کہ تمہارے پاس مشک ہے۔بھائی نے کہا، میں تمہیں اس شرط پر پانی دوں گا، جب تمہاری ایک آنکھ نکال لوں گا۔اس نے اپنے بھائی کو اپنی نیکیاں یاد دلائیں، مگر وہ مانا۔اس شریف ماں کے بیٹے نے اس کی آنکھ نکال لی۔کتے نے اچھل کر اسے اپنے منہ میں لے لیا۔اسی طرح اس نے اس کی دوسری آنکھ بھی نکال لی۔وہ بھی کتے نے اچھل کر منہ میں لے لی۔

وہ ادھر ہی اندھا پڑا رہا۔بھائی واپس چلا گیا۔اور کاروان کو کوچ کرنے کا حکم دیا۔بیویوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ جب ہمارا شوہر آئے گا، تب ہم جائیں گے۔

اس کا بھائی کاروان اور مال ومتاع کو لے کر اپنے باپ کے پاس پہنچا۔اسے دو بیویوں اور پچاس اونٹوں کے ساتھ مال ومتاع لانے کا مژدہ سنایا۔باپ خوش ہوا۔کنیز بہت پریشان ہوگئی۔بادشاہ نے وزیر کو بلا کر کہا، میں نے نہیں کہا تھا کہ یہ خانوادہ بیوی کا بیٹا بہت قابل ہے، مگر تم نے کہا تھا کہ کنیز کا بیٹا زیادہ لائق ہے۔وزیر نے جواب دیا، بادشاہ سلامت !صبر سے کام لیں، شاید کنیز کا بیٹا اس سے بھی زیادہ مال ومتاع لے آئے۔

دونوں بیویاں مزدوروں کے ساتھ شہر کے بیرونی حصے میں رہنے لگیں، اور عہد کیا کہ ہم شہر کبھی نہیں جائیں گی، جب تک ہمارا شوہر نہ آئے۔

اُدھر کنیز کا بیٹا اندھا ہو کر پڑا رہا۔کتے نے اس کے ہاتھ کو پکڑا اور اسے کھینچتا ہوا کسی چشمے کے کنارے پہنچا۔اس نے وہاں جی بھر کر پانی پی لیا۔اس نے کتے سے کہا کہ میری آنکھیں ڈھونڈ لاؤ، میرے پاس دوائی ہے۔کتے نے اپنا منہ اس کے ہاتھ کے قریب کر دیا۔اس نے کتے کے منہ سے اپنی آنکھوں کے ڈھیلے نکال کر آنکھوں کے خانوں میں رکھ دیے اور دوائی ڈال دی۔

کنیز کے بیٹے کی دونوں آنکھیں ٹھیک ہوگئیں۔اس نے اِدھر اُدھر تلاش کیا۔ نظریں دوڑائیں مگر اسے نہ قافلہ نظر آیا اور نہ ہی مال ومتاع۔وہ سمجھ گیا کہ یہ سب اس کے بھائی کی کارستانی ہے۔

وہ چلتے چلتے اپنے شہر پہنچا۔سیدھا وزیر کے پاس گیا۔کیوں کہ پورے شہر میں صرف وزیر کا دل ہی اس کے لیے بے قرار اور پریشان تھا۔وزیر نے اس سے کہا کہ یہ تم نے کیا گل کھلایا کہ اکیلے چلے آرہے ہو، جب کہ تمہارا دوسرا بھائی دو بیویوں اور مال و دولت سے لدے پورے قافلے کے ساتھ آیا ہے۔اس نے وزیر کو اپنے بھائی کی دغابازی کا پورا ماجرا سنایا۔

کنیز کے بیٹے نے ایک خط لکھ کر وزیر کے حوالے کر دیا کہ اسے بادشاہ تک پہنچاؤ۔ اس کو بتانا کہ میں فلاں ملک کا بادشاہ ہوں، میری دو بیویاں، اتنے مال و دولت کے ساتھ تمہارا بیٹا چرا کر لے آیا ہے۔میرا مال و دولت اور بیویاں واپس کر دو، ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔

وزیر نے خط بادشاہ کو پہنچایا۔بادشاہ چٹھی پڑھ کر بہت پریشان ہو گیا۔اس کے اوسان خطا ہو گئے۔اس نے اپنے بیٹے کو بلوایا۔بیٹے نے کہا، ابا یہ مال و دولت اور بیویاں واقعی میری نہیں ہیں، میں نے راستے سے ان کو اٹھا لیا ہے۔بادشاہ باہر نکل گیا۔کنیز کا بیٹا اپنا پورا قافلہ واپس لے کر شہر کے بیرونی حصے میں اپنی بیویوں کے پاس چلا گیا اور ان کے ساتھ رہنے لگا۔بادشاہ، وزیر، قاضی، وکیل سب جمع ہو گئے اور اس کے پاس معافی مانگنے چلے گئے۔

تب کنیز کے بیٹے نے انھیں اپنی پوری کہانی سنائی کہ میں نے تکلیفیں اٹھائیں، محنت کی ہے،عیش وآرام نہیں کیا ہے۔تب میں نے اتنا مال و دولت اکٹھا کیا ہے۔کنیز کے بیٹے نے تب بادشاہ سے کہا، میں جیت گیا ہوں۔اب آپ کے اپنے قول کے مطابق بادشاہت میرا حق ہے۔اور آپ اب زندگی کے باقی دن آرام سے بیٹھ کر گزاریں۔

بادشاہ نے کنیز کے بیٹے کو تخت پر بٹھایا۔اس نے بادشاہ بنتے ہی اونٹوں پر لدے ہوئے تمام خزانے اور مال وزر کو لوگوں میں تقسیم کر دیا۔

سب لوگ خوش ہو گئے۔ اس نے اپنے سوتیلے بھائی سے کہا کہ کوئی کام کرو یا اونٹوں کو چراؤ۔ یوں کنیز کا بیٹا بادشاہ بنا اور اس کا سوتیلا بھائی گلہ بان۔

رعایا خوشی سے باغ باغ ہو گئی۔ ہر طرف خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔

بادشاہ، جس کے چہرے پر پھوڑا نکلا

ایک بادشاہ تھا جس کے چہرے پر پھوڑا نکلا۔ بہت سارے طبیبوں نے علاج کیا، مگر ٹھیک نہ ہوا۔

ایک روز ایک طبیب آیا اور بادشاہ سے کہا کہ تم ایک لڑکا خرید و اور اس کو ذبح کرو۔ اس کا جگر ے کا پھوڑے او پر لگاؤ، تب یہ ٹھیک ہو جائے گا۔

بادشاہ نے سارے ملک میں اعلان کیا۔

ایک غریب بھوکے آدمی نے اپنا بیٹا لا کر بادشاہ کے ہاتھ فروخت کر دیا، اور رقم لے کر چلا گیا۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ لڑکے کو لے جا کر کوٹھی میں بند کر دیا جائے۔

بادشاہ کے نوکروں نے لڑکے کو جا کر بند کر دیا۔

بادشاہ دل میں پریشان ہونے لگا کہ لڑکا سمجھ دار معلوم ہوتا ہے۔ اگر اس کو ذبح کرنے لگیں تو وہ ضرور روئے گا۔

بادشاہ کے نوکر نے آ کر بتایا کہ لڑکا بالکل نہیں رو رہا بلکہ زمین پر تین لکیریں کھینچتا ہے؛ دو مٹا دیتا ہے اور تیسری رہنے دیتا ہے۔

بادشاہ خود لڑکے سے پوچھنے کے لیے آیا کہ تم کیوں لکیریں کھینچ رہے ہو۔

لڑکے نے جواب دیا کہ جناب میں کھیل رہا ہوں۔

بادشاہ نے کہا مجھے پوری بات بتاؤ۔

لڑکے نے جواب دیا، ایک لکیر میرے ماں باپ کے لیے ہے جنھوں نے مجھے آپ کے پاس لا کر بیچ دیا اور قیمت لے کر چلے گئے۔ دوسری لکیر آپ کے لیے ہے۔ آپ ملک کے

بادشاہ ہیں پھر بھی میرا خون بہانے سے نہیں ڈرتے اور مجھے مار ڈالنے کے لیے خریدا ہے۔ ایک لکیر میرے خدا کے لیے ہے۔ نہ مجھے ماں باپ سے کوئی اُمید اور نہ بادشاہ آپ سے کوئی اُمید۔ بس اللہ سے اُمید ہے اور کسی سے نہیں۔

بادشاہ اس پر مہربان ہوا اور اسے رہا کر دیا اور کہہ دیا کہ میں نے جتنی رقم دی تھی تمہارے ماں باپ کو، بخش دیتا ہوں۔

بادشاہ رات کو سو گیا۔ جب صبح اٹھا تو اللہ کی مہربانی سے اس کے چہرے پر پھوڑا ابھی غائب ہو گیا تھا۔

بادشاہ کی بیٹی اور ایک شخص جو رات بھر پانی میں کھڑا رہا!

ایک بادشاہ تھا۔ اس کی ایک بیٹی تھی۔ بادشاہ کہتا تھا کہ بیٹی کی شادی ایسے شخص سے کر دوں گا جو سرد رات میں کپڑے اتار کر دریا کے ٹھنڈے پانی میں کھڑا رہے اور صبح زندہ بچ کر آجائے۔ اگر مر گیا تو اپنی بلا سے۔

بہت سارے لوگ مر کھپ گئے۔

مگر ایک دفعہ ایک آدمی ایسا آیا جو زندہ بچ گیا۔

بادشاہ نے پوچھا، اتنے سارے لوگ مر گئے، تم کس طرح بچ کر آ گئے ہو؟

آدمی نے بتایا جناب دور پہاڑ کی چاٹی پر آگ جل رہی تھی اور میں نے اپنا دھیان اس آگ پر رکھا تھا، اسی لیے زندہ بچ کر آیا۔

بادشاہ نے کہا الزام لگایا کہ، تمھیں اس کو آگ کی گرمی لگ گئی ہوگی، اس لیے تم بچ گئے۔

آدمی نے کہا بادشاہ سلامت، میں تو بیچ دریا کے پانی میں کھڑا تھا اور آگ دور پہاڑ کی چوٹی پر چل رہی تھی۔ اس کی گرمی مجھ تک کیسے پہنچتی۔ آپ زور آور ہیں جو چاہیں کریں۔ میرا انصاف خدا خود کرے گا۔

بادشاہ نے اسے جواب دے دیا۔

وہ شخص واپس چلا گیا۔

بادشاہ کی بیٹی نے یہ ساری روداد سنی۔

بادشاہ گھر میں آیا۔ بیٹی سے کہا کھانا لادو۔

بیٹی نے کہا، ابھی کھانا تیار نہیں ہوا۔

تھوڑی دیر بعد بادشاہ نے پھر کھانا مانگا تو بیٹی نے بتایا ابھی تک نہیں پکا۔

تیسری بار بادشاہ نے جب کھانا لانے کو کہا تو بیٹی نے کہا بادشاہ سلامت توا چھت پر رکھا ہے اور آگ نیچے گھر میں جل رہی ہے۔ توا گرم ہو جائے تو روٹیاں پکاؤں گی۔

بادشاہ نے کہا یہ کیا مذاق ہے۔ توا مکان کی چھت پر ہے، آگ نیچے آنگن میں جلائی ہے۔ توا کس طرح گرم ہوگا۔

بیٹی نے کہا کہ جیسے وہ شخص دریا میں کھڑا تھا اور آگ دور پہاڑ پر جل رہی تھی نی اس کو آگ کی گرمی پہنچتی رہی۔

بادشاہ حیران رہ گیا۔

بیٹی نے اس سے کہا، آپ بادشاہ ہیں۔ بادشاہوں کی بات ایک ہوتی ہے۔ آپ نے اپنے منہ سے، اپنی زبان سے وعدہ کیا ہے، اب کیوں پھر گئے ہیں۔ ایسی نہ انصافی نہ کریں۔ اللہ سے ڈریں۔

بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ بادشاہ نے کہا، بس بیٹی تو نے مجھے ناانصافی سے بچالیا۔

پھر بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی اس آدمی سے کردی۔

ڈیرہ غازی خان اور شکار پور کے پہلوان

دو پہلوان تھے؛ ایک شکار پور میں رہتا تھا اور دوسرا ڈیرہ غازی خان میں۔ شکار پور کا پہلوان ڈیرہ غازی خان میں رہنے والے پہلوان سے مقابلہ کرنے روانہ ہوا۔ ڈیرہ غازی خان پہنچ کر اس کا پتہ لگایا کہ پہلوان کہاں رہتا ہے۔ کسی نے پتہ دیا اور وہ اس کے گھر پہنچ گیا۔

اس کی بیوی سے پوچھا، تمہارا شوہر کہاں ہے۔ پہلوان کی بیوی نے بتایا میرا شوہر لکڑیاں کاٹنے گیا ہوا ہے۔

پھر اپنی بیٹی سے کہنے لگی گھر میں جو مُردہ چوہا پڑا ہے، کسی چیز سے اس کو اٹھا کر باہر پھینک دو تا کہ گھر میں اس کی بدبُو نہ پھیلے۔

بیٹی گھر کے اندر گئی اور تھوڑی دیر کے بعد ایک بہت بھاری نیزے پر چوہے کو اٹھا لائی اور پھینک دیا۔

شکار پور کا پہلوان دیکھ رہا تھا۔ اس نے دل میں سوچا اگر بیٹی اتنی طاقت ور ہے تو خود پہلوان کیا بلا ہوگا۔ میں چل کر اسے وہیں دیکھ لوں اور وہیں پر اس سے کُشتی لڑوں گا تا کہ کسی کو پتہ نا چلے۔

پھر اس کی لڑکی سے پوچھا، تیرا باپ لکڑیاں کاٹنے کس طرف گیا ہے؟

لڑکی نے بتایا، مغرب کی سمت۔

شکار پور کا پہلوان وہاں سے چلا اور جا کر ڈیرہ غازی خان کے پہلوان کو ڈھونڈ نکالا۔ اس نے دیکھا کہ وہ لکڑیاں ریڑھی میں ڈالے آ رہا ہے۔ اس نے جا کر پیچھے سے ریڑھی کو پکڑ لیا اور اسے الٹ دیا۔

اُس نے پوچھا، تم کون ہو؟

اِس نے اپنا قصہ کیا اور کہا، آ' شہر چلیں' وہیں لڑتے ہیں۔

دوسرے نے کہا، نہیں، یہیں لڑتے ہیں۔

اس نے کہا، یہاں ہمارا کوئی گواہ نہیں ہے۔

اتنے میں ایک بُڑھیا اپنے بیٹے کے لیے سر پر دستر خواں میں روٹیاں لے کر جاتی ہوئی نظر آئی۔ اس کا بیٹا اس جنگل میں اونٹ چراتا تھا۔

پہلوانوں نے بڑھیا کو روکا اور بتایا کے ہم دونوں کشتی لڑیں گے، تم ہماری گواہ رہنا۔

بڑھیا نے کہا، میرا بیٹا روٹی کے لیے میرے انتظار میں بیٹھا ہوگا اور مجھے دیر ہو جائے گی۔ تم لوگ اس زمین کا حصہ اٹھا کر میری ہتھیلی پر رکھ دو اور اس پر تم دونوں کشتی لڑتے رہو۔ میں چلتی جاؤں گی، اور گواہ رہوں گی۔

پہلوانوں نے زمین کا ایک بڑا ٹکڑا اکھاڑ کر بڑھیاں کی ہتھیلی پر رکھ دیا اور اس پر لڑنے لگے۔ بڑھیا چلتی رہی۔ دور سے بڑھیا کے بیٹے نے جو اونٹوں کا گلہ بان تھا دیکھا تو سوچنے لگا روز میری ماں اکیلی آتی تھی، یہ اس کے ہاتھ پر میں یہ کیا مصیبت دیکھ رہا ہوں۔ وہ ڈرنے لگا کہ کہیں یہ لوگ میرے اونٹ بھگا کر نہ لے جائیں۔ اس نے اپنی چادر پھیلا دی، اور اونٹوں کو پکڑ پکڑ کر اس میں ڈالتا گیا۔ اس طرح تمام اونٹ چادر میں ڈال دیے۔ پھر اس کے پلو باندھ کر اپنے سر پر اٹھایا اور بھاگنے لگا۔ ایک اونٹ کے بچے کا کان چادر کے کسی کونے سے باہر نکلا ہوا تھا اور دکھائی دے رہا تھا۔ اوپر سے ایک باز نے حملہ کر کے چادر اونٹوں سمیت اڑا لی۔

بادشاہ کی بیٹی محل کے اوپر بیٹھی آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اتنے میں وہ چادر جس میں اونٹ بندھے تھے، باز کے چنگل سے چھوٹی اور شہزادی کی آنکھ میں جا گری۔ شہزادی نے اپنی کنیز کو آواز دی کہ آؤ میری آنکھ میں تنکا یا میل گر گئی ہے، اسے نکال دو۔

جب کنیز نے شہزادی کی آنکھ کھول کر دیکھی تو اسے اس میں اونٹوں کا پورا گلہ چرتا ہوا نظر آیا۔ کنیز خاموشی سے ایک ایک اونٹ پکڑ کر اپنے نیفے میں چھپاتی رہی۔ جب آخری شتر بچہ اس نے پکڑ کر باہر نکالا تو شہزادی کو دکھایا کہ تمہاری آنکھ سے اونٹ کا بچہ نکلا ہے۔ شہزادی نے کہا یہ تمہارا انعام ہے، تم رکھ لو۔ اس طرح اونٹوں کا سارا گلہ کنیز کا ہو گیا۔

دانا لڑکا

ایک بادشاہ تھا؛اس کی تین بیویاں تھیں۔

ایک دن وہ ایک بیوی سے باراض ہو گیا۔ بادشاہ نے کہا کہ اب میں تمھیں اپنی بیوی نہیں رکھتا۔

حکم دیا کہ اسے باہر نکال دیا جائے۔

بیوی کو شہر سے نکال کر کسی جنگل میں ڈال دیا گیا تا کہ وہ خود محنت مزدوری کر کے کمائے اور کھائے۔

کچھ دنوں کے بعد اس کے بیٹا بھی ہوا۔

جب بیٹا جوان ہوا تو اس نے اپنی ماں سے پوچھا کہ میرا باپ کدھر ہے؟

ماں نے بتایا کہ فلاح بادشاہ تمہارا باپ ہے۔اور پھر سارا قصہ اسے بتادیا۔

بیٹے نے اپنی ماں سے کہا کہ اب ہم راستے بنا لیں گے۔مزدوری کریں گے اور یہیں پر رہیں گے۔

اسی وقت بادشاہ نے ملک میں منادی کروائی کہ ایسا کاری گر مل جائے جو آسمان اور زمین کے درمیان میرے لیے محل بنا سکے۔

بیٹے نے اپنی ماں سے کہا کہ بادشاہ کا دماغ پھر گیا ہے۔میں جا کر اس سے کچھ پیسے اس سے بٹور کے آتا ہوں۔

لڑکا گیا بادشاہ کے پاس،اور کہا کہ مجھے پیسہ دے دیں،آپ کے لیے محل بنا تا ہوں۔

بادشاہ نے کچھ رقم اس کو دے دی۔

لڑکے نے کہا کہ آپ ایک مہینے میں محل کے لیے سامان اکٹھا کر لیں، پھر میں آ کر

آپ کو محل بنا کر دوں گا۔

لڑکا گھوم پھر کر اپنی ماں کے پاس آیا۔

لڑکے کا کام اب یہ تھا کہ اس راستے سے جو گزرتا، یہ اس ساتھ ساتھ چلتا۔ اس سے باتیں کرتا اور مڑ کر اپنے گھر واپس آجاتا۔

بس یہی کام تھا اس کا اور کوئی کام نہیں کرتا تھا۔

ایک دن کوئی اور بادشاہ سیر کے لیے اس کی طرف آنکلا۔

اُس نے لڑکے کو بھی اپنے ساتھ لے لیا۔ لڑکا بھی اس کے ساتھ ہو گیا۔

تھوڑی دور تک اس کے ساتھ چلنے لگا۔ جب بادشاہ واپس گھر جانے لگا تو لڑکا کچھ دور اس کے ساتھ ساتھ گیا۔ پھر کہا، اب واپس گھر جاؤں گا۔

بادشاہ نے لڑکے سے کہا، چلو آج رات میرے ساتھ۔

لڑکا بادشاہ کے ساتھ چلا گیا۔

راستے میں رات پڑ گئی۔

لڑکے نے بادشاہ سے کہا کہ اس جنگل میں گھوڑیاں ہیں، جو چر رہی ہیں۔ چلیں دو پکڑ لیتے ہیں، اور ان پر سوار ہو کر گھر جاتے ہیں۔

بادشاہ نے کہا، یہاں کوئی گھوڑی نہیں ہے۔

پھر وہ آگے چلتے گئے۔

لڑکے نے بادشاہ سے کہا کچھ دیر تم مجھے اٹھا لو اور کچھ دیر کے لیے میں تمھیں اٹھاؤں گا۔

بادشاہ نے کہا نہ تم مجھے اٹھا کر چل سکتے ہو، نہ میں تمھیں۔

پھر جب بادشاہ کا گھر نزدیک ہوا، لڑکے نے بادشاہ سے پوچھا کہ تمہارے مہمانوں کے لیے جگہ تمہارے گھر سے قریب ہے یا دور؟

بادشاہ نے کہا، میرے مہمانوں کے لیے جگہ گھر کے قریب ہے۔

جب گھر قریب آ گیا تو لڑکا نے کہا، میں یہاں رُک جاتا ہوں، تم جاؤ مہمان خانے میں اور وہاں سے مجھے آواز دو، تب میں آجاؤں گا۔

بادشاہ گیا مہمان خانہ میں اور وہاں سے اس نے آواز دی۔

لڑکا مہمان خانہ میں آ کر بیٹھ گیا۔ بادشاہ گھر کے اندر چلا گیا۔

بادشاہ کی سمجھ دار لڑکی تھی۔ اس نے اپنے باپ سے کہا ہوا تھا کہ میں اپنی پسند کے آدمی سے شادی کروں گی۔

جب بادشاہ گھر پہنچا تو بیٹی نے باپ سے پوچھا کہ آپ کے ساتھ کون بات کر رہا تھا؟

بادشاہ نے کہا، ایک پاگل سا لڑکا ہے۔

بیٹی نے کہا، کس طرح پاگل ہے؟

باپ نے کہا، راستے میں مجھے ملا۔ میرا ساتھی بن گیا۔ ایک جگہ جب ہم آئے تو اس نے کہا جنگل میں گھوڑیاں چر رہی ہیں، چلو دو پکڑ لیتے ہیں اور ان پر سوار ہوتے ہیں۔ میں نے کہا یہاں کوئی گھوڑی نہیں ہے۔ پھر اس نے کہا یا تم مجھے اٹھا کر چلو یا میں تمھیں اٹھا کر چلتا ہوں۔ میں نے اسے کہا نہ تم مجھے اٹھا کر چل سکتے ہو نہ میں۔ پھر آگے جا کر اس نے کہا میں یہاں پر رک جاتا ہوں تم مہمانوں کی جگہ پر پہنچ کر مجھے آواز دو۔ میں نے جا کر آواز دی، تب وہ مہمان خانے میں آیا۔ میں اس سے باتیں کر رہا تھا۔

بیٹی نے باپ سے کہا، میں اسی سے شادی کروں گی۔

باپ نے کہا، یہ تو پاگل ہے اور میں بادشاہ ہوں۔ میری عزت کا خیال رکھو۔ اس سے شادی مت کرو۔

بیٹی نے کہا، اسی سے شادی کروں گی۔ جب اس نے آپ سے کہا کہ گھوڑیاں چر رہی ہیں؛ اس کا مطلب یہ تھا کہ دو لاٹھیاں کاٹ کر ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ رات کا وقت ہے۔ یہ

لاٹھیاں ہتھیار کام دیں گی۔اور پھر جب اس نے آپ کو کہا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ تھوڑی دیر آپ کوئی کہانی سنائیں اور پھر میں سناؤں گا۔ یہاں جب اس نے کہا کہ آپ پہلے مجھے جا کر آواز دیں مہمان خانے سے تو اس کا مطلب یہ تھا کہ گھر کے لوگوں کو پتہ چلے کہ بادشاہ پہنچ گئے ہیں، کیوں کہ آپ خاموشی سے گھر آجائیں تو اچھا نہیں ہے۔اگر آپ کسی کو گھر میں دیکھیں اور اس کو مار ڈالیں تو آپ بدنام ہو جائیں گے اور اگر اس کو چھوڑ دیں گے تو بھی آپ کی بدنامی ہو گی۔

بادشاہ اس کی ذہانت سے متاثر ہوا۔ پھر بادشاہ نے صبح اپنی بیٹی کی شادی اسی لڑکے سے کر دی۔

لڑکے نے کہا، اب میں واپس اپنے گھر جاتا ہوں۔

بادشاہ نے اپنی بیٹی کو جہیز میں ایک باز بھی دے دیا۔

لڑکے نے اپنی بیوی کو ساتھ لیا۔اپنے گھر آیا اور اپنی ماں کے پاس رہنے لگا۔

رات کو سو گیا۔صبح اس نے اپنی ماں سے کہا، میں جاتا ہوں بادشاہ کو محل بنا کر دیتا ہوں۔

بادشاہ کے پاس پہنچ گیا اور اس پوچھا کہ آپ نے ہر چیز جمع کر دی ہے؟

بادشاہ نے کہا ہم نے تمام چیز اکٹھی کر کے رکھی ہیں۔

اس نے کہا میں کاری گر بھی ساتھ لایا ہوں۔ پھر اس نے باز کو چھوڑ دیا۔

باز اڑ کر اوپر آسمان میں جا کر رک گیا۔

پھر اس نے بادشاہ سے کہا، ایسا آدمی کوئی ہے جس نے کبھی گناہ نہ کیا ہو؟ ایسا آدمی ہو اور وہی ایک اینٹ اٹھا کر باز کو دے دے، تب میں محل بنانا شروع کروں گا۔

بادشاہ نے اعلان کرا دیا لوگوں میں کہ ایسا آدمی جس نے کبھی گناہ نہیں کیا، وہ آ کر محل پہلی اینٹ باز کو دے دے۔

سب نے کہا، ہم نے گناہ کیے ہیں۔

تب لڑکے نے کہا، آپ ملک کے بادشاہ ہیں۔آپ سوچیں شاید آپ نے کوئی گناہ

نہ کیا ہو۔

بادشاہ نے کہا، میں نے بھی گناہ کیا ہے۔

لڑکے نے کہا کہ جب میری ماں نے جب معمولی گناہ کیا، آپ نے اسے گھر سے کیوں نکال دیا، جب کہ پورا ملک گنہ گار ہے تو کیا سب کو ملک سے نکال دیں گے؟

بادشاہ حیران رہ گیا۔ تب لڑکے نے اسے ساری کہانی سنائی۔

بادشاہ نے لڑکے کو گلے لگایا اور کہا کے تم میرے بیٹے ہو، جاؤ اپنی ماں کو لے آؤ۔

لڑکا جا کر اپنی ماں اور اپنی بیوی کو لے آیا۔

بادشاہ نے اپنی بادشاہی بھی اپنے بیٹے کو دے دی۔

چرواہا جو بادشاہ بنا!

ایک بادشاہ تھا۔ ایک دن وہ اپنے سپاہیوں کے ساتھ شکار کو نکلا۔

ایک جگہ آئے تو بادشاہ نے حکم دیا کہ جس کے سامنے ہرن ہو، وہی اس کا پیچھا کر کے شکار کرے اور کوئی نہ جائے۔

اللہ کا کرنا کیا ہوا کہ بادشاہ کے اپنے سامنے ایک ہرن ظاہر ہوا۔

ہرن چوکڑیاں بھرنے لگا اور بادشاہ بھی اس کا پیچھا کرنے لگا۔ دوسرا کوئی نہیں گیا۔

بادشاہ کا وزیر دور سے پیچھے پیچھے چلتا گیا کہ میں بادشاہ کی حفاظت کروں۔

ہرن دوڑتا ہوا کسی ریوڑ میں جا گھسا۔ بادشاہ بھی اس کے پیچھے تھا۔

گڈریے نے دیکھا تو اس نے اپنی کلہاڑی سے وار کیا۔ کلہاڑی بادشاہ کے سر پر لگی۔ بادشاہ گھوڑی سے نیچے گرا اور مر گیا۔

اس کے بعد وزیر پہنچا۔ اس نے گڈریے سے کہا، تم نے تو بادشاہ کو مار ڈالا ہے۔

گڈریے نے کہا، مجھے بادشاہ کا کیا پتہ تھا۔ میرے ریوڑ میں گھس آیا تھا اور بکریوں کو ڈرا رہا تھا، میں نے اس لیے کلہاڑا دے ماری اور وہ مر گیا۔ اب جو حکم آپ کا ہو، ویسے ہی کروں گا۔

وزیر نے کہا، اچھا اب قبر کھودو، بادشاہ کو گاڑ دیں گے۔

گڈریے نے زمین کھودی۔ بادشاہ کا لباس انھوں نے اتارا اور ہتھیار بھی۔ وزیر نے بادشاہ کا لباس اور ہتھیار اس گڈریے کو پہنا دیے۔ بادشاہ کو وہیں دفنایا۔

پھر وزیر نے کہا، اب بادشاہ تم ہو، چلو بادشاہ کی جگہ۔

گڈریے نے اپنا منہ ڈھانپ لیا۔ سپاہیوں کے پاس جب پہنچے تو وزیر نے سپاہیوں سے کہا کہ بادشاہ کی طبیعت ناساز ہے، اس کو بخار ہے۔ تم لوگ اب جاؤ میں بادشاہ کو خود گھر پہنچاتا ہوں۔

بادشاہ کی دو بیویاں تھیں۔ وزیر نے بادشاہ کی بیگموں سے کہا کہ تم لوگوں کا پہلا شوہر مر گیا ہے، اب یہ شخص تم لوگوں کا شوہر ہے۔

بیویوں نے کہا ٹھیک ہے، یہ شخص ہمیں منظور ہے۔

وزیر نے اب گڈریے سے کہا کہ تم گھر میں بیٹھے ہو اور باہر مت نکلو۔ بادشاہ تم ہو۔ مگر دربار میں لگاؤں گا اور انصاف بھی کروں گا۔

وہ شخص چند روز تو گھر سے باہر نہیں نکلا۔ ایک روز اس نے سوچا کہ بادشاہ ہوں، ذرا باہر جا کر کچہری میں دیکھوں کہ عدالت کیسے لگتی ہے اور انصاف کس طرح کیا جا رہا ہے۔

وہ جب آیا تو اس دیکھا کہ وزیر تخت پر بیٹھا ہے۔ اُس نے بھی چاہا کہ میں وزیر کے پاس ہی تخت پر بیٹھوں۔

وزیر نے کہا دور ہٹ جاؤ، تم تو گڈریے ہو۔ تمھاری عقل تو گڈریے کی ہے۔

چنانچہ گڈریا واپس گھر چلا گیا۔

دوسرے دن پھر آیا۔ دیکھا کہ وزیر تخت پر بیٹھا ہے۔ وزیر نے پھر کہا کہ جاؤ تو وہ پھر واپس گھر چلا گیا۔

تیسرے دن پھر آیا۔ وزیر نے پھر ویسے ہی کہا تو گڈریے نے وزیر کو مارا۔ گھسیٹ کر

تخت سے نیچے اتارا اور شہر سے باہر نکال دیا۔

وزیر تو چلا گیا اور گڈریا اب بادشاہی کرنے لگا تخت پر بیٹھ کر۔

وزیر کو بھوک پیاس لگی تو وہ دریا کے کنارے جا کر بیٹھ گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک پھول پانی میں بہتا ہوا آ رہا ہے۔ اس نے ہاتھ بڑا کر پھول کو پانی سے اٹھا لیا۔ اس نے دیکھا کہ یہ پھول تو بہشت کا معلوم ہوتا ہے۔ اس نے سوچا یہ جا کر بادشاہ کو دے دوں گا، شاید وہ مجھ سے خوش ہو جائے۔

اس نے پھول جا کر بادشاہ کو دیا۔ بادشاہ نے گھر جا کر پھول اپنی بیوی کو دیا۔

اس کی دونوں بیویاں آپس میں لڑ پڑیں۔ ہر ایک نے کہا پھول مجھے دے دو۔ بادشاہ نے وزیر سے کہا کہ صبح اس طرح کا ایک اور پھول مجھے لا دو، ورنہ تمھیں دریا میں پھینک دوں گا۔

وزیر واپس جا کر دریا کے کنارے بیٹھ گیا۔ اب دوسرا پھول کہاں سے اُسے ملتا۔ وہ سارا دن ادھر بیٹھا رہا، رات بھی وہیں گزاری۔ جب صبح ہوئی تو وزیر نے سوچا اب واپس تو جا نہیں سکتا۔ اگر جاؤں تو بادشاہ مجھے دریا میں ڈال دے گا۔ تو کیوں نہ میں خود دریا میں کود جاؤں۔

وزیر نے دریا میں چھلانگ لگا دی۔ اس نے پانی کے اندر دیکھا کہ بڑے بڑے باغ ہیں۔ آگے بڑھا تو دیکھا کہ شہر اور قلعے بنے ہوئے ہیں۔ وہ قلعے کے اندر چلا گیا۔ سبحان اللہ وہاں تو پیغمبر صاحب کچہری لگائے بیٹھے ہیں اور وہ جو گڈریے سے بادشاہ بن گیا تھا، وہیں بیٹھے حضور کے آگے پنکھا جھل رہا ہے۔ وزیر نے واپس جاتے وقت پھولوں سے ایک ٹوکرا بھر کر ساتھ لیا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں اور تھوڑی دیر بعد جب آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ وہ دریا کے کنارے کھڑا تھا۔ پھولوں کا ٹوکرا لے کر وہ بادشاہ کے پاس پہنچا اور اسے پیش کیے۔

بادشاہ نے پوچھا کہاں سے لائے ہو۔

وزیر نے سارا حال بتا دیا۔

بادشاہ نے کہا کہ وہاں کسی کو پہچان لیا تم نے؟

وزیر نے کہا ہاں جناب، آپ کو میں نے پہچان لیا۔

بادشاہ نے پوچھا میں کہا تھا؟

وزیر نے کہا آپ نبی حضور کے سامنے پنکھا ہلا رہے تھے۔

بادشاہ نے کہا اب مجھے پھر گڈریا نہ بناؤ۔ بادشاہی مجھے اللہ نے دی ہے۔ تم آ کر اپنی جگہ پر دوبارہ وزیر بنو۔ بادشاہی میں کروں گا۔

چنانچہ گڈریا بادشاہ رہا اور وزیر پھر وزیری کرنے لگا۔

شہزادہ، وزیر، کوتوال اور غلام

ایک تھا بادشاہ۔ اس کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ ایک روز کسی فقیر نے دعا کی اور اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔ جب بادشاہ کا بیٹا بڑا ہوا تو اس نے ایک غلیل بنوائی اور کھیلنے لگا۔ روزانہ عورتیں پانی بھرنے آتیں تو شہزادہ غلیل سے ان کے گھڑے پھوڑ دیتا۔ لوگ جمع ہو گئے اور بادشاہ کے پاس فریاد کرنے لگے کہ تمہارا بیٹا روزانہ غلیل سے ہمارے مٹکے پھوڑ دیتا ہے۔ بادشاہ نے لوہار کو حکم دیا کہ جس کا مٹکا ٹوٹ جائے تو اسے لوہے کا گھڑا بنا کر دے۔ اس طرح لوگوں کے پاس اب لوہے کے گھڑے ہو گئے۔ مگر شہزادے نے بھی اپنی غلیل کے تیر فولاد کے کر لیے، جب عورتیں پانی بھرنے آئیں تو شہزادے نے پھر غلیل کا نشانہ بنایا، اور گھڑے پھر پھوٹ گئے۔

لوگ اب پھر بادشاہ کے پاس گئے اور فریاد کی کہ یا اپنے بیٹے کو رکھو یا راج کو۔ بادشاہ نے کہا تم لوگ کل پھر آجاؤ۔ میں سوچوں گا اور تمھیں جواب دوں گا۔ دوسری صبح لوگ بادشاہ کے پاس آئے۔ بادشاہ نے جواب دیا کہ میں اپنے بیٹے کو یہاں سے باہر بھیجتا ہوں مگر رعایا کو ناراض نہیں کروں گا۔ کنیز سے کہہ دیا کہ جب میرے بیٹے کو کھانا دو تو اس کے جوتے الٹے رکھو۔

کنیز نے کھانا جا کر شہزادے کو کھلایا اور اور اس کے جوتے الٹے رکھے۔ شہزادے نے جب کھانا کھا لیا اور اٹھا تو دیکھا میرے جوتے الٹے رکھے ہوئے ہیں۔ وہ سمجھ گیا کہ باپ نے مجھے جانے کو کہہ دیا ہے۔ شہزادے کی وزیر کے بیٹے سے دوستی تھی۔ اس کے پاس گیا کہ تم سے ملنے آیا ہوں، میرے باپ نے مجھے نکال دیا ہے۔ وزیر کے بیٹے نے کہا کہ کوتوال کا بیٹا میرا دوست ہے، اس سے ملتا جاؤں۔

دونوں آ گئے کوتوال کے بیٹے کے پاس۔ اس کو بتایا تو اس نے کہا میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ مگر میرا دوست ہے ایک غلام زادہ، اس کو لے کر آتا ہوں۔

وہ سب غلام زادہ کے پاس گئے تو وہ بھی ساتھ ہو گیا۔ اب یہ چاروں چل پڑے۔

کسی دریا کے کنارے رات پڑ گئی تو انھوں نے غلام کے بیٹے سے کہا تم جا کر پانی بھر کر لاؤ، ہم لوگ کھانا پکائیں گے۔ جب وہ پانی لانے گیا تو ایک مگرمچھ نے غلام کے بیٹے کو پکڑ لیا اور اسے ہڑپ کر لیا۔

اُدھر صبح ہوئی تو یہ تینوں پھر چل پڑے۔ ایک جنگل میں رات پڑ گئی۔ کوتوال کے بیٹے سے کہا گیا جاؤ لکڑیاں چن کر لاؤ، کھانا پکائیں گے۔ وہ جب لکڑیاں لانے گیا تو ایک شیر نے اسے پکڑ کر کھا لیا۔

اب شہزادہ اور وزیر کا بیٹا رہ گئے۔ وہ کسی اور شہر میں پہنچے۔ وزیر کے بیٹے نے کہا، شہزادے تم یہیں بیٹھو، میں جا کر کچھ کھانا خرید کر لاتا ہو۔ وہ بازار گیا اس نے آٹا خریدا۔ گھی بھی خریدا۔ پھر سوچا گوشت بھی خریدوں تو قصائی کی دکان پر گیا اور گوشت مانگا۔ قصائی نے کہا آؤ، اندر آجاؤ، گوشت لے لو۔ جب وہ کوٹھی کے اندر آیا تو قصائی نے وزیر زادے کو پکڑ لیا اور باندھ دیا۔ قصائی کا طریقہ یہ تھا کہ روزانہ کسی شخص کو اس طرح پکڑ کر کاٹتا تھا اور بکریوں کے گوشت کے ساتھ اس کا گوشت بھی بیچتا تھا۔

جب کافی دیر تک وزیر نہ آیا تو بادشاہ زادہ شہر کی طرف روانہ ہوا۔ اس شہر کا بادشاہ مر چکا تھا اور اس کی اولاد نہ تھی۔ شہر کا دروازہ بند تھا اور اس پر یہ لکھا تھا کہ جس کے ہاتھوں یہ دروازہ کھل جائے گا، وہی شہر کا بادشاہ ہوگا۔ بادشاہ کے بیٹے نے بسم اللہ پڑھی اور دروازے کو دھکا دیا تو کھل گیا۔

بادشاہ کا بیٹا اندر چل کر تخت پر بیٹھا۔ بادشاہ بن گیا۔ لوگوں کو معلوم ہوا۔ وزیر کا بیٹا جو قصائی کے گھر میں قید تھا، اسے بھی معلوم ہوا۔ اس نے قصائی سے کہا مجھے ایک کپڑے کا ٹکڑا لادو، میں تمھیں ایک رومال بنا کر دوں گا، جسے تم جا کر نئے بادشاہ کو پیش کرو، وہ تمھیں بہت سارا انعام دے گا۔ قصائی نے اسے کپڑا لا کر دیا۔ وزیر کے بیٹے نے اس پر گل بوٹے بنائے اور

یہ شعر لکھے:

عجب رنگ دیدم سوادِ خدائی
چہار شخص رفتند بہر گدائی
یکے شیر خورد یکے خورد ماہی
یکے بندی خانہ یکے بادشاہی

قصائی یہ رومال لے جا کر بادشاہ کی خدمت میں گیا۔ بادشاہ نے پڑھا اور اسے کافی انعام دیا۔ اور اس رومال پر یہ شعر لکھ کر واپس کر دیا:

چہار شخص رفتند سہر گدائی
گھیتان شیر خور دو گھیتان خورد ماہی
گھیتان بند خانہ گھیتا نباد شاہی

قصائی بڑا خوش ہوا اور واپس آ کر وزیرزادے کو رومال دکھانے لگا۔ جب اس نے بادشاہ کے لکھے اشعار پڑھے تو اس نے پھر رومال پر یہ شعر لکھے۔

چہار شخص رفتند بہر گدائی
کوتوال شیر خورد و غلام خورد ماہی
وزیر بند خانہ ، بادشاہ بادشاہی

قصائی نے پھر جا کر رومال بادشاہ کو پیش کیا۔ جب بادشاہ پڑا تو سمجھ گیا کہ میرا ساتھی، وزیر کا بیٹا قید میں ہے۔ قصائی کو ساتھ لیا۔ گئے قصائی کے گھر۔ وزیر کو آزاد کر دیا اور بیس دوسرے آدمی بھی جو قصائی نے اپنے گھر میں قید کر رکھے تھے۔ اس کے بعد قصائی کے گھر کو آگ لگا دی جس میں قصائی اور اس کے خاندان کے سب لوگ جل کر مر گئے۔

بعد ازاں وزیرزادے کو اپنا وزیر مقرر کیا۔

بادشاہ اور چار چور

کسی بادشاہ کے چار چوکیدار تھے۔رات کو پہرہ دیتے تھے۔

ایک رات شہر میں چوری ہوگئی۔جس کی چوری ہوئی اس نے آ کر بادشاہ سے فریاد کی۔ بادشاہ نے ان چوکیداروں کو بلایا اور پوچھا،تم لوگوں نے کسی چور کو دیکھا۔رات کو جب پہرہ دے رہے تھے؟انھوں نے کہا،حضور ہم نے کسی کونہیں دیکھا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ان چاروں کو لے جا کر پھانسی دے دی جائے۔ چنانچہ ان چاروں کو لے جا کر پھانسی دے دی گئی۔

بادشاہ نے اپنے دل میں فیصلہ کرلیا کہ آج رات میں خود پہرہ دوں گا۔

اس نے بھیس بدلا اور رات کو گشت کرنے لگا۔اس نے دیکھا چار آدمی آرہے ہیں۔ بادشاہ نے اُن کو للکارا،تم لوگ کون ہو؟ انھوں نے کہا،ہم چور ہیں۔ پھر انھوں نے پوچھا تم کون ہو۔ بادشاہ نے جواب دیا، میں بھی چور ہوں۔ پھر انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ایک ساتھ چوری کریں گے۔

بادشاہ نے پوچھا،تم لوگوں نے پہلے اس شہر میں چوری کی تھی؟انھوں نے کہا،ہم نے ایک دفعہ پہلے بھی چوری کی ہے۔

تمھیں کسی نے دیکھا ہے؟

ہمیں کسی نے نہیں دیکھا۔ چوکیدار نے بھی نہیں دیکھا۔انھوں نے کہا ہم جادو جانتے ہیں۔اس لیے ہمیں کسی نے نہیں دیکھا۔

بادشاہ نے کہا،تم لوگ کیا جادو کرتے ہو۔

ایک آدمی نے کہا، جب میں چوکیدار کے پاس پہنچتا ہوں تو میں کھانستا ہوں اور چوکیدار اندھے ہوجاتے ہیں۔

دوسرے نے کہا کہ، میں اس طرح جادو جانتا ہوں کہ جب کسی بند دروازے کو ہاتھ لگاؤں تو وہ کھل جاتا ہے۔

تیسرے نے کہا کہ، میں اس طرح کا راز جانتا ہوں جب گیڈر آواز نکالتا ہے تو میں اس کی باتیں سمجھتا ہوں اور کُتا جب بھوکتا ہے تو بھی میں اس کی باتیں سمجھتا ہوں۔

چوتھے نے کہا، میرا یہ کمال ہے کہ اگر اندھیری رات کو میں کسی شخص کو دیکھوں تو دن کو وہ چاہے سو آدمیوں کے درمیان بیٹھا رہے، میں اس کو پہچان لوں گا۔

چوروں نے بادشاہ سے کہا، اب تم اپنا کمال بتاؤ؟ اب تو ہم ساتھی بن گئے ہیں نا۔

بادشاہ نے کہا، اگر میرے ساتھی پکڑے جائیں تو میں اپنے آپ کو بچالیتا ہوں۔ ساتھی پکڑے جاتے ہیں۔ جب بادشاہ ان کو پھانسی کے لیے بھیج دے، اگر میں اپنا سر ہلا دوں تو اُن کو کوئی پھانسی نہیں دیتا، وہ بھی چھوٹ جاتے ہیں۔

تب پانچوں آدمی ساتھی بن گئے اور چوری کے لیے نکلے۔

بادشاہ نے کہا، مجھے بادشاہ کے محل میں اس کا خزانہ کا پتہ ہے، چلیں خزانہ چرا لیتے ہیں۔

جب محل کے قریب آ گئے تو انھوں نے اپنے ساتھی سے کہا کہ اب چوکیدار اندھے ہو گئے۔ پھر دوسرے کو کہا کہ اب تم اپنا کمال دکھا دو اور دروازہ کھول دو۔

اس آدمی نے ہاتھ دروازے پر رکھا، بسم اللہ پڑھا دروازہ کھل گیا۔ جب گیڈر نے آواز لگائی اور کُتا بھونکنے لگا۔ ایک ساتھی نے دوسرے ساتھی سے پوچھا، گیڈر نے کُتے سے کیا کہا۔ اس آدمی نے کہا کہ گیڈر کہتا ہے کہ بادشاہ کے محل میں چور گھس رہے ہیں تم (کتے) کیوں خاموش ہو گئے ہو۔ کتے نے جواب دیا کہ میں کیا کروں بادشاہ خود اپنے محل میں چوری کروا رہا ہے۔ باقیوں نے کہا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو، تم سمجھے ہی نہیں ہو۔ بادشاہ خود اپنے محل میں کس طرح چوری کروائے گا۔

پھر انھوں نے خزانے کے دو صندوق اٹھا لیے اور بادشاہ کے محل سے باہر جا کر

رکھ دیے۔

بادشاہ نے کہا، اب صبح ہونے والی ہے۔تم لوگ خزانے کو لے کرفقیر والے مکان میں چلو۔میرا گھر یہیں شہر میں ہے، میں اپنے گھر جاتا ہوں، رات کوآؤں گا،خزانہ آپس میں تقسیم کرلیں گے۔

وہ لوگ فقیر کے مکان کو چل دیے۔

بادشاہ اپنے گھر چلا گیااور شور مچایا کہ چور میرے محل میں گھس آئے ہیں۔لوگوں کو بلایا کہ چوروں کو پکڑلو۔لوگ جمع ہو گئے۔بادشاہ نے کہا کہ چورادھر نہیں ہیں۔چار آدمی ہیں فقیر کے گھر میں بیٹھے ہیں، جاؤان کو پکڑ کرلاؤ۔لوگوں نے جا کران چاروں کو پکڑ لیااور لے آئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ان کو پھانسی کے تختے کی طرف لے جاؤ۔آپس میں یہ جو باتیں کریں تم لوگ غور سے سنواور پھران کوواپس میرے پاس لے آؤ۔

ان کے گلے میں پھانسی کا پھندا ڈال دیا گیا۔چوروں کے ایک ساتھی نے اپنے ساتھی سے کہا کہ تم نے کہا تھا کہ اندھیری رات کو میں کسی کو دیکھوں تو دن میں کہیں بھی نظر آئے میں پہچان لوں گا۔ہمارا ساتھی بادشاہ خود تھا۔

ان کو واپس لے آئے بادشاہ کے پاس، بادشاہ نے پوچھا یہ آپس میں کیا باتیں کرتے رہے۔

بادشاہ کے آدمی نے بتایا کہ انھوں نے آپس میں کہا کہ ہم نے پہچان لیا کہ چوری میں بادشاہ بھی ہمارے ساتھ تھا۔مگرہم بادشاہ سے بات نہیں کر سکتے۔

بادشاہ نے چوروں سے کہا، میں نے وعدہ کیا تھا کہ میں اپنا سر ہلاؤں گا تو بادشاہ تمھیں پھانسی نہیں دے گا، میں نے اسی طرح کیا جس طرح میں نے کہا تھا۔

پھرایک صندوق ان کو بخش دیااور ایک اپنے لیے رکھا۔اُن سے توبہ کروالی کہ آئندہ چوری نہیں کریں گے۔پھراُن کو رہا کر دیا۔

دوستین اور شیرین

دوستین نام کا ایک رند تھا، جس کی شیرین نام کی لڑکی سے منگنی ہو چکی تھی جو کہ لعل خان کی بیٹی تھی۔ دوستین اور شیرین دونوں فارسی میں پڑھنا لکھنا جانتے تھے۔

ایک روز رندوں کے گاؤں پر ترکوں نے حملہ کر دیا۔ کچھ لوگ مارے گئے۔ دوستین کو قیدی بنایا گیا۔ اس کے ساتھ ایک اور شخص بھی قیدی بن گیا اور وہ دونوں ہڑند کے شہر میں لا کر قید کر دیے گئے۔

کئی سال گزر گئے۔ شیرین کی ماں نے اس کی منگنی رند قبیلے کے کسی اور شخص کے ساتھ کر دی، جس کا نام بھی دوستین تھا۔

شیرین نے ایک نظم لکھی اور دوستین کو بھیج دی۔ ایک فقیر نے لے جا کر دوستین کو پہنچا دی۔ کرتے کرتے ہمایوں کی طرف سے جو ترک حاکم مقرر تھا اس نے دوستین کو اپنے گھوڑوں کا سائیس مقرر کر دیا۔

اس طرح وقت گزرتا گیا اور دوستین کو دو بچھڑے دیے کہ ان کی خوب دیکھ بھال کرو، جب یہ گھوڑے چار سال کے ہو چکے تو دوستین اور اس کے رند ساتھی نے گھوڑوں پر زین ڈالی اور گھوڑوں پر سوار ہو کر انھیں پھرانے لگے۔ اسی روز ترک حاکم نے اس کی بیڑیاں اتار دیں اور دوستین سے وعدہ لیا کہ وہ بھاگ نہ جائے گا بلکہ اجازت لے کر جائے گا۔ دونوں نے گھوڑوں کو خوب رہوار بنایا۔

عید کا دن آیا۔ ترکوں نے گھڑ دوڑ کا مقابلہ کیا، حاکم نے دوستین سے کہا کہ تمھیں بھی اجازت ہے تم دونوں اس دوڑ میں اپنی گھوڑوں کو دوڑاؤ۔

پھر دوستین نے پوچھا کہ کیا ہمیں اجازت ہے؟

حاکم نے کہا، ہاں تمھیں اجازت ہے۔

دونوں گھوڑیوں پر بیٹھ گئے۔ دوسرے سواروں سے الگ ہو کر حاکم کے پاس آئے اور پوچھا کہ حضور ہمیں اجازت ہے، اب ہم جا رہے ہیں۔

اس کے بعد وہ گھوڑیوں کو سرپٹ دوڑاتے بھاگ نکلے۔ حاکم نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ مت جانے دو، انھیں پکڑ لو، مار ڈالو۔ فوج جب ان کے پیچھے بھاگی تو وہ لوگ چھا چھڑ کے راستے پر چلے۔ ٹوبو سے آگے ایک نیلی گھوڑی گر کر مر گئی۔ اس دن سے اس جگہ کا نام نیلی لکڑی پڑ گیا۔ ابھی تک نام وہی ہے۔ اس سے آگے بھوڑا پُھشت ہے۔ اسی روز بھورے رنگ کا گھوڑا گر کر مر گیا، جگہ کا نام اسی وقت پڑ گیا پھر پھیلاوغ سے فوج مڑ کر واپس چلی گئی۔

دوستین اور اس کا ساتھی اپنے گھر نرمکھ آئے۔ شام کو جب اپنے علاقے میں پہنچے تو دیکھا کہ ایک لڑکا بکریاں چرا رہا ہے مگر رو رہا ہے۔ دوستین نے اس سے پوچھا تم کیوں رو رہے ہو۔ لڑکے نے کہا میرا بھائی قید میں ہے اور اس کو دیر گزر گئی۔ اس کی منگیتر تھی جس کی شادی اب کسی اور آدمی سے ہو رہی ہے۔ آج شادی کا دن ہے، اس لیے میں رو رہا ہوں۔ انھوں نے پوچھا لڑکے تمہارے بھائی کا نام کیا ہے۔ لڑکے نے جواب دیا، میرے بھائی کا نام دوستین ہے۔ انھوں نے کہا، تم روؤ نہیں، خدا کرے گا تمہارا بھائی جلدی آجائے گا۔ اس سے پوچھا کہ شادی کہاں ہو رہی ہے، وہ گاؤں کے کس طرف ہے؟ لڑکے نے جگہ بتائی۔

وہ گھوڑیوں کو دوڑاتے وہاں پہنچے۔ انھوں نے دیکھا شادی میں کئی لوگ شامل ہیں۔ یہ بھی وہاں پر بیٹھ گئے۔ رندوں نے پوچھا کہ تم کون ہو؟ دوستین نے جواب دیا ہم گویے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا تمھیں کوئی گانے آتے ہیں؟ دوستین نے کہا، ہاں خوب گاتے ہیں، ہم گویے جو ہیں۔ ایک دنبورہ لادو پھر ہم گانا سنائیں گے۔

دنبورہ لا کر انھیں دیا گیا۔ دوستین نے وہی نظم گانا شروع کی جو اس کو شیرین نے لکھ کر بھیجی تھی۔ شیرین نے جب گانے کے بول سنے تو وہ پہچان گئی۔ اس نے کہا یہ جو گانا گا رہا ہے،

دوستین ہے۔

لوگوں نے آ کر کہا تم کون ہو؟

اس نے کہا، میں دوستین ہوں۔

پھر دولہا جس کا نام بھی دوستین تھا، کہنے لگا کہ اب جب تم واپس آ گئے ہو، شیرین تمہاری منگیتر ہے۔ جاؤ تم شادی کرلو۔ میں نے جو کچھ خرچ کیا ہے، وہ تمھیں بخش دیتا ہوں۔

دوستین اور شیرین کی شادی ہوئی اور وہ خوشی خوشی رہنے لگے۔

قلات کے عبداللہ خان اور سامری

جب عبداللہ خان، قلات کا خان بنا تو ڈیرہ غازی خان کے نواب سے اس کی لڑائی چھڑ گئی۔ عبداللہ خان لشکر لے کر سیاہ آف کے راستے روانہ ہوا۔ اس وقت مزاریوں کا سردار مٹھا خان تھا۔ عبداللہ خان نے اسے بلایا اور لشکر بھی طلب کیا۔ مٹھا خان سو سوار لے کر خان کی خدمت میں گیا۔ بلوچستان کے تمام سردار اور جھالاوان کے تمام سردار خان کے ہم راہ تھے۔ گورچانی اور دریشک جو سندھ کے علاقے میں تھے، اس کے ہم راہ نہ تھے۔ خان اپنے لشکر کے ساتھ سیاہ آف شم اور چھا چھڑ کے راستوں سے اڑند پہنچا۔

اس کو اطلاع ملی کے جام پور کے نواب نے لشکر تیار کر لیا ہے۔ عبداللہ خان نے تمام سر کردہ لوگوں کو مشورہ کے لیے بلایا۔ مٹھا خان نے مشورہ دیا کہ اب ڈیرہ پر دھاوا بول دیں۔ اس کو معلوم ہوگا تو اس کے لشکر کے لوگ اپنے گھر اور بچوں کی حفاظت کے لیے بھاگیں گے اور اس طرح جام پور پر آپ قبضہ کر لیں۔ عبداللہ خان نے کہا کہ جو کچھ مٹھا مزاری نے کہا ہے، ویسا ہی ٹھیک ہے۔

اس نے رُخ کیا ڈیرہ کی طرف۔ نواب کا لشکر ٹوٹ گیا۔ عبداللہ خان نے جام پور پر قبضہ کیا اور ایک مہینے تک وہیں بیٹھا رہا۔ موچیوں کی ایک عورت تھی، جس کا نام سامری تھا۔ وہ بڑی خوب صورت تھی۔ عبداللہ خان کے بیٹے محبت خان کو سامری پسند آئی اور جب لشکر فتح و کامرانی کے بعد خراسان واپس ہوا تو محبت خان، سامری کو کنیز بنا کر ساتھ لے گیا۔

محبت خان کو وہ بہت پیاری تھی۔ سامری کا شوہر فریاد لے کر قلات پہنچا اور عبداللہ خان سے کہا کہ سامری مجھے واپس دلوا دیں۔ عبداللہ خان نے اسے بتایا کہ اگر محبت خان کو معلوم ہو جائے کہ تم سامری کے شوہر ہو اور اسے واپس لے جانے آئے ہو تو وہ تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ جہاں تک میری حکومت کی سرحدیں ہیں، علاقے میں پھر و اور جو لڑکی تمھیں پسند

آئے، میرا وعدہ ہے میں وہ تمھیں شادی میں دلوادوں گا۔

موچی نے کہا، سامری کے علاوہ مجھے اور کوئی لڑکی پسند نہیں۔

ایک سال تک موچی قلات میں بیٹھا رہا۔ جب مایوس ہوا تو لال شہباز قلندر کی درگاہ میں جا کر فقیر بن بیٹھا۔ ایک سال تک وہیں پانی بھرتا رہا۔ ایک رات لال شہباز کی درگاہ سے حکم ملا کہ جام پور میں کچھ ہیجڑے ہیں، ان کے ساتھ ایک فقیر ہے، جو ان کے گدھے چراتا ہے، تم اس کے پاس جاؤ، وہ سامری تمھیں لا کر دے گا۔

موچی واپس جام پور آیا۔ فقیر کو تلاش کیا، جو گدھے چرا رہا تھا۔

فقیر نے موچی کو دیکھتے ہی کہا، لعل شہباز کو خود توفیق نہ ہوئی، میرے پاس تمھیں بھیج دیا۔ موچی نے بتایا، جی ہاں مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ فقیر نے اسے بتایا کہ اب تم جا کر اپنے گھر میں آرام کرو، جس روز جام پور میں ہیجڑے مست ہو جائیں اور میں بھی مست ہو جاؤں تو تم میرے پاس آ کر میرے لباس کو جھٹکا دو۔

ایک روز کسی کے ہاں شادی تھی اور ہیجڑے ناچ رہے تھے۔ فقیر بھی مست ہو گیا۔ موچی نے آ کر اس کا دامن پکڑا فقیر نے جوش میں نعرہ لگایا کہ: سامری آ گئی، سامری آ گئی!!

اسی وقت لوگ موچی کو مبارک باد دینے آئے کہ سامری آ کر گھر میں بیٹھی ہوئی ہے۔ سامری کے ہاتھوں پر گوندھا ہوا آٹا بھی لگا ہوا ہے۔ سامری سے جب پوچھا گیا کہ تم کس طرح آئی ہو؟ تو اس نے کہا، میں قلات میں تھی۔ محبت خان اس طرح مجھے چاہتا تھا کہ جب تک میں روٹی اسے پکا کر نہ کھلاتی کسی اور کے ہاتھوں وہ کھاتا ہی نہیں تھا۔ میں اس کے لیے روٹی پکانے کے لیے آٹا گوندھ رہی تھی کہ ایک سبز مچھر میری آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا۔ میں نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیے اور جب ہاتھ اٹھائے تو دیکھا کہ میں جام پور میں اپنے گھر میں بیٹھی ہوں۔

موچی، سامری کو دیکھ کر بڑا خوش ہوا۔

محبت خان قلات ہی میں رہا۔

نادر شاہ کی کہانی

دہلی میں ایک بادشاہ تھا، اس کا نام محمد شاہ چُغتہ تھا۔ اس کے باپ کی حکومت کے دنوں میں سعد اللہ خان وزیر ہوا کرتا تھا۔ اور محمد شاہ جب بادشاہ بنا تو وہ اس کا بھی وزیر بن گیا۔ پھر محمد شاہ نے چند ہی دنوں میں کسی اور کو وزیر رکھ لیا۔

ایک روز محمد شاہ دربار لگا کر بیٹھا تھا۔ نیا وزیر بھی اس کے قدموں میں بیٹھا ہوا تھا۔ جب سعد اللہ خان آیا، وزیروں کا قاعدہ تھا کہ وہ ہاتھ باندھ کر کورنش بجا لاتے تھے اور پھر نشست پر جا کر بیٹھتے۔ سعد اللہ خان آتے ہی کورنش بجا نہ لایا اور جا کر بیٹھ گیا۔ بادشاہ ہنسنے لگا۔ نیا وزیر بھی ہنسنے لگا اور آپس میں کہنے لگے کہ یہ بندروں کی طرح آ کر بیٹھ گیا ہے۔

وہ کہنے لگا، میں تمہارے باپ کے دور میں وزیر رہا۔ آج تم مجھے بندر کہہ رہے ہو۔ اگر اللہ نے چاہا تو دہلی کے بازاروں میں تمھیں بندروں کی طرح نچاؤں گا۔

اس نے نادر شاہ کو پیغام بھیجا کہ دہلی خالی ہے، تم آ کر اسے فتح کر لو۔ ایک شخص جو محمد شاہ کا وزیر ہے، تم سے لڑے گا اور ہاتھیوں پر سوار تلواروں سے تمہارا مقابلہ کرے گا۔

نادر شاہ نے ہندوستان پر چڑھائی کی۔ محمد شاہ کو اس وقت پتہ چلا جب نادر دہلی پہنچ چکا تھا۔ جنگ جو نئے وزیر نے جا کر نادر شاہ کی ہاتھی پر تلوار کا وار کیا اور مارا گیا۔ دہلی پر نادر شاہ کا قبضہ ہو گیا۔ محمد شاہ کو قیدی بنا ڈالا۔ نادر شاہ کو بتایا گیا کہ محمد شاہ کی بیگم بہت خوب صورت ہے۔ نادر شاہ نے محمد شاہ سے کہا تم میری بیگم سے مل لو، میں تمہاری بیگم سے مل لیتا ہوں۔ تب نادر شاہ نے پہلے محمد شاہ کو لے جا کر اپنی بیگم سے ملایا اور پھر محمد شاہ کی بیگم کے پاس آئے۔ محمد شاہ کی بیگم نے محمد شاہ سے اپنا منہ چھپایا اور نادر شاہ سے پردہ نہ کیا۔ نادر شاہ حیران ہو گیا اور اس پوچھا کہ یہ کیا بات ہے، تم اپنے میاں سے پردہ کر رہی ہو اور ہم سے نہیں۔ بیگم نے جواب دیا، بادشاہ

سلامت وہ تو میرا شوہر ہے، آپ میرے والد کی جگہ ہیں، والد سے کیسے پردہ کروں۔ نادر شاہ نے کہا، اب جب تم نے اس طرح کی بات کی ہے، تم بے شک میری بیٹی ہو اور دہلی کا تخت تمہاری چادر ہے، وہ تمھیں بخش دیتا ہوں۔

نادر شاہ نے محمد شاہ سے کہا، مجھے دہلی کے تخت کے عوض میں چار چیزیں دے دو: ایک اپنا باورچی دے دو۔ اپنی دونوں کنیزیں دے دو جو میرے غسل اور مسواک کا بندوبست کریں اور ایک اپنی نوکرانی دے دو۔

پھر نادر شاہ نے باورچی سے کہا، ہمارے لیے دیگ پکاؤ۔ باورچی نے کہا، جناب ایک ہزار روپیہ دے دیں دیگ پکانے کے لیے۔ ایک ہزار روپیہ نادر شاہ نے اسے دے دیا۔ باورچی نے مونگ کی دال پکائی اور بادشاہ کو پیش کی۔ ہزار روپے خود کھا بیٹھا۔ بادشاہ نے کہا ہم نے تمھیں ہزار روپے دیے اور تم نے صرف مونگ کی دال پکائی، ہمارا روپیہ واپس کر دو۔ باورچی نے ہزار روپیہ لوٹا دیا اور دیگچہ اٹھا کر چلتا بنا۔ سامنے بیری کے درخت کا خشک تنا پڑا ہوا تھا، دال اس پر انڈیل دی۔ جہاں دال پڑی، وہ جگہ سبز اور ہری ہو گئی۔ بادشاہ کو افسوس ہوا کہ یہ تو اچھا سالن تھا، کاش ہم اسے کھا لیتے۔

پھر اس نے کنیزو کو بلایا کہ میرا منہ دھلائیں اور مسواک کروں تو پانی ڈال دیں۔ ایک کنیز پانی ڈالنے لگی اور ایک مسواک لگانے میں بادشاہ کی مدد کرنے لگی۔ نادر شاہ نے دانتوں کو صاف کیا اور پانی سے غرارے کرنے لگا۔ اس کے منہ سے بہت سخت بدبو پھیلی اور کنیزوں میں سے ایک تو اس بدبو سے بے ہوش کر مر گئی اور ایک تڑپ تڑپ کر وہاں سے بھاگ گئی۔ بادشاہ نے پوچھا تمھیں یہ کیا ہوا؟ کنیز نے جواب دیا، بادشاہ حضور آپ کے منہ سے اتنی بدبو پھیلی کہ میری ساتھی کنیز اس کی تاب نہ لا کر مر گئی، اور میں جس حال میں ہوں آپ خود دیکھ رہے ہیں۔ بادشاہ نے کہا تمھیں اجازت ہے، جاؤ۔

بادر شاہ نے کوچ کیا۔ تین منزلیں طے کر لیں۔ نوکرانی ساتھ تھی۔ اس کو ایک لاکھ

روپیہ دیا اور رخصت دی۔ نوکرانی رونے لگی۔ بادشاہ نے پوچھا، کیوں رو رہی ہوا، ایک لاکھ روپیہ تمھیں دیا ہے اور اجازت بھی دے دی ، اور کیا چاہیے۔ نوکرانی نے عرض کیا بادشاہ سلامت آپ مجھ سے خوش ہو گئے ہیں اور مجھے ایک لاکھ روپیہ دے دیا۔ محمد شاہ کسی روز ہم پر ناراض ہو گئے تھے اور مجھے جوتا مارا تھا ، میں نے اس ایک جوتا جا کر دکھایا تو دو لاکھ روپے کا نکلا کیوں کہ اس میں ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ آپ نے خوشی میں صرف ایک لاکھ دیا۔

اس کے بعد نادر شاہ نے امر کوٹ پہنچا۔ وہاں پر میاں غلام شاہ سندھ کا حاکم تھا۔ میاں ہاتھوں پر رومال باندھے بادشاہ کے سلام کو آیا۔ اس کا وزیر مراد شاہ بھی اسی طرح رومال باندھے ساتھ تھا۔ دونوں آ کر نادر شاہ کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ نادر شاہ نے پوچھا کون ہو، جو اپنے آپ کو شاہ کہتے ہو۔ غلام شاہ نے جواب دیا میں شاہ نہیں ہوں، غلام شاہ ہوں، بادشاہوں کا غلام ہوں۔ تب بادشاہ نادر شاہ نے گھوڑ سواروں کو حکم دیا کہ غلام شاہ کے ہاتھ کھول دو۔ اس کے ہاتھ کھول دیے گئے۔ پھر حکم دیا کہ مراد شاہ کے بھی ہاتھ کھول دو۔ سواروں نے ہاتھ بڑھایا تو مراد شاہ نے کہا کہ میرے ہاتھ بادشاہ خود کھول دے۔ بادشاہ نے خو اپنے ہاتھوں سے مراد شاہ کے ہاتھ کھول دیے۔ غلام شاہ پر کچھ جرمانہ لگایا اور جرمانہ لے کر اسے آزاد کر دیا۔

پھر بولان کے راستے نادر شاہ اپنے وطن روانہ ہوا۔

بے ایمان ملا

ایک آدمی نے اپنی بیٹی کسی مُلا کے ہاں پڑھنے کے لیے بھیجی۔ لڑکی پڑھتی رہی۔ مُلا کی نیت خراب ہوئی اور وہ اس پر عاشق ہو گیا۔ لڑکی گھر آئی تو دوسرے دن کہنے لگی میں پڑھنے نہیں جاتی۔ باپ نے اس کی ماں سے کہا کہ اسے پڑھنے ضرور بھیج دو۔ ماں نے بیٹی سے بہت کہا کہ پڑھنے جاؤ۔ اس نے بالکل جواب دیا کہ نہیں جاتی۔ باپ کام کے لیے گھر سے باہر چلا گیا۔ جب واپس آیا تو اپنی بیوی سے پوچھا کہ بیٹی پڑھنے گئی تھی یا نہیں۔ بیوی نے کہا بیٹی پڑھنے نہیں گئی۔ اور پھر اسے اصل کہانی بھی بتا دی۔

پھر وہ شخص اپنے دل میں سوچنے لگا کہ مُلا کے ساتھ کیا کروں اسے مار ڈالوں کہ چھوڑ دو۔ بیوی نے اسے کہا کہ تمہاری بدنامی ہو گی۔ بیٹی کو کسی صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دو، ہم یہ سمجھیں گے کہ ہماری لڑکی مر گئی ہے۔

اس شخص نے بیٹی کو صندوق میں بند کر کے جا کر دریا میں ڈال دیا۔ مُلا یہ سب کچھ دیکھتا رہا۔ اس نے جا کر دریا کے کنارے گھر بنایا اور وہیں رہنے لگا۔ صندوق دریا میں تیرتا ہوا کسی اور ملک میں جا نکلا۔ اس ملک کے بادشاہ کا بیٹا شکار کے لیے نکلا تھا۔ دریا کے کنارے اس نے دیکھا کے ایک صندوق تیرتا ہوا آ رہا ہے۔ اس نے صندوق پانی میں سے نکالا اور اپنے ساتھ گھر لے آیا۔ اس کی چابی بنوائی اور اسے کھولا تو بادشاہ کے بیٹے نے دیکھا کہ اس میں ایک خوب صورت لڑکی سو رہی ہے۔

شہزادے نے لڑکی سے پوچھا کہ تم اپنا حال سناؤ۔

لڑکی نے سارا حال سُنایا؛ میری قسمت میں لکھا تھا اب میں تمہارے ہاتھ پڑ گئی ہوں جو تمہاری مرضی ہو وہی کرو۔

شہزادے نے کہا تم سے میں شادی کروں گا۔

لڑکی نے کہا مجھ سے شادی کرو گے، میری ایک عرض بھی سُن لو۔

شہزادے نے کہا بتاؤ کیا کہنا چاہتی ہو۔

لڑکی نے کہا، میری عرض یہ ہے کہ دو ریچھ پکڑ کر اس صندوق میں بند کر دو اور جس سمت سے آئی ہوں، اسی سمت پانی میں ڈال دو۔

شہزادے نے ریچھ صندوق میں بند کر دیے اور صندوق دریا میں ڈال دیا۔

صندوق پانی میں بہتا ہوا اس جگہ پہنچا جہاں مُلا نے گھر بنایا تھا۔ مُلا نے صندوق دیکھا تو کسی مچھیرے سے کہا یہ صندوق پانی میں سے نکال کر لاؤ میں تمھیں انعام دوں گا۔ مچھیرے نے صندوق لا کر مُلا کو دیا۔ مُلا اسے اپنے گھر لے گیا۔ گھر کے دروازے بند کر دیے اور صندوق کھولا۔ جونھی صندوق کھل گیا، اس میں سے ریچھ باہر نکلے اور ملا کو پکڑ کر کاٹنے لگے اور اس طرح مُلا کو ہلاک کر دیا اور لڑکی نے مُلا سے اپنا بدلہ لے لیا۔

لالچی وزیر

ایک بادشاہ تھا۔اس نے اپنے وزیر سے کہا کہ ملک میں سب سے خراب چیز کل صبح مجھے لادو۔ وزیر اپنے گھر آیا تو سوچ سوچ کر کافی پریشان ہو گیا کہ معلوم نہیں کہ سب سے خراب چیز کون سی ہے، بادشاہ تو کل صبح مجھے مار ڈالے گا۔ وزیر اسی غم میں شہر سے بھاگ نکلا اور ایک ویرانے میں پہنچ گیا۔

اس نے بکریوں کا ریوڑ دیکھا اور گڈریا اس کے ساتھ ہے اور کوئی نہیں۔

وزیر نے دیکھا کہ ساری بکریوں کے گلے میں سونے کی گھنٹیاں پڑی ہوئی ہیں۔

وزیر نے گڈریا سے پوچھا کہ تمہاری بکریوں کے گلے میں کیا پڑا ہوا ہے؟

گڈریا نے جواب دیا کہ بکریوں کے گلے میں پتھر بندھے ہوئے ہیں۔

وزیر نے پوچھا یہ پتھر کہا سے ملے گا، مجھے وہ جگہ بتاؤ۔

گڈریا نے کہا ،رات کو تم میرے ساتھ چلو۔ جب صبح ہوگی تو میں وہ پہاڑ تمھیں بتلاؤں گا۔

وزیر گڈریا کے ساتھ ہو گیا۔ رات ہوگئی۔ گڈریا کے گھر میں ٹھہرا۔ گڈریا اپنی بکریوں کے پاس ہی سویا۔ آدھی رات کو جب وزیر کی آنکھ کھلی اس نے دیکھا کہ گڈریا بیٹھا کچھ پڑھ رہا ہے۔ وزیر اٹھ کر گڈریا کے پاس آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ گڈریا کے سامنے ایک بکری سو رہی ہے اور گڈریا کہہ رہا ہے؛ سبحان اللہ کہ یہ سونا آپ نے کس طرح بنایا ہے اور وہ دانہ کس طرح بنایا ہے۔ بکری وہیں پڑی ہوئی تھی۔ اس طرح گڈریا وظیفے پڑھتا رہا اور رات ختم ہوگئی۔

صبح ناشتہ کرنے کے بعد وزیر نے کہا، اب وہ پہاڑ مجھے دکھاؤ مجھے ضروری جانا ہے۔

گڈریا نے کہا آج میں اس طرف تو نہیں جا سکتا، تم آج یہیں بیٹھے رہو۔ وزیر نے گڈریے سے

کہا، اچھا تو تم مجھے بکریوں کے گلے میں سے کچھ اتار کر دے۔ ان کے گلے میں ڈال دو۔ گڈریے نے کہا، میں اپنی بکریوں کا دودھ اس برتن میں دھولیتا ہوں جس میں کتے کو کھلاتا ہوں، تم یہ دودھ اس طرح پیو جس طرح کتا پیتا ہے، اپنی زبان سے۔ پھر میں اپنی بکریوں کے گلے سے پتھر اتار کر تمھیں دے دوں گا۔

گڈریے نے کُتے والے گندے برتن میں بکریوں کا دودھ دوہا۔ پھر اس نے وزیر سے پوچھا تم ہو کون۔ وزیر نے بادشاہ کا نام لے کر ساری بات بتائی کہ بادشاہ نے مجھے حکم دیا کہ سب سے خراب چیز میرے پاس لاؤ۔ اب مجھے پتہ نہیں کہ سب سے خراب چیز کون سی ہوتی ہے۔ میں نے سوچا سونا لے کر بادشاہ کے پاس جاؤں گا تو وہ خوش ہو جائے گا۔ گڈریے نے کہا کہ سونا تو میں تمھیں بہت دکھاؤں گا، اس طرح تمھیں سونے کا پہاڑ دکھائی نہیں دے گا۔ تم کتے کی طرح کھاؤ پیو۔ پھر تمہاری آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹ جائے گا اور تم دیکھو گے کہ یہ پہاڑ سب سونے کے ہیں۔

وزیر تیار ہو گیا کتے کی طرح دودھ پینے کے لیے۔ وہ اپنے گھنٹے تہہ کر کے دوزانو ہو کر بیٹھ گیا تو گڈریے نے اسے دھکا دیا کہ ہٹ جاؤ، ابھی تک تمھیں پتہ نہ چلا کہ سب سے خراب چیز کون سی ہے؟

پھر اس سے کہا کہ لالچ سب سے خراب چیز ہے، سب کو خوار کر دیتی ہے۔ تم نے بھی لالچ میں آ کر اپنا حال دیکھا۔

تب وزیر واپس بادشاہ کے پاس چلا گیا اور اسے بتایا کے سب چیزوں سے لالچ بہت بڑی ہے۔ بادشاہ نے قبول کر لیا۔

شاہ جہان کی کہانی

پہلا حصّہ

ایک آدمی تھا۔اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔

ایک روز ایک فقیر پھرتے پھراتے اس کے پاس آیا اور صدا لگائی کہ مجھے کچھ دے دو۔اس نے کہا میں کچھ نہیں دوں گا، کچھ نہیں ہے۔تم لوگوں نے ملک کو لوٹ لیا ہے۔تم نیک دعا کرو کہ میرے ہاں بیٹا پیدا ہو جائے۔پھر تم جو مانگو گے، میں دے دوں گا۔فقیر نے کہا، رات میں یہیں تمہارے ہاں سوؤں گا، اگر میرے خیال میں کچھ آیا تو تمہارے لیے نیک دعا کروں گا، ورنہ چلا جاؤں گا۔

رات فقیر وہیں سو گیا۔صبح جب ہوئی تو اس نے کہا، اللہ نے تمھیں بیٹا عطا کیا ہے۔مگر جب تمہارا بیٹا جوان ہو گا تو شاہ جہان بادشاہ اسے مار ڈالے گا۔اس آدمی نے کہا، خدا سے تو میں اسے چھپا نہیں سکوں گا۔مگر شاہ جہان بادشاہ سے تو میں اسے چھپاؤں گا۔اس نے فقیر کو کچھ دے دیا۔

اللہ کے حکم سے اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا۔اس نے اپنی بیوی اور کنیز کو حکم دیا کہ جنگل بیاباں میں جا کر گھر بنا کر رہو۔چنانچہ جنگل میں زمین کے اندر غار کھود کر گھر بنایا گیا۔ان کے لیے کھانے پینے کا انتظام کر دیا اور خود پھر کے آ گئے۔

کئی سال گزر گئے۔

ایک دن دو آدمی آپس میں لڑ رہے تھے۔ایک کہتا تھا کہ جب انسان پیدا ہوتا ہے کہ اسی روز اس کی پیشانی پر اللہ جو کچھ لکھتا ہے، اس کے ساتھ ویسا ہی ہوتا ہے۔دوسرے نے کہا، اللہ لکھتا کچھ نہیں ہے، بس جو جی میں آئے کرتا ہے۔

پہلے نے کہا، چلو شاہ جہان بادشاہ کے پاس وہی فیصلہ کرے گا۔

دونوں آدمی شاہ جہان بادشاہ کے پاس آئے اور کہا، بادشاہ ہمارا فیصلہ کر دیں۔

بادشاہ نے کہا، تم لوگ اپنی باتیں سناؤ۔

انھوں نے سب کچھ بتا دیا۔

شاہ جہاں نے کہا تم لوگ بیٹھو، میں وضو کرتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں پھر تم لوگوں کا فیصلہ کروں گا۔

اس نے لوٹا لیا اور باہر نکلا۔ لوٹا اس نے رکھا۔ دیکھا کہ ایک خوب صورت پرندہ باہر بیٹھا ہے۔ اس نے دل میں سوچا پہلے اس پرندے کو پکڑ کو دیکھوں پھر وضو کروں گا۔ بادشاہ نے پرندے کی ٹانگ پکڑ لی۔ پرندہ اڑ گیا اور شاہ جہان بھی اس کے ساتھ دور آسمان میں اڑنے لگا۔ ایک جگہ جنگل ویرانے میں اس کو اتار دیا اور پرندہ غائب ہو گیا۔ شاہ جہان اس جنگل میں پریشان ہو گیا۔ وہ چلتا گیا تو اس نے دیکھا کہ کسی آدمی کے پاؤں کے نشان ہیں۔ وہ ان کے پیچھے پیچھے چلتا گیا۔

اس نے دیکھا کہ غار میں آدمی بیٹھا ہوا ہے۔ اس کا سازوسامان رکھا ہوا ہے۔ اس آدمی نے سلام علیک کیا۔ تو اس نے وعلیکم کیا اور کہا کہ آؤ شاہ جہان بادشاہ!

بادشاہ اپنے دل میں حیران ہو گیا کہ میں تو اس کو نہیں پہچانتا، یہ مجھے کس طرح پہچانتا ہے۔

تب اس آدمی نے پکارا: بادشاہ چل کر اندر آؤ۔

بادشاہ نے کہا، تم کیسے مجھے جانتے ہو۔

اس نے کہا، تم میرے لیے عزرائیل ہو تم مجھے مارنے آئے ہو۔

بادشاہ نے کہا، میں تمھیں کیوں ماروں گا، میرا تم سے کون سا جھگڑا ہے۔

اس آدمی نے کھانا پکایا اور کھانا لا کر بیٹھا اور دونوں کھانے لگے۔ شاہ جہان کانٹے سے کھانا کھاتا اور اس کو بھی کھلاتا۔ اس آدمی کو چھینک آ گئی اور کانٹا اس کے حلق میں اندر چلا گیا

اور وہ مر گیا۔ بادشاہ حیران ہو گیا کہ وہ میرے ہاتھوں مر گیا۔

وہ غار سے باہر نکلا۔ دیکھا وہی پرندہ بیٹھا ہوا ہے۔اس نے پھر پرندے کی ٹانگ پکڑ لی۔ پرندہ بادشاہ کو اڑا کر اُس کے گھر تک آ گیا، اس کو اتارا۔ بادشاہ کا لوٹا پانی سے بھرا ہوا رکھا تھا۔ وہ دونوں آدمی بیٹھے تھے جو فیصلہ کرانے آئے تھے۔

انھوں نے بادشاہ سے پوچھا، آپ نے نماز اتنی جلدی پڑھ لی اور واپس آئے۔

بادشاہ نے سوچا مجھے پرندہ اڑا کر جنگل میں ڈال گیا، میں نے ایک آدمی مار ڈالا اور اب واپس آیا ہوں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ تم نے نماز جلدی میں پڑھی۔

پھر بادشاہ نے کہا، میری نماز کو تم لوگ کیا کرو گے۔ اپنے فیصلے کی بات کرو۔

انھوں نے بادشاہ سے پوچھا کہ ہمارا فیصلہ سناؤ۔

شاہ جہان نے کہا، ہر کسی کی تقدیر پہلے ہی دن لکھی جاتی ہے۔بس فیصلہ یہی ہے۔

شاہ جہان کی کہانی

دوسرا حصّہ

شاہ جہان کی بیوی تھی: نور جہاں۔ وہ اس کو بہت پیاری تھی۔ جب وہ انصاف کرنے بیٹھتا تو نور جہاں کو اپنے پاس بٹھائے رکھتا۔

ایک روز کوئی فریادی آیا اور اس نے شکایت کی کہ نور جہاں کا بھائی اس کی بیوی اس سے چھین کر لے گیا ہے۔

شاہ جہان نے حکم دیا کہ دو کڑاہیوں میں تیل ڈال کر آگ پر رکھ دے تا کہ تیل جوش

کھائے اور آگ کی طرح گرم ہو جائے۔ پھر اس نے نور جہان کے بھائی کو بلا بھیجا۔ اس سے پوچھا کہ اس غریب آدمی کی بیوی تم نے چھین رکھی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ ہاں میرے پاس ہے۔ بادشاہ نے اپنے دربار کے امیروں کو حکم دیا کہ اسے تیل میں ڈال دیا جائے تاکہ یہ جل جائے۔

تب نور جہان نے کہا، اچھا کیا بادشاہ آپ نے اس کو کڑاہی میں ڈال کر۔

بادشاہ نے کہا کہ نور جہان دوسری کڑاہی تو ہم نے تمہارے لیے چڑھا رکھی ہے کہ اگر تم نے بھائی کے لیے کوئی بات کی تو تمھیں بھی تیل میں جلا دیا جائے گا۔

یہ انصاف شاہ جہان نے اسی طرح کیا۔

کافی سال گزر گئے۔

شاہ جہان کے تین بیٹے تھے۔ وہ الگ الگ شہروں میں رہتے تھے۔ ایک روز اس نے اپنے وزیر سے کہا تم جا کر دورہ کرو، میرے بیٹوں کو دیکھو اور مجھے آ کر بتاؤ کہ میرے بعد کون سا بیٹا بادشاہی کے قابل ہے۔

وزیر روانہ ہوا۔ پہلے وہ بڑے بیٹے کی طرف گیا۔

وزیر کے استقبال کے لیے شہزادے نے فوج بھیجی۔ اس کی کافی عزت افزائی کی۔ اس کی مہمان نوازی بھی خوب کی اور خوب اس کی خوشامد کی کہ یہ میری تعریف اور سفارش کرے گا۔ بادشاہ کے پاس جا کر۔

وزیر وہاں سے چلا۔ دوسرے شہزادے کے پاس پہنچا۔ دوسرے شہزادے نے بھی کافی اس کی خدمت کی۔ اس کا انعام اور بخشش بھی دی۔

پھر وہ اورنگ زیب کے پاس چلا گیا۔ اورنگ زیب نے نہ اس کا استقبال کیا، نہ اس کی خوشامد کی۔ وزیر جب شہر میں داخل ہوا تو اس نے پہلے پیغام بھیجا اورنگ زیب کو کہ میں آپ سے ملنے آ رہا ہوں۔ جب آپ حکم دیں تو میں آپ کے سلام کے لیے حاضر ہو جاؤں گا۔

اورنگ زیب نے جواب دیا کہ میں خود تمھیں تیسرے دن بلاؤں گا۔

جب تیسرا دن آیا تو اورنگ زیب نے اپنے محل کے چاروں طرف پانی چھوڑا۔ خود محل میں بیٹھ کر قرآن کی تلاوت کرنے لگا اور حکم دیا کہ اب وزیر سے کہا جائے کہ وہ میرے سلام کے لیے آجائے۔

وزیر جہاں ٹھہرا ہوا تھا وہاں سے بگی میں سوار ہوا۔ جب وہ اورنگ زیب کے محل کے قریب پہنچا تو وہ بگی سے اترا اور پانی میں چلتا ہوا آیا۔ اورنگ زیب نے پھر حکم دیا کہ ابھی تک میں تلاوت کر رہا ہوں، وزیر سے کہو کہ رک جائے۔ پہرے داروں نے وزیر کو روک لیا اور بتایا شہزادہ اورنگ زیب قرآن کی تلاوت کر رہے ہیں، جب وہ تلاوت ختم کریں تو تمھیں ان سے ملنے کی اجازت ہوگی۔ اس دوران وزیر پانی اور کیچڑ ہی میں کھڑا رہا، وہ بیٹھ بھی نہیں سکتا کہ کیچڑ میں اس کے کپڑے خراب ہو جائیں گے۔ جب اورنگ زیب تلاوت ختم کر چکا تو اس نے حکم دیا وزیر کو اجازت ہے، آجائے۔

وزیر آیا اس نے خوش آمدکی اور پھر وزیر کو جانے کی اجازت ہوگئی۔

وزیر منزلیں طے کرتا ہوا واپس شاہ جہان بادشاہ کے پاس آیا۔ شاہ جہان نے پوچھا کہ تمھیں کون پسند آیا جو ہمارے بعد بادشاہی کر سکے گا۔

وزیر نے کہا، تمہارا چھوٹا بیٹا اورنگ زیب کر سکے گا۔

جب ایک سال گزرا تو اورنگ زیب نے بادشاہ کو لکھا کہ میں مرنے والا ہوں، آپ مجھے دیکھنے کے لیے آجاؤ چوں کہ آپ میرے والد ہیں۔ شاہ جہان تیاری کرنے لگا کہ میں جا کر اپنے بیٹے کو مل آؤں گا۔ وزیر نے ان سے کہا کہ آپ نہ جائیں، میں آپ کو نہیں جانے دوں گا کیوں کہ اورنگ زیب آپ کو قید کرے گا۔ بادشاہ نے کہا کہ اورنگ زیب نے لکھا ہے، وہ سخت بیمار ہے اور مرنے والا ہے۔ میں جا کر اسے دیکھ لوں گا۔ وزیر نے کہا میری رائے ہے کہ آپ نہ جائیں۔ بادشاہ نے کہا مجھے ضرور جانا ہے۔ وزیر نے کہا جب آپ میرا مشورہ نہیں

مانتے اور نہیں رُکتے تو مجھے لکھ کر دیں کہ وزیر نے مجھے منع کر دیا تھا مگر میں نے اس کا مشورہ نہیں لیا۔اس نے وزیر کو لکھ کر دے دیا۔

شاہ جہان منزلیں طے کرتا اورنگ زیب کے شہر پہنچ گیا۔اورنگ زیب نے پہلے ہی سے لوگوں کو بتایا کہ جب شاہ جہان بادشاہ آنے لگے تو سب کہیں کہ اورنگ زیب سخت بیمار ہے۔

بادشاہ، اورنگ زیب کے محل میں آیا تو اورنگ زیب نے فوج کو حکم دیا کہ محل کو گھیرے میں لے لو۔

اورنگ زیب نے اپنے باپ کو آ کر خوش آمدید کہا اور کہا کہ سونے کی بیڑیاں چپ چاپ اپنے پاؤں میں ڈالو ورنہ میں تمھیں مار ڈالوں گا۔ بادشاہ نے بیڑیاں پہن لیں تو اورنگ زیب نے اسے قیدی بنایا اور اعلان کیا کہ شاہ جہان قید کرلیا گیا ہے۔اب اورنگ زیب ملک کا بادشاہ بن گیا ہے۔

اورنگ زیب بادشاہ بن گیا اور سارے ملک کی حکومت اس کے ہاتھ میں آ گئی۔اس نے وزیر کو بلوایا اور اس سے کہا، میں تمھیں پھانسی دوں گا۔تم جب مجھ سے مل کر گئے تو تم نے بادشاہ کو میرے آنے سے کیوں منع نہیں کیا۔

وزیر نے کہا بے شک میں نے بادشاہ کو کو آنے سے منع کیا تھا۔مگر اس نے میری بات نہیں مانی۔ یہ بادشاہ کا لکھا ہوا کاغذ ہے جو اس نے خود لکھ کر دیا ہے۔

اورنگ زیب نے بادشاہ کی تحریر پڑھی اور وزیر سے کہا، واقعی تم نے اسے منع کیا تھا اور اپنا فرض پورا کیا تھا۔شاباش آفرین ہے تمھیں۔اب تم میرے وزیر رہو۔

سمین کے عبداللہ شاہ

عبداللہ شاہ (سید) سمین میں رہتا تھا۔ حج کے لیے روانہ ہوا، وہ جہاز پر سفر کر رہا تھا۔ جہاز ایک جگہ رُک گیا۔ کیوں کہ چلانے والوں نے حیلہ کیا کہ جہاز آگے نہیں جا سکتا۔ سمندر کے کنارے کچھ پرندے بیٹھے تھے۔ جہاز کے مالک نے کہا کہ کوئی ایسا شخص ہے جو خدائی راہ میں اپنا سر قربان کر دے۔ جہاز سے اترے اور جا کر پرندوں کو اڑا دے۔ جب پرندے اڑ جائے جائیں گے تو جہاز ہوا کے زور سے چلنے لگے گا۔

عبداللہ شاہ نے کہا، میں اللہ کی راہ میں اپنا سر قربان کروں گا۔ وہ جہاز سے اترا اور جا کر پرندوں کو اڑایا۔ پرندوں کے اڑنے سے جہاز کو ہوا ملی اور وہ چلنے لگا۔

عبداللہ شاہ سمندر کے کنارے چلتا رہا۔ ایک جگہ آیا تو دیکھا کہ بھینسوں کے چلنے کے نشان ہیں۔ وہ انھی نشانوں پر چلتا رہا۔ اس نے دیکھا کہ کہیں سے دھواں اٹھ رہا ہے۔ بھینسیں بھی وہیں بندھی ہوئی ہیں اور ایک عورت بیٹھی ہے' جس کے بال سنہرے ہیں۔ جب عبداللہ شاہ اس کے قریب پہنچا تو عورت نے کہا، بسم اللہ عبداللہ شاہ سمین والا، آجاؤ۔

عبداللہ شاہ نے پوچھا، مائی آپ کون ہیں۔ عورت نے جواب دیا کہ میں ہیر ہوں اور رانجھا میاں بھینسیں چرانے گیا ہے۔ اس وقت تم بیٹھ کر آرام کرو۔ شام کو رانجھا میاں بھی آجائیں تو ایک بھوری داڑھی والا آدمی بھی ان کے ساتھ تھا۔ عبداللہ شاہ نے پوچھا کہ یہ آدمی کون ہے جو بھینسوں کے ساتھ ساتھ آرہا ہے۔ مائی ہیر نے جواب دیا کہ یہ رانجھا میاں ہیں۔

وہ جب آیا تو عبداللہ شاہ اس کے سامنے اٹھا۔ تو اس نے کہا، آؤ عبداللہ شاہ، خوش آمدید۔

عبداللہ شاہ نے کہا، شکریہ مائی ہیر اور میاں رانجھا۔

رانجھا میاں نے اس سے حال احوال دریافت کیا۔ عبداللہ شاہ نے اپنا پورا قصہ سنایا۔

رانجھا میاں نے کہا کہ تمہارا حج قبول ہو گیا ہے، شام کو میں حضور کی خدمت میں دودھ پہنچا دوں گا۔

پھر اس نے ایک برتن میں دودھ بھرا اور سر پر اٹھایا۔ عبداللہ شاہ کا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ تم آنکھیں بند کرلو۔ اس نے آنکھیں بند کرلیں تو رانجھا میاں نے کہا کہ اب آنکھیں کھولو۔ جب اس نے آنکھیں کھولیں تو دیکھا کہ رسول اللہ صلعم تخت پر بیٹھے ہیں۔ اس نے سلام کیا۔ حج بھی اس کا قبول ہوا۔ اس نے وہاں دیکھا کہ سمین کا رہنے والا ایک کمہار بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے اوپر ۸۰ اسی روپیہ کا جرمانہ ہو چکا ہے۔ پھر حضرت رسول اللہ نے فرمایا کہ رانجھا میاں تمھیں حکم ہے کہ عبداللہ شاہ کو اس کے گاؤں پہنچا دو۔ وہاں سے نکلے تو بھینسوں کے پاس آ گئے۔ رانجھا میاں نے کہا کہ دو دن یہیں ٹھہرو۔ بھینسوں کا دودھ پیو پھر تمھیں تمہارے گھر پہنچا دوں گا۔

دو دن وہ وہیں ٹھہرا۔ تیسرے دن رانجھا میاں نے کہا تم اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دو اور آنکھیں بند کرو۔ اس نے ہاتھ دے دیا اور آنکھیں بند کرلیں۔ رانجھا میاں نے کہا کہ اب میرا ہاتھ چھوڑ دو اور آنکھیں کھول دو۔ اس نے جب آنکھیں کھول لیں تو دیکھا کہ میں سمین کے شہر میں کھڑا ہوں۔ سب لوگوں نے دیکھا کہ عبداللہ شاہ آ گیا ہے۔ کمہار روتا ہوا عبداللہ شاہ کے پاس آیا کہ فلاں جگہ ایک بڑھئی کے گھر چور گھس آئے تھے اور چور کے پاؤں کے نشان میرے گھر کے پاس سے گزریں ہیں۔ اب حکومت نے حکم دیا ہے کہ ۸۰ اسی روپے میں جرمانہ بھروں۔ میرا کوئی قصور نہیں ہے، اللہ کے لیے مجھے بچاؤ۔ عبداللہ شاہ نے کہا کہ میں تم سے یہ جرمانہ معاف نہیں کروا سکتا کیوں کہ یہ تو حضور صلعم کے سامنے تجھ پر لگایا گیا ہے۔ جاؤ یہ جرمانہ بھر دو۔

دانا آدمی

ایک بادشاہ نے دریافت کیا کہ بارہ میں سے دو نکال دیے جائیں تو کتنے رہ جائیں گے؟

ایک سمجھ دار اور دانا شخص نے کہا کہ دو جب نکل جائیں تو کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔
ساون اور چیت کے مہینے اگر بارش نہ ہو تو بارہ مہینے کچھ کام کے نہیں۔

اس پر بادشاہ نے کہا تم عقل مند آدمی ہو، میرے وزیر بن جاؤ۔

ہر چیز کا تخم

ایک بادشاہ نے اپنے وزیر کو حکم دیا کہ مجھے ہر چیز کا بیج لا کر دو۔

وزیر گھر آیا اور پریشان ہو کر بیٹھ گیا۔

اس کی بیٹی نے اس سے پوچھا کہ آپ کیوں حیران پریشان ہیں؟

باپ نے جواب دیا میں اس لیے پریشان ہوں کہ بادشاہ نے مجھے حکم دیا ہے، صبح سورج نکلنے تک مجھے ہر چیز کا بیج لا کر دو۔ مجھے اتنا بیج کہاں سے ہاتھ آئے گا۔

اس کی بیٹی نے کہا آپ پریشان نہ ہوں۔ صبح ہوتے ہی میں بیج آپ کو لا کر دوں گی۔ ابھی آپ آرام سے سو جائیں۔

وزیر جا کر سو گیا مگر اسے نیند نہ آئی۔ دل میں بہت پریشان تھا کہ معلوم نہیں صبح میری بیٹی تمام چیزوں کا بیج لا کر دے گی یا نہیں۔

جب رات کٹ گئی تو صبح سویرے بیٹی نے پانی کے ایک برتن میں پانی ڈال کر باپ کو دے دیا۔

وزیر لے کر بادشاہ کی خدمت میں گیا اور کہا جناب بیج یہی ہے۔

بادشاہ نے کہا، بے شک تم بہت عقل مند ہو، کیوں کہ جب پانی ہو تو بیج کام دے گا، اگر پانی نہ ہو تو بیج کا کوئی فائدہ نہیں۔

دانائی کے قصے

تین بے مثال نیکیاں

دو بھائی تھے۔ ایک کے تین بیٹے تھے۔ ایک کی ایک بیٹی تھی۔ جس کے تین بیٹے تھے اس کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بیٹوں نے اپنے چچا سے کہا کہ اپنی بیٹی کی ہم سے شادی کر دو۔ چچا نے کہا میری بیٹی ایک ہے، تم لوگ تین بھائی ہو۔ میں بیٹی کون سے بھائی کو دوں، میں تم لوگوں کو سو سو روپیہ دیتا ہوں۔ تم لوگ جاؤ کوئی تجارت کرو اور واپس آجاؤ، جس نے زیادہ منافع کمایا، اس کو میں اپنی بیٹی دوں گا۔

یہ تینوں بھائی پیسہ لے کر کاروبار کرنے چلے گئے۔ ایک بھائی نے جا کر ایک انگوٹھی خریدی سو روپے میں۔ دوسرے نے جا کر سو روپے میں ایک اڑن کھٹولا خریدا۔ تیسرے نے جا کر سو روپے میں ایک آئینہ خریدا۔

تینوں جب ایک دوسرے سے ملے تو ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ تم نے جو سو روپے میں اڑن کھٹولا خریدا ہے، اس کی خوبی کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرے اڑن کھٹولے کی خوبی یہ ہے کہ جب اس پر کوئی بیٹھ جائے تو یہ سو پہاڑوں کا فاصلہ بہت ہی جلدی میں اڑ کر طے کر لیتا ہے۔

دوسرے سے پوچھا کہ تمہاری انگوٹھی کی خوبی کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اگر کوئی مر جائے تو اس انگوٹھی کو پانی میں ڈھولو اور پانی مردے کے منہ میں ڈالو تو وہ زندہ ہو جائے گا۔

تیسرے سے پوچھا گیا کہ تمہارے آئینے کی خوبی کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ

سو پہاڑوں کے فاصلے پر اس آئینہ کی مدد لو، تمام حال احوال معلوم ہو جائے گا۔

پھر اس نے آئینہ میں دیکھ کر بتایا کہ ہم لوگ تو کاروبار کر رہے ہیں کہ اپنے چچا کی بیٹی سے شادی کرلیں گے اور وہ مرگئی ہے، لوگ اس کو لے جا رہے ہے دفن کرنے کے لیے۔

دوسرے بھائی نے کہا کہ تم اپنا اڑن کھٹولا لاؤ تا کہ ہم لوگ اس پر چڑھ کر ابھی ادھر پہنچ جائیں۔

تینوں اڑ کر وہاں پہنچ گئے۔

پھر اسی انگوٹھی کو دھو کر پانی لڑکی کے منہ میں ڈال دیا۔ وہ زندہ ہوگئی۔

پھر وہ اپنے چچا کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ اپنی بیٹی کی ہم سے شادی کر دو۔

اس نے کہا تم لوگ جاؤ بادشاہ کے پاس، اور بادشاہ سے فیصلہ کراؤ۔ شرع کی رُو سے جس کا حق بنتا ہے، شادی اس کے ساتھ ہوگی۔

بادشاہ نے سارا قصہ سنا اور کہا کہ شرع کی رُو سے لڑکی اُسی کو ملے گی، جس نے پہلے لڑکی کی میت کو غسل دلاتے ہوئے دیکھا۔ کیوں کہ اس نے اسے برہنہ دیکھا، اسی لیے اس کی شادی اسی بھائی سے کردی۔

تین نادان

تین دیوانے بلوچ چوری کرنے نکلے اور دور کسی جگہ پہنچے۔

انھوں نے ایک سوار کو دیکھا۔ سوار ان کو سلام کر کے دور کھڑا ہو گیا۔ سوار نے دل میں سوچا یہ تین ہیں اور میں اکیلا، شاید یہ مجھ سے لڑیں۔

پھر وہ تینوں پیادے اپنی رہ پر چلے اور سوار اپنی رہ۔

تینوں پیادے آپس میں باتیں کرنے لگے۔

ہر ایک نے کہا، سوار نے مجھے سلام کیا تھا۔

حتیٰ کہ وہ آپس میں لڑنے لگے تو ایک نے کہا کہ چلو سوار ہی سے پوچھ لیتے ہیں کہ اس نے کس کو سلام کیا تھا۔

یہ تینوں جب سوار کے پیچھے پیچھے چلنے لگے تو سوار سمجھا یہ مجھ سے لڑنے کے لیے آرہے ہیں۔ سوار اپنے گھوڑے کو دوڑاتا چلا گیا اور پیادے اس کے پیچھے پیچھے چلتے گئے۔

آخر کار وہ رک گیا، پیادے بھی پہنچ گئے۔ پیادوں نے اس سے کہا کہ آپ سے ہم ایک سوال کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے سلام کس کو کیا تھا؟

گھڑسوار کو اندازہ ہو گیا کہ بے وقوف ہیں، اس نے سوچا کیوں نہ ان سے دل لگی کر لی جائے۔

سوار نے ان سے کہا کہ میں نے سلام اس کو کیا تھا جو سب سے زیادہ بے عقل ہو۔

پیادوں نے کہا، ہم اپنی بے وقوفی کی داستان سنائیں گے۔ تم دیکھ لو کون زیادہ بے عقل ہے۔

پہلے نے کہا، میں اپنے گھر میں بیوی کے ساتھ سونے لگا۔ تو میں نے بیوی سے کہا کہ گھر کا دروازہ بند کرو۔ میں نے کہا نہیں تم کرو۔ اس پہ تو تو، میں میں ہو گئی۔ آخر ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ اب جو پہلے بات کرے گا، دروازہ وہی بند کرے گا۔ ایک چور ہماری باتیں سن رہا تھا۔ وہ کھلے دروازے سے گھر میں داخل ہوا۔ اس نے گھر کی تلاشی لی۔ میں بھی دیکھ رہا تھا اور میری بیوی بھی دیکھ رہی تھی۔ ہم لوگ بولتے اسی لیے نہیں تھے کہ جو بولے گا اس کو دروازہ بند کرنا پڑے گا۔ چور نے گھر کا پورا سامان اٹھا کر گھر سے باہر رکھ دیا، پھر واپس آیا۔ اس نے توے کی سیاہی پر اپنے ہاتھ لگائے اور میری بیوی کے منہ پر سیاہی مل دی اور میرے چہرے پر بھی۔ ہم دونوں کے منہ پر وہ سیاہی مل کے باہر نکل گیا اور سامان اٹھا کر چل دیا۔ ہم نے بات نہیں کی،

اور سو گئے۔ صبح آنکھ کھلتے ہی بیوی کی نظر میرے چہرے پر پڑی تو ہنستے ہوئے بولی، میاں تمہارے منہ پر سیاہی ملی ہوئی ہے۔ تب میں نے خوش ہوتے ہوئے کہا، اب دروازہ تم بند کرو گی۔ میری بے وقوفی اتنی تھی۔

پھر دوسرے نے کہا، میری بے وقوفی یہ ہے، میری دو بیویاں تھیں۔ ایک دن ایک بیوی میرے سر سے جوئیں نکال رہی تھی۔ ایک سفید بال اسے میرے بالوں میں نظر آیا تو اس نے وہ سفید بال بھی کھینچ کر نکال دیا۔ دوسری بیوی نے کہا یہ سفید بال جو تم نے نکالا ہے، میں ہمیشہ اسے دیکھتی تھی، تم نے اسے کیوں نوچ لیا۔ تو میں نے کہا بیگم تم لڑو نہیں، تم ایک سیاہ بال نوچ لو، تو اس نے سیاہ بال نوچ لیا۔ پھر پہلی بیوی نے کہا کہ میں نے سفید بال نوچ لیا تھا، تم نے سیاہ بال کیوں نوچ لیا۔ تو میں نے کہا کہ تم لڑو مت، تم بھی ایک سیا بال نوچ لو۔ اس نے بھی ایک سیاہ بال کھینچ نکالا۔ دوسری نے کہا میں نے تو ایک بال نوچ لیا تھا، اس نے دو نکالے ہیں۔ میں نے اس سے کہا کہ تم بھی ایک اور نوچ لو۔ پھر پہلی بیوی لڑنے لگی کہ دوسری نے دونوں سیاہ بال نوچ لیے ہیں۔ میں نے ایک سفید اور ایک سیاہ نوچ لیے ہیں۔ میں نے تو ایک سیاہ اور ایک سفید کھینچ نکالے تھے۔ میں نے کہا ایک سیاہ بال نوچ لو اور ناراض نہ ہو۔ اسی طرح وہ لڑتی رہیں۔ میرے تمام بال انھوں نے نوچ لیے، اور داڑھی بھی۔ میری بے وقوفی یہی ہے کہ میں نے دونوں بیوں کو ناراض ہونے نہیں دیا۔ میرے سب بال نوچ لیے گئے اور میں گنجا بن کے بیٹھ گیا۔

پھر تیسرے آدمی نے کہا کہ میرے پاس گایوں کا ایک گلہ تھا۔ میں ایک دن انھیں چرا رہا تھا۔ ایک آدمی میرے پاس آیا۔ میں نے اس آدمی سے کہا کہ میرے لیے بیوی تلاش کرو۔ خدا کا کرنا کیا ہوا کہ ایک دن پھر وہی آدمی آیا۔ میں گایوں کو چرا رہا تھا۔ اس نے آ کر مجھ سے کہا کہ میں نے تمہاری منگنی کر دی ہے تو میں نے اسے اپنے گلہ کا تیسرا حصہّ دے دیا۔ ایک سال گزر گیا۔ وہی آدمی پھر میرے پاس لوٹا اور مجھ سے کہا کہ تمہاری شادی میں نے

کر دی ہے تو میں نے گلے کی دوسری تہائی دے دی۔ ایک مجھ سے کہا کہ تمھارے ہاں ایک لڑکا ہوا ہے۔ گلہ کا ایک تہائی جو باقی تھا، وہ بھی میں نے اسے دے دیا اور اس سے کہا کہ یہ لے جاؤ، مگر مجھ کو میری بیوی بھی دکھاؤ اور لڑکا بھی۔ یہ آدمی چل پڑا آگے آگے اور میں اس کے پیچھے پیچھے چلتا گیا۔ ایک گاؤں میں پہنچے۔ ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی اور بچے کو پنگھوڑے میں سلا رہی تھی۔ اس آدمی نے مجھ سے کہا جاؤ وہ تمھاری بیوی ہے اور اس کے ساتھ جو بچہ ہے، تمھارا بیٹا ہے۔ خود وہ یہ کہہ کر چلتا بنا۔ میں چل کر اس عورت کے قریب بیٹھ گیا۔ بچہ رونے لگا، میں نے عورت سے کہا بچے کو سلا دو۔ عورت نے خاموشی سے بچے کو سلانا شروع کیا۔ بچہ رونے لگا تو میں نے پھر کہا کہ بیگم بچے کو خاموش کرا دو۔ اس نے کہا، تمھارے قربان جاؤں، تم کون ہو جو مجھ کو حکم دے رہے ہو۔ میں نے کہا بی بی تم میری بیوی ہو، یہ میرا بیٹا ہے، میں نے تم سے شادی کرنے کے لیے ایک پورا گلہ دے دیا ہے۔ تم ناراض کیوں ہو رہی ہو۔ اس عورت نے اپنے خاوند کو آواز دی۔ اپنے بھائی کو بلایا۔ وہ جب آ گئے تو عورت نے کہا یہ بزدل مجھ کو گالیاں دے رہا ہے۔ انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور پوچھا تم ہو کون۔ میں نے کہا یہ میری بیوی ہے اور بچہ بھی میرا بیٹا ہے، میں گھر کا مالک ہوں۔ ان دونوں آدمیوں نے مجھ کو پکڑ کر خوب مارا، میرے ہاتھ باندھ دیے اور بادشاہ کے پاس لے گئے کہ یہ چور ہے۔ ایک سال میں نے قید کاٹی اور پھر آزاد ہو گیا۔ میری بے وقوفی یہی ہے۔

تب سوار نے کہا، سب سے زیادہ بے وقوف گلے کا مالک ہے۔ کیوں کہ اس نے اپنی روزی گنوائی، نہ بیوی دیکھی نہ بیٹا دیکھا۔ میں نے اس کو سلام کیا تھا۔

میاں بیوی: شیر اور گیدڑ

ایک کسان تھا۔اس نے جوار بوئی۔

جب فصل پک گئی، ایک شیر آیا اور کھیت میں گھس گیا۔

کسان ایک چھپر پر بیٹھا ہوا تھا۔شیر نے اسے کہا نیچے اترو، میں تمھیں کھا جاؤں گا۔

کسان نے کہا کہ ابھی تو میں دُبلا پتلا ہوں۔ میں ذرا کھا پی کر موٹا ہو جاؤں تو مجھے کھا لینا۔

شیر روز آتا اور کہتا میں تمھیں کھا جاؤں گا۔

کسان اس خوف سے لاغر ہوتا گیا۔

اس کی بیوی نے اس سے دریافت کیا کہ تم روز کھا پی لیتے ہو، مگر دبلے ہوتے جا رہے ہو۔

کسان نے کہا، ایک شیر روزانہ آتا ہے، مجھے ڈراتا ہے کہ تمھیں کھا جاؤں گا، میں اسی لیے دبلا ہو رہا ہوں۔ کسی نہ کسی روز شیر مجھے کھا ہی جائے گا۔

بیوی نے پوچھا، شیر کس وقت آتا ہے۔

کسان نے کہا، دوپہر کو۔

پھر اس کی بیوی نے مردانہ کپڑے پہنے۔ گھوڑے پر سوار ہوئی۔ ہتھیار بھی اٹھا لیے۔

جوار کے کھیت میں آئی۔ اس نے دیکھا کہ شیر اس چھپر کے نیچے کھڑا ہے۔

بیوی نے آواز لگائی، ''اے کسان!''

کسان نے کہا، ''جی مالک''۔

بیوی نے کہا، بادشاہ نکلا ہے شیروں کے شکار کے لیے۔ تم نے آس پاس کسی شیر کے پاؤں کے نشان دیکھے ہیں۔ پچھلے سال کے یا اس بھی پہلے کے؟

کسان نے شیر سے پوچھا، اب بتاؤ کیا کروں۔ تمہارے بارے میں بتاؤں یا نہ بتاؤں؟

شیر نے کہا، یہ بادشاہ کا وزیر ہے۔ اب مجھے فوراً بھگاؤ یہاں سے۔

کسان نے کہا تم چپ رہو۔ میں چادر تمہارے اوپر ڈال دیتا ہوں۔

شیر سو گیا اور کسان نے اس کے اوپر چادر ڈال دی۔

پھر اس نے جواب دیا؛ اے سوار! میں نے شیر کے پاؤں کے نشان نہیں دیکھے۔

سوار نے پوچھا، وہ موٹی کالی چیز کیا پڑی ہوئی ہے شال کے نیچے؟

کسان نے کہا یہ لکڑی ہے، میں نے اسے حُقہ جلانے کے لیے رکھا ہوا ہے۔

بیوی نے کہا، اس کا کچھ حصہّ مجھے کاٹ کر دے دو۔ میں بادشاہ کے لیے لے جاؤں گا، وہ بھی حقہ پیتا ہے۔

کسان نے شیر سے پوچھا، اب کیا کروں؟

شیر نے کہا، میرا کان کاٹ کے دے دو۔

کسان نے ایک کان کاٹ کر دیا۔

بیوی نے کہا کہ اس سے ذرا بڑا ٹکڑا دے دو۔

کسان نے شیر کے کہنے پر دوسرا کان بھی کاٹ کر دے دیا۔

بیوی نے غصے میں کہا، اس سے بڑا ٹکڑا کیوں کاٹ کے نہیں دیتا، اس لکڑی کے تنے سے۔

پھر شیر نے کہا، اب میری دُم کاٹ کر دے دو۔

دُم بھی کاٹ کر دے دی۔

بیوی نے کہا تم تھوڑا سا کاٹتے ہو۔ تم چھوڑو میں خود کاٹ لوں گا۔

یہ سُنتے ہی شیر بھاگ ایسا کھڑا ہوا کہ پیچھے مڑ کر نہ دیکھا۔

راستے میں سامنے اس کے ایک گیڈر آیا۔

اس نے شیر سے پوچھا، تمہارے کان بھی کٹے ہوئے ہیں اور دُم بھی کٹی ہوئی ہے۔ خون بہہ رہا ہے اور تم بھاگ رہے ہو۔ یہ تمھیں کیا ہو گیا ہے؟

شیر نے کہا کہ بادشاہ کی فوج نے مجھ پر حملہ کیا ہے۔ میرے کان کاٹ دیے ہیں اور دُم بھی کاٹ لی ہے، بس خدا نے میری جان بچائی ہے۔

گیدڑ جو ساری کہانی سے واقف تھا، بولا، اے بزدل تجھ کو ایک عورت نے ڈرایا ہے، نہ بادشاہ ہے نہ فوج ہے۔ ایک عورت نے تمہارے کان بھی کاٹ ڈالے اور دُم بھی۔

شیر نے کہا، میں نے اپنی آنکھوں سے فوج اور وزیر دیکھا ہے۔

گیدڑ نے کہا، یہ عورت تھی، آؤ میں تمھیں دکھتا ہوں۔

شیر نے کہا، میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ لیکن ایک رسی تم اپنے گلے میں ڈالو اور اس کا سرا میرے گلے میں بھی تا کہ بھاگنے میں آسانی رہے۔

گیدڑ نے اس کی بات مان لی۔ ایک رسی اپنے گلے میں اور شیر کے بھی گلے میں ڈالی اور دونوں ساتھ ساتھ چلے۔

سوار نے دیکھا شیر کو گیدڑ کھینچتا ہوا لا رہا ہے۔

اس نے گیدڑ سے پوچھا کہ تم نے بادشاہ سے وعدہ کیا تھا کہ میں چودہ شیر تمہارے پاس لاؤں گا۔ اب صرف ایک لا رہے، ہو وہ بھی کان کٹا۔

یہ سنتے ہی شیر بھاگ کھڑا ہوا اور گیدڑ کو گھسیٹتا چلا گیا۔

گیدڑ کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ ٹانگیں بھی ٹوٹ گئیں اور وہ مر گیا۔

شیر اپنے کٹے ہوئے کان اور دُم کے بغیر بھاگ گیا۔

کسان اور اس کی بیوی جوار کے کھیت میں خوشی خوشی رہنے لگے۔

عورت کس کی ہوگی؟

چار لوگ سفر پہ نکلے۔ ان میں سے ایک بڑھئی تھا، دوسرا درزی، تیسرا سنار اور چوتھا ایک سید۔

راستے میں انھیں رات پڑ گئی۔ لٹیروں کا خدشہ تھا۔ اس لیے طے یہ پایا کہ رات کے ایک ایک پہر تک ایک شخص پہرہ دے گا اور تین سوئیں گے۔ اس طرح سب آرام بھی کر لیں گے اور محفوظ بھی رہیں گے۔

پہلے پہر بڑھئی کی باری آئی۔ بڑھی نے سوچا کہ رات کٹتی نہیں کوئی کام کرنا چاہیے۔ اس نے اپنے اوزار لیے اور ایک لکڑی لے کر ایک عورت کا بُت بنانا شروع کیا۔ بہت خوب صورت طریقے سے اس نے لکڑی کو بُت میں بدل دیا اور اس کے پہرے کا وقت پورا ہو گیا۔

اس کے بعد درزی کی باری آئی۔ درزی نے باہر آ کر دیکھا کہ کسی آدمی کا بُت بنا ہوا ہے۔ اس نے سوچا کیوں نہ اس کے لیے کپڑے سی لوں اور پہناؤں۔ یوں وقت بھی کٹ جائے گا۔ اس طرح اس نے کپڑے سی کر پہنائے اور اس کی چوکیداری کا وقت پورا ہو گیا۔

اس کے بعد سُنار کی باری آئی۔ اُس نے جو بت دیکھا تو سوچا کیوں نہ اس کے لیے زیور بنائے جائیں۔ اس نے زیور بنائے اور بُت کو پہنائے۔

اس کے بعد سیّد کی باری آئی۔ اس نے جو ایک خوب صورت عورت کا بت دیکھا تو سوچا کاش کہ اس میں جان ہوتی۔ یہ سوچ کر اس نے عبادت شروع کی اور اللہ سے دُعا کی کہ اے اللہ، میری ساری عمر کی عبادت کے بدلے اس بُت میں جان ڈال دے۔

سید کی دعا پوری ہوئی، اور بُت میں جان آ گئی۔

اتنے میں صبح ہو گئی۔

اب یہ چاروں شخص آپس میں لڑنے لگے۔ ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ یہ عورت میری ہے۔

جھگڑا بڑھ گیا تو انھوں نے طے کیا کہ علاقے کے قاضی کے پاس جاتے ہیں اور اس سے انصاف کی درخواست کرتے ہیں۔

چنانچہ وہ اپنا مقدمہ قاضی کے پاس آئے اور درخواست کی آپ فیصلہ کریں کہ یہ عورت کس کی ہے۔

قاضی نے قصہ سننے کے بعد کہا کہ سید کی تو نہیں ہوسکتی کیوں کہ سید نے دعائے نیک کی، جیسے کوئی بھی بیمار ہو جائے، سید کو لے جاتے ہیں۔تو یہ ایسے ہے جیسے جب مریض تندرست ہو جائے تو سید دعویٰ کرے کہ یہ میرا ہے۔ بڑھئی اور سُنار نے بھی اپنی ہنرمندی دکھائی ہے۔ درزی نے کپڑے پہنائے اور وہ بازی لے گیا۔ وہ دولہا ہوگا، کیوں کہ اس نے دلہن کو کپڑے پہنائے ہیں۔ عورت اس کی ہوگی، جس نے اسے کپڑے پہنائے۔

پیغمبروں کے قصے

پیغمبر کی مصیبتیں

ایک تھا پیغمبر۔ اللہ کا حکم ہوا کہ تمھیں مصیبت میں ڈالتا ہوں۔ تم خود بتاؤ کہ تمہارے اوپر یہ مصیبتیں جوانی کے دن پڑ جائیں یا بڑھاپے میں۔

پیغمبر نے جواب دیا کہ میں اپنی بیوی سے مشہورہ کرتا ہوں۔

پیغمبر نے اپنی بیوی سے پوچھا تو بیوی نے بتایا کہ جو مصیبتیں بڑھاپے میں ہمارے اوپر آئیں گی وہ چاہے اب آجائیں، سب اللہ کی مرضی پر ہے۔

جب اللہ سے وہ بے نیاز ہو گئے تو ان کے مال دولت سب ختم ہو گئے۔

بیوی نے اپنے شوہر سے کہا یہاں پر تو سب ہمیں جانتے ہیں کہ پہلے ہم خوش حال تھے اور سب ہمارے نام سے واقف تھے، اب یہاں پر گزارہ کرنا مشکل ہے۔ ایسی جگہ چلے جہاں کے لوگ ہمیں نہ جانتے ہوں۔

ان کے دو بیٹے بھی تھے۔

اپنا وطن چھوڑ کر کسی اور جگہ چلنے لگے۔ کئی دن اور کئی رات سفر کرتے رہے۔

ایک شہر کے قریب جب رات کو ٹھہرے کھانا پکا کر کھایا۔ میاں بیوی نے دونوں بیٹوں کو درمیان میں سلایا اور خود بھی سو گئے۔ اس شہر میں چور گھس آئے۔ سوداگروں کا ایک قافلہ بھی وہاں آکر ٹھہر گیا۔ سوداگر کے چوکیدار چاروں طرف پہرہ دینے لگے۔ انھوں نے گشت کرتے کرتے ان چار لوگوں کو دیکھا جن کے چہروں سے نور ٹپک رہا تھا۔ چوکیداروں نے جا کر سوداگر کو بتایا۔ سوداگر نے ان سے کہا کہ تم لوگ کسی نہ کسی طرح اس عورت کو سوتے میں

سے اٹھا کر میرے پاس لے آؤ۔

وہ اسے صندوق میں ڈال کر لے آئے۔

جب صبح ہوئی اور پیغمبر جاگ اٹھا تو اس کی بیوی غائب تھی۔ اپنے دو بیٹوں کو لے کر وہ چلنے لگا۔ سوداگر بھی اپنا مال سامان گھوڑوں پر لاد کر کسی اور سمت چل دیا۔ اس شخص کی بیوی بھی ساتھ لے گیا۔

پیغمبر اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ دریا پار کر کے کنارے پہنچا۔ کوئی بیٹا اکیلا رکنے کے لیے تیار نہ تھا۔ پیغمبر نے ایک بیٹے کو ایک جگہ باندھ دیا۔ دوسرے بیٹے کو اٹھا کر دریا پار کیا اور دوسرے بیٹے کو لانے کے لیے جب گیا تو دیکھا اس کا ایک بیٹا دریا کے اس کنارے رو رہا تھا اور دوسرا بیٹا دوسرے کنارے پر۔ ایک دھوبی پکڑے دھونے آیا تو اس نے لڑکے سے پوچھا کیوں رو رہے ہو؟ لڑکے نے سب بتا دیا تو دھوبی نے کہا تم روؤ مت بیٹا، میں ابھی جا کر تمہارے بھائی کو لاتا ہوں۔ چنانچہ دھوبی نے دوسرے بھائی کو لا کر اس سے ملایا۔ کپڑے دھو کر وہ شام کو اپنے گھر آیا اور دونوں لڑکوں کو بھی ساتھ لایا۔

اسی روز ایک مچھیرے نے دریا میں جال ڈال دیا تھا۔ جب اس نے جال اوپر اٹھایا تو اس میں ایک آدمی پھنسا ہوا تھا۔ آدمی زندہ تھا، مچھیرا اسے اپنے گھر لایا اور اس علاج کرتا رہا۔ کچھ دنوں میں آدمی صحت یاب ہوا۔

خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس ملک کا بادشاہ مر گیا اور وہاں کا دستور تھا کہ ایک باز اڑاتے تھے، وہ جس کے سر پر بیٹھتا اسی کو بادشاہ بناتے۔

لوگ جمع ہو گئے تھے۔ باز اڑایا گیا اور وہ آ کر اس پیغمبر کے سر پر بیٹھ گیا۔

لوگوں نے کہا، یہ کیسے؟ یہ تو باہر سے آیا ہے، ہمارے ملک کا باشندہ بھی نہیں۔ اسے ہم بادشاہی نہیں دیں گے۔

دوسرے دن پھر لوگ جمع ہوئے۔ پھر باز اڑایا گیا۔ وہ پھر آ کر پیغمبر کے سر پر بیٹھ

گیا۔ پھر لوگوں نے کہا یہ غلط ہے، ہم اسے بادشاہی نہیں دیں گے۔ تیسرے دن پھر اسی طرح باز پیغمبر کے سر پر بیٹھ گیا تو سمجھ دار لوگوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ بادشاہی تو خدا کے ہاتھ میں ہے، خدا نے ہی اسے بخشا ہے۔

اس طرح پیغمبر اس ملک کا بادشاہ بن بیٹھا۔

چند سال گزر گئے۔ وہ بادشاہی کرتا رہا۔

ایک روز وہی سوداگر جو پیغمبر کی بیوی بھگا کر لے گیا تھا، قافلہ کے ساتھ اسی شہر میں آ کر ٹھہرا۔ سوداگر نے بادشاہ سے کہہ دیا کہ آج ہمارے اوپر پہرہ دینا آپ کے ذمے ہے۔ بادشاہ نے لوگوں سے کہا کہ آدمی دے دو تا کہ پہرہ دیں۔ دھوبی سے بھی ایک لڑکا جو کہ پیغمبر کا بیٹا تھا، پہرہ دینے کے لیے بھیجا مگر دونوں بھائی ساتھ چلے گئے۔ دونوں بھائیوں نے دوسرے دو پہرہ داروں سے کہا کہ رات کے پہلے پہر تم لوگ پہرہ دو اور پچھلے پہر ہم پہرہ دیں گے۔

جب ان کی باری آئی تو چھوٹے بھائی نے بڑے بھائی سے کہا کوئی کہانی سناؤ ورنہ نیند آجائے گی۔

بڑے بھائی نے کہا اور کوئی تو مجھے نہیں آتی، اپنی کہانی سناتا ہوں۔ ہم دونوں اس دھوبی کے بیٹے نہیں بلکہ ہمارے ماں باپ ہم سے جدا ہو گئے ہیں۔ ایک رات ہم لوگ اسی شہر کے قریب سو گئے تھے۔ ہماری ماں صبح غائب ہو گئی۔ باپ نے ہمیں ساتھ لیا اور تمھیں دریا کے ایک کنارے باندھا، مجھے پار کرایا جب تمھیں لینے آیا تو وہ دریا کے بیچ پانی میں غائب ہو گیا۔ خدا جانے اسے پانی بہا لے گیا یا کچھ اور ہوا۔

پیغمبر کی بیوی جو سوداگر کے گھر میں تھی، یہ ساری باتیں سن رہی تھی۔ وہ سمجھ گئی کہ یہ میرے بیٹے ہیں۔ اس نے اپنے گلے کا ہار چھپایا اور جب صبح ہوئی تو سوداگر نے بادشاہ سے شکایت کی کہ میری چوری ہو گئی ہے۔ بادشاہ نے تمام پہرہ دار بلائے اور اس عورت سے پوچھا کہ تمھیں معلوم ہے، تمہاری چوری رات کے کس وقت ہوئی ہے۔ عورت نے جواب دیا پچھلے

پہر کو۔دوسرے پہرہ داروں نے بتایا کہ اس وقت تو دھوبی کے بیٹے پہرہ دے رہے تھے۔

ان دونوں لڑکوں کو بلایا گیا۔عورت نے کہا وہی کہانی جو رات سنا رہے تھے، پھر سے سناؤ تا کہ بادشاہ بھی سن لے۔

بڑے لڑکے نے پھر وہی کہانی سنائی۔

بادشاہ سمجھ گیا کہ میرے بیٹے ہیں۔ماں نے تو پہلے پتہ لگایا تھا۔

عورت نے کہا آپ ملک کے بادشاہ ہیں۔ یہ لڑکے میرے ہیں۔سوداگر مجھے بھگا کر لے گیا تھا۔

بادشاہ نے دونوں بیٹوں کو گلے لگایا۔ان کی ماں کو بھی اپنے ہاں لے گیا۔سوداگر کو پھانسی دے دی اور اس کا سارا مال اور قافلہ ضبط کرلیا۔

پہلے خدا نے اسے مصیبت میں ڈالا۔ پھر اسے خوش حال بنایا۔

ادریس پیغمبر اور اس کے چالیس بیٹے

ایک پیغمبر تھا؛ اس کا نام ادریس تھا۔ اس کے پاس مال اور دولت بہت زیادہ تھی مگر اولاد کوئی نہ تھی۔ روزانہ وہ فقیروں سے دعائیں کرواتا کہ اللہ اس بیٹا عطا کرے۔

ایک دن ایک فقیر نے آکر صدا لگائی، ادریس پیغمبر اللہ کی راہ میں مجھے کچھ دے دو۔

انھوں نے کہا، میں نے روزانہ خدا کی راہ میں خیرات کی ہے، اب میں نہیں کروں گا، کیوں میرے ہاں بیٹا پیدا نہیں ہوا۔

فقیر نے بتایا میں تمہارے لیے دعا کروں گا، اللہ تمھیں بیٹا دے گا۔ اس نے دعا کی اور کہا کہ اللہ نے تمھیں ایک ہی دن چالیس بیٹے عطا کیے ہیں۔

پیغمبر کی بیوی حاملہ ہوگئیں اور چالیس بیٹے ان کے ہاں پیدا ہوئے۔

پیغمبر نے اپنی بیوی سے صلاح مشورہ کیا کہ چالیس بیٹوں کا پالنا ہمارے لیے مشکل ہے۔ اس لیے ہم اس طرح کرتے ہیں کہ ایک بیٹا خود پالتے ہیں اور باقی انتالیس کو جنگل میں جا کر چھوڑ دیتے ہیں۔

بیوی نے ایک بیٹا گھر میں رہنے دیا اور دوسروں کو جا کر جنگل میں چھوڑ کر آ گئے۔

ایک سال گزرا۔ ایک دن ایک چرواہا اپنے ریوڑ کو چراتے چراتے اس جگہ آنکلا، جہاں پیغمبر نے بیٹوں کو چھوڑ دیا تھا۔ چرواہے نے دیکھا اُنتالیس بچے کھیل رہے ہیں۔ چرواہا ڈر گیا۔ وہ حیران تھا کہ اس جنگل میں یہ بچے کہاں سے آئے۔ یہ جن بھوت ہے یا کوئی اور بلا۔

شام کو اس نے اپنے مالک کو بتایا کہ میں نے چالیس بچے جنگل میں دیکھے ہیں ،معلوم نہیں یہ کیا چیز ہیں۔ سب لوگوں کو پتہ چل گیا۔ انھوں نے جا کر ادریس پیغمبر کو بتایا تو انھوں نے کہا، میں خود جا کر چرواہے سے پوری بات معلوم کرتا ہوں۔ دل میں تو جانتا تھا کہ یہ میرے ہی بچے ہوں گے۔

انھوں نے جا کر چرواہے سے پوچھا۔ چرواہے نے بتایا، میں اپنے ریوڑ کو لے کر آپ کے ساتھ چلتا ہوں اور وہ جگہ آپ کو دکھاتا ہوں۔ ادریس پیغمبر چرواہے کے ساتھ چل دیے۔ چرواہے نے وہی جگہ بتائی مگر وہاں کوئی بھی نہ تھا، البتہ ان کے پاؤں کے نشان تھے۔ ادریس پیغمبر وہی بیٹھ گئے۔ چرواہا اپنی بکریاں لے کر چلا گیا۔

اس کے بعد ادریس پیغمبر نے دیکھا کہ بچے نکل کر آرہے ہیں۔ سب ایک جیسے لگتے ہیں۔ جب سب بچے آ گئے تو ادریس پیغمبر نے ان سے کہا، میں تم لوگوں کا باپ ہوں، تم میرے بیٹے ہو۔ مگر بچے سب بھاگ گئے۔ ادریس پیغمبر نے کہا تم لوگ مت بھاگو، میرے قریب آجاؤ۔ مگر بچے واپس نہیں آئے اور بھاگ گئے۔ ادریس پیغمبر ایک دن ایک رات وہیں ٹھہر گئے کہ شاید پھر اسی جگہ کھیلنے آجائیں مگر بچے بالکل نہیں آئے۔

ادریس واپس گھر آ گئے۔ ایک مُلا کو سارا حال بتایا اور پوچھا، اب یہ بچے دوبارہ کیسے میرے پاس آسکیں گے؟ ملا نے بتایا اور کوئی صورت نہیں ہے۔ ان کی ماں اور وہ بیٹا جو آپ کے پاس ہے، وہیں پر جائیں اور بیٹے کو وہیں پر کھیلنے کے لیے چھوڑ دے۔ ماں چھپ جائے۔ دیکھیں، شاید بچے اپنے بھائی کو دیکھ کر کھیلنے آجائیں اور وہیں رک جائیں۔ جب وہ آجائیں تو ان کی ماں باہر آجائے اور بیٹھ جائے۔ اگر بچے بھاگنے لگیں تو انھیں کہہ دے کہ میں نے دس مہینے تمھیں پیٹ میں پالا۔ میرا تمھارے اوپر حق ہے، میرا حق مجھے دے دو۔ کسی اور طریقے سے بچے ہاتھ نہیں آئیں گے۔

ماں بیٹے کو لے کر اس جگہ چلی گئی جہاں بچے کھیلنے آتے تھے۔ بیٹے کو وہیں چھوڑ دیا، خود چھپ کر بیٹھ گئی۔ وہ سارے بچے نکل آئے اور اپنے بھائی سے کھیلنے لگے۔ ماں جب ظاہر ہوئی تو بچے پھر بھاگنے لگے۔ ماں نے کہا میں نے دس مہینے تمھیں اپنی کوکھ میں رکھا، تم لوگ بھاگو نہیں، میرا حق مجھے واپس کر دو۔

بچے واپس آ گئے۔ ماں نے انھیں دلاسہ دیا۔ مٹھائی جو وہ ساتھ لے گئی تھی، انھیں

کھلانے پلانے لگی اور اس طرح بچے ان سے مانوس ہو گئے اور وہ انھیں اپنے ساتھ گھر لے آئی۔

ادریس پیغمبر بہت خوش ہوئے۔ اللہ کی راہ میں انھوں نے بہت کچھ خیرات کر ڈالا۔ تمام چالیس بیٹے قرآن پڑھتے اور مسجد میں نماز پڑھنے جاتے۔ اللہ کے فرشتے عزرائیل کو حکم ملا کہ ان سب بچوں کو ایک ہی وقت میں مار ڈالو۔

چند دن کے بعد وہ چالیس کے چالیس مر گئے، انھیں لے جا کر دفنایا گیا۔ ادریس پیغمبر نے اپنی بیوی سے کہا، اب اس جگہ رہنا ہمارے لیے مشکل ہے، تم یہاں پر رہتی ہو تو رہو، میں چلا جاتا ہوں۔

ادریس پیغمبر وہاں سے چلا گیا اور کسی جنگل میں جا کر سو گیا۔ دوسرے دن بھی چلتا گیا۔ ایک جگہ اس نے دیکھا کہ خربوزے کا کھیت ہے۔ اس نے ایک خربوزہ اٹھایا، سوچا آگے کہیں پر بیٹھ کر کھاؤں گا۔ ذرا دور اس نے دیکھا، چند گھوڑے سوار میرے پیچھے آرہے ہیں۔ سواروں نے سلام کے بعد ادریس پیغمبر سے پوچھا، بادشاہ کا بیٹا گم ہو گیا ہے، تم نے تو نہیں دیکھا۔ ادریس نے جواب دیا، نہیں میں نے یہاں کچھ نہیں دیکھا۔ سواروں نے پوچھا یہ تمہاری چادر میں کیا چیز بندھی ہے۔ تو اس نے بتایا یہ ایک خربوزہ ہے۔ سواروں نے کہا اسے کھول دے، ہم دیکھیں گے۔ جب اس نے چادر کھولی تو دیکھا کہ بادشاہ کے بیٹے کا سر ہے۔ انھوں نے ادریس پیغمبر کو پکڑا کہ تم نے بادشاہ کے بیٹے کو مار ڈالا ہے، یہ اس کا سر ہے جو تم اٹھائے ہوئے تھے۔

اس طرح وہ ادریس پیغمبر کو بادشاہ کے پاس لے گئے۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کے ہاتھ بھی کاٹ دو اور پاؤں بھی۔ آنکھیں بھی نکال دو اور جا کر کہیں پھینک دو۔

ایک کہار نے بادشاہ سے عرض کی کہ میری اولاد کوئی نہیں، بادشاہ باراض نہ ہو تو لے جا کر اس کا علاج کراؤں اور پالوں۔ بادشاہ نے اجازت دے دی کہ تم لے جا کر اسے پالو۔

کمہار اسے لے گیا۔ علاج کرایا اور تندرست ہو گیا۔ ادریس پیغمبر نے کہا، میرا تم نے علاج کرایا اب مجھے اس کنوئیں کے پاس بٹھا دو۔ میں وہاں سے بیلوں کو بھگا دوں گا کہ کنوئیں کو خراب نہ کریں۔

کمہار نے اسے کنوئیں کے پاس جا کر بٹھا دیا۔ بادشاہ کا محل بھی قریب تھا۔ بادشاہ کی بیٹی صبح سویرے اٹھ کر قرآن کی تلاوت کرتی تھی۔ ادریس پیغمبر نے اس کی آواز سنی تو خود بھی قرآن کی تلاوت کرنے لگا۔ بادشاہ کی بیٹی نے تلاوت بند کر دی اور اس کو سننے لگی کیوں کہ وہ بہت اچھا پڑھتا تھا۔ ہر صبح اس طرح ہوتا رہا۔ ایک روز بادشاہ کی بیٹی نے اپنے باپ سے کہا ،اب میری شادی کا بندوبست کرو، لوگوں کو جمع کرو، میں ان میں سے کسی کو پسند کروں گی۔ بادشاہ نے لوگوں کو بلایا۔ بہت سارے لوگ جمع ہو گئے۔ ادریس پیغمبر نے کمہار سے کہا مجھے بھی ساتھ لے چلو۔ کمہار نے اسے کسی ٹوکرے میں ڈالا اور جا کر وہیں رکھ دیا۔ بادشاہ کی بیٹی نے ایک گلاس میں پانی ڈالا اور کنیز سے کہا، جاؤ یہ اس لولے لنگڑے آدمی کو پلاؤ۔ نوکرانی نے پانی جا کر اس کو پلایا۔ بادشاہ کو یہ بالکل پسند نہیں آیا۔ اس نے کہہ دیا، آج یہ مجمع ٹھیک نہیں تھا۔ کل پھر لوگ جمع ہو جائیں۔

دوسری دفعہ پھر بادشاہ کی بیٹی نے نوکرانی کو پانی دے کر اسی لولے لنگڑے کے پاس بھیجا۔ اب بادشاہ سمجھ گیا کہ میری بیٹی کا دل اس پر آ گیا ہے اور اسی سے شادی کرنا چاہتی ہے۔ چنانچہ اس نے اس کی شادی کر دی اور محل میں لے گیا۔ اس کو کھلاتے پلاتے رہے۔

ایک دن تین آدمی بادشاہ کے پاس آئے۔ وہ انصاف چاہتے تھے۔ بادشاہ نے کہا، میں وضو کر لیتا ہوں، اس کے بعد تم لوگوں کا فیصلہ کروں گا۔ تم لوگ بیٹھ جاؤ۔ آدمیوں نے کہا ، بادشاہ ہمارا فیصلہ نہیں کرتا تو چلیں ادریس پیغمبر کے پاس، وہ ہمارا فیصلہ کریں گے۔ بادشاہ نے بھی یہ بات سن لی۔

وہ آدمی چلنے لگے تو بادشاہ نے اپنا کوئی آدمی ان کے پیچھے پیچھے بھیجا کہ دیکھو یہ کہاں

جاتے ہیں اور ادریس پیغمبر کہاں ہے۔ یہ لوگ بادشاہ کے داماد کے پاس گئے۔ سلام کیا اور کہا ادریس پیغمبر آپ ہمارا فیصلہ کریں۔

حضرت ادریس نے کہا، تم لوگ ہو کون؟

ایک نے کہا، میرا نام صحت ہے۔

دوسرے نے کہا، میرا نام بخت ہے۔

تیسرے نے کہا، میرا نام عقل ہے۔

ادریس پیغمبر نے کہا، میں بڑی بے چینی سے تمہارا انتظار کر رہا تھا۔ اب میں بہت خوش ہوں۔ ادریس پیغمبر نے اسے گلے لگایا تو وہ صحت یاب ہو گیا اور وہ تین شخص غائب ہو گئے۔ لوگوں نے جا کر بادشاہ کو مبارک بادی کہ تمہارا داماد صحت یاب ہوا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور ادریس پیغمبر کو ملنے کے لیے آیا۔ ادریس پیغمبر نے اپنا سارا حال کہہ سنایا، اور کہا ان وہ سر جو دفنایا گیا ہے اسے پھر سے نکال کر دیکھیں۔

جب جا کر وہ جگہ کھودلی گئی تو دیکھا ایک خربوزہ پڑا ہوا ہے۔ بادشاہ پریشان ہوا کہ میں نے بڑا ظلم کیا تھا۔

ادریس نے کہا، تم پریشان نہ ہو میرے ساتھ یہ سب کچھ اللہ نے کیا ہے۔ اب اس طرح کرو تم بھی دعا مانگو میں بھی دعا مانگتا ہوں، تمہارا بیٹا زندہ سلامت ہوگا تو واپس آجائے گا۔

اللہ کی بارگاہ میں انھوں نے دعا مانگی۔ دو ایک روز بعد لوگ بادشاہ کو مبارک باد دینے آگئے کہ تمہارا بیٹا شادی کر کے آرہا ہے۔ بادشاہ تو بہت خوش ہوا۔ اس نے پھر دعا مانگی۔

ادریس پیغمبر نے کہا، اب میں اپنے ملک جاؤں گا۔ بادشاہ نے کہا، ہاں جاؤ میری بیٹی بھی تمہارے ساتھ جائے گی۔ گھڑ اسوار تمہاری مدد کے لیے ساتھ کر دوں گا۔

ادریس پیغمبر اپنے وطن پہنچا۔ اس نے دیکھا میرے چالیس بیٹے پھر سے زندہ ہو گئے ہیں، اور مسجد میں نماز پڑھ رہے ہیں۔ وہ بھی بہت خوش ہوا۔ اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ

اللہ کی عبادت کرنے لگا۔

اس کی عبادت اور رضا دیکھ کر اللہ نے ادریس پیغمبر سے کہا، ایک دن تمھیں اپنا دیدار کراؤں گا مگر تم وعدہ کرو کہ مجھے ایک دفعہ دیکھو گے، پھر چلے جاؤ گے۔ ادریس پیغمبر اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے حضور بیٹھ گیا۔ اللہ نے کہا اب جاؤ۔ وہ باہر نکلا کہ جاؤں مگر اللہ کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ باہر نکلا پھر واپس آ گیا۔ اللہ نے پوچھا، واپس کیوں آئے۔ اس نے کہا میرا جوتا رہ گیا تھا۔ جھوٹ بول کر وہ پھر آ کر بیٹھ گیا۔ اللہ نے کہا، تم نے وعدہ کیا تھا کہ میں واپس جاؤں گا۔ اب جاتے کیوں نہیں۔ ادریس پیغمبر نے کہا، میں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ میں جاؤں گا، میں نے اپنا وعدہ پورا کیا ہے۔ باہر نکلا ہوں اور اب واپس آ گیا ہوں۔

وہ وہیں اللہ کے حضور بیٹھا رہا اور دنیا میں واپس نہیں آیا۔

حضرت موسیٰ پیغمبر کی کہانی 1

حضرت موسیٰ اللہ کے پیارے دوست تھے۔ انھوں نے جا کر اللہ سے عرض کیا کہ آپ امت کے خدا ہیں مگر آپ کی امت میں سے کوئی امیر ہے کوئی غریب ہے، کوئی خوش حال ہے کوئی بد حال۔ آپ اپنی ساری امت کو امیر بنا دیں۔

اللہ نے فرمایا، تمہاری یہی صلاح ہے تو میں ایسا کرتا ہوں۔

اللہ کے لیے ساری مشکلیں آساں ہیں۔ سب لوگ امیر اور آسودہ ہو گئے۔

حضرت موسیٰ اپنے گھر آ گئے۔

پھر حضرت موسیٰ نے کچھ لوگوں سے کہا کہ آپ لوگوں کو مزدوری کے پیسے دیتا ہوں، میرا مکان بناؤ۔

سب نے کہا، ہم کام نہیں کرتے کیوں کہ سب دولت مند تھے۔

حضرت موسیٰ اپنے دل میں پریشان ہونے لگا کہ پہلے میں نے اللہ سے عرض کیا اور اللہ نے سب کو خوش حال بنایا۔ میرے مکان بنانے کے لیے کوئی بھی تیار نہیں، میں کیا کروں۔

وہ پھر غمگین ہو کر اللہ کے پاس پہنچا۔

اللہ نے کہا، موسیٰ تم میرے دوست ہو، کیوں پریشان ہو؟

حضرت موسیٰ نے جواب دیا کیا بتاؤں۔ میں نے آپ سے گزارش کی تھی کہ سب لوگوں کو خوش حال بناؤ۔ اب میرا مکان گر گیا ہے، اُسے کوئی بھی نہیں بناتا۔

اللہ نے کہا، تم نے مجھ سے کہا سب کو خوش حال کردو۔ جب سب خوش حال ہوں گے تو کام نہیں چلے گا۔ اب تیرا مکان کون بنائے گا۔

حضرت موسیٰ نے عرض کیا، جناب سب کو پہلے کی طرح کر دیں۔

پھر ایسا ہی ہوا؛ کوئی امیر رہا اور کوئی بھوکا۔

موسیٰ پھر کر اپنے گھر آیا۔لوگوں کو بلایا کہ آؤ میرا مکان بناؤ۔

کافی مزدور جمع ہو گئے۔مکان بنانے لگے۔

یوں حضرت موسیٰ کا مکان بن گیا۔

حضرت موسیٰ کی کہانی 2

ملا، فقیر، ہرن اور ناگ

حضرت موسیٰ پیغمبر کہیں جا رہے تھے۔ ایک مُلا ان کے سامنے آیا۔ ہاتھ میں لوٹا لیے وضو اور نماز کی تیاری کر رہا تھا۔ حضرت موسیٰ سے اس نے کہا، آپ کہاں جا رہے ہیں۔ موسیٰ نے کہا، میں حضور کے پاس جا رہا ہوں۔ ان سے یہ پوچھ لو کہ ہم اتنی عبادت کرتے ہیں، نمازیں پڑھتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، ہمارے لیے جگہ بہشت میں ہے کہ دوزخ میں۔

حضرے موسیٰ آگے بڑھے۔ انھوں نے دیکھا ایک فقیر کھڑا ہے؛ ایک ڈنڈا اس کے ہاتھ میں ہے۔ بھنگ پی چکا ہے اور ہوش میں نہیں ہے۔ فقیر نے پوچھا موسیٰ پیغمبر کہاں جا رہے ہو۔ انھوں نے جواب دیا حضور کے پاس جا رہا ہوں۔ اس نے کہا، حضور سے میرے بارے میں پوچھ لیں کہ میں جنت میں جاؤں گا یا دوزخ میں۔

آگے بڑھے تو ایک خشک ویران میدان میں اسے ایک ہرن نظر آئی جو ایک ٹانگ سے لنگڑی تھی۔ ہرن نے حضرت موسیٰ سے پوچھا کہاں جا رہے ہیں؟ حضرت موسیٰ نے بتایا تو وہ بولی، میں پیاس سے مر رہی ہوں۔ بارش ہو جائے تو میں پانی پی سکوں گی۔ آپ پتہ کریں بارش کب ہوگی۔

حضرت موسیٰ آگے بڑھے تو دیکھا ایک ناگ آ رہا ہے۔ ناگ نے پوچھا کہاں جا رہے ہیں؟ حضرت موسیٰ نے وہی جواب دیا تو ناگ کہنے لگا، میرے بارے میں معلوم کریں میرے سر میں زہر بہت زیادہ بھر گیا ہے۔ مجھے اجازت ہو کہ کسی کو کاٹوں تاکہ میرا زہر کم ہو جائے۔

حضرت موسیٰ حضور کے پاس پہنچے اور سب سے پہلے مُلا کے بارے میں عرض کی کہ اتنی نمازیں پڑھتا ہے۔ خدا نے جواب دیا اس کے لیے جگہ دوزخ میں بنائی گئی ہے۔ پھر پوچھا

فقیر جو نشے کرتا ہے، اس کے لیے کہاں جگہ ہے۔ خدا نے بتایا، اس کے لیے جگہ جنت میں بن گئی ہے۔

تو حضرت موسیٰ نے کہا کہ وہ مُلا جس نے اتنی عبادت کی دوزخ میں جائے گا اور یہ جو گناہ گار ہے بہشت میں جائے گا۔ حضور نے کہا تم واپس جاؤ مُلا کے پاس اور اسے اس طرح بتاؤ کہ میں نے خدا کی بارگاہ میں ایسا منظر دیکھا کہ سو اونٹ مع اپنے اوپر لدے ہوئے ساز وں سامان کے ایک سوئی کے سوراخ میں سے گزر رہے تھے۔ مُلا کہے گا کہ سب جھوٹ ہے، میں نہیں مانتا۔ اس لیے وہ دوزخ میں ہی رہے گا۔ فقیر کو تم یہی بات بتاؤ تو وہ قبول کرے گا۔ اس لیے وہ جنت میں رہے گا۔ خدا کی قدرت کو فقیر تو مانتا ہے مگر مُلا نہیں مانتا۔

پھر موسیٰ نے کہا، میں نے ایک لنگڑی ہرنی دیکھی جو تین سال سے پیاس میں مر رہی ہے۔ اس نے پوچھا ہے کہ اللہ کب بارش برسائے تا کہ میں اپنی پیاس بجھاؤ۔

خدا نے کہا، ہرنی سے کہہ دو کہ ساتویں سال بارش ہوگی تو پانی پی لوگی۔

پھر موسیٰ پیغمبر نے ناگ کی بات بتائی خدا نے کہا تم ناگ سے کہہ دو کہ فلاں جگہ ایک چرواہا ہے، ایک اس کی ماں ہے اور ایک وہ خود ہے۔ بس، تم جا کر اس چرواہے کو ڈس لو۔

جب موسیٰ واپس ہوا تو دیکھا کہ ناگ پڑا ہوا ہے اور تک رہا تھا۔ ناگ نے پوچھا کیا ہوا۔ انھوں نے کہا تمھیں اجازت مل گئی ہے۔ فلاں جگہ پر ایک چرواہا ہے تم اس کو ڈس لو۔

آگے بڑھے تو دیکھا وہی لنگڑی ہرنی کھڑی ہے۔ اسے بتایا کہ اللہ نے کہا ہے ساتویں سال میں بارش ہوگی تم پانی پی لینا۔

ہرنی خوشی کے مارے چھلانگ لگانے لگی کہ پھر بھی اللہ ہی سننے والا ہے۔

اتنے میں بارش ہوگئی اور ہرنی نے پانی پی لیا۔

آگے بڑھا، دیکھا فقیر کھڑا ہے۔ فقیر نے اپنا مدعا پوچھا۔ حضرت موسیٰ نے بتایا تمھیں بعد میں سب بتاؤں گا۔ پہلے یہ سنو جو میں نے خود دیکھا ہے۔

فقیر نے پوچھا تم نے کیا دیکھا ہے۔

موسیٰ نے کہا سو اونٹ مع سامان کے ایک سوئی کی سوراخ سے گزر کر جا رہے تھے۔

فقیر نے کہا تم نے سو اونٹ دیکھے جو سوئی کی نوک میں سے گزر کر جا رہے تھے۔ اگر خدا اس ساری کائنات کو لے کر سوئی کی سوراخ میں سے گزارے، اس میں کوئی شک نہیں ہو سکتا۔ تب حضرت موسیٰ نے کہا پھر تمہاری جگہ بہشت میں ہے۔

آگے بڑھا تو مُلا کو دیکھا۔ ملا نے پوچھا تو اسے بھی وہی قصہ بتایا کہ میں نے ایک عجیب چیز دیکھی خدا کی بارگاہ میں۔ سو اونٹ مع بار کے ایک سوئی کی نوک میں سے گزر کر جا رہے تھے۔ مُلا نے کہا، موسیٰ پیغمبر اس طرح کا جھوٹ نہ بولیں۔ سو اونٹ مع سامان کے کس طرح سوئی کے سوراخ میں گزر سکتے ہیں۔ اب مجھے بتاؤ کہ میرے لیے جگہ کہاں پر ہے۔ تو بتایا کہ تمہارے لیے جگہ دوزخ میں ہے۔ مُلا نے لوٹا ہاتھ میں سے زمین پر دے مارا، اور بڑبڑاتا ہوا اپنی راہ چلا گیا۔ موسیٰ نے اپنا راستہ لیا، لیکن اس دوران انکشاف ہوا کہ ملا کے لیے بھی بہشت میں جگہ بنا دی گئی ہے۔

اب اس نے سوچا کہ دیکھوں ناگ نے اس چرواہے کے ساتھ کیا کیا۔ پھرتے پھراتے شام کو گھر پہنچا۔

چرواہے کی ماں بیٹھی تھی اپنے گھر، اس نے پوچھا تم کون ہو۔

حضرت موسیٰ نے بتایا میں مہمان ہوں۔

عورت نے چٹائی لا کر بچھائی کہ اس پر بیٹھ جاؤ۔

وہ چٹائی پر بیٹھ گئے۔

شام کو ریوڑ آ گیا چرواہا بھی آیا اور آتے ہی ماں کو آواز دی کہ روشنی کرو، میں نے ایک سانپ دیکھا ہے۔

بڑھیا نے آگ جلائی تو تو چرواہے نے سانپ کو مار ڈالا۔

حضرت موسیٰ نے کہا، سانپ لا کر مجھے دکھاؤ، میں دیکھوں کس طرح کا سانپ ہے۔

چرواہے نے سانپ لا کر حضرت موسیٰ کو دکھایا تو یہ وہی سانپ تھا، جس کو اس نے پیغام دیا تھا۔

رات حضرت موسیٰ وہیں ٹھہرے اور چرواہے نے اسے روٹیاں، دہی کھلائی۔

صبح اٹھ کر اللہ کے حضور پہنچے۔ عرض کیا، اے خدا آپ نے ناگ کو اجازت دی تھی کہ جاؤ چرواہے کو ڈس لو۔ اور چرواہے نے اسے مار ڈالا۔ یہ کیوں ہوا؟

اللہ نے بتایا اس ناگ کے دن پورے ہو گئے تھے اور اس کی موت اسی چرواہے کے ہاتھوں لکھی ہوئی تھی۔

پھر حضرت موسیٰ نے پوچھا، جناب آپ نے لنگڑی ہرنی کے لیے کہا تھا کہ ساتویں سال بارش ہو گی اور مجھے جھٹلا دیا، کیوں اسی وقت بارش ہو گئی۔

انھوں نے کہا میں خوش ہوا۔ جب ہرنی نے میرا نام لے کر چکر ادا کیا اور میرے اوپر اس نے سب کچھ چھوڑ دیا۔ اس لیے میں نے بارش کرا دی۔ مُلا کے لیے تو پہلے جگہ دوزخ میں بن گئی تھی مگر جب اس اپنے ہاتھوں لوٹا زمین پہ دے مارا تو وہاں پر ایک چیونٹی پیاس میں تڑپ رہی تھی۔ پانی کے چند قطرے چیونٹی کو ملے۔ چیونٹی خوش ہو گئی۔ اس کے صدقے ہم نے مُلا کے لیے بہشت میں جگہ مقرر کی۔

حضرت موسیٰ کی کہانی 3

پٹھان، سوار، بڑھئی اور بوڑھا آدمی

کسی روز اللہ کے پیارے نبی موسیٰ پھرتے پھراتے کسی کنوئیں پر آ گئے۔ انھوں نے ہاتھ منہ دھویا کہ نماز پڑھوں گا۔

اتنے میں انھوں نے دیکھا کہ ایک گھڑا سوار آ کر رک گیا۔ گھوڑے سے اترا۔ گھوڑے کو کہیں باندھ دیا۔ ہتھیار رکھے۔ ایک تھیلے میں ہزار روپے تھے۔ وہ بھی گھوڑے سے اتار کر نیچے رکھا۔ اپنے کپڑے اتارے۔ نہایا۔ کپڑے پہنے۔ ہتھیار باندھے، گھوڑے پر بیٹھ کر چل دیا۔ اس کا تھیلا وہیں رہ گیا۔

اس کے بعد ایک نوجوان بڑھئی آیا اور نہانے لگا۔ اس نے دیکھا تھیلا پڑا ہوا ہے۔ وہ اسے اٹھا کر ساتھ لے گیا۔

اس کے بعد ایک بوڑھا آدمی آیا اور نہانے کے بعد کپڑے پہننے لگا تو وہی گھڑا سوار پھر واپس آیا۔ اسے اپنی رقم یاد آ گئی تھی۔ اس نے بوڑھے سے پوچھا کہ میرا تھیلا یہاں پڑا رہ گیا۔ تم نے دیکھا ہوگا۔ مجھے واپس کر دو۔

بوڑھے نے جواب دیا، میں نے کچھ نہیں دیکھا۔

سوار پٹھان نے کہا، میری رقم تم لے گئے ہو اور کوئی یہاں پر نہیں آیا۔ میں تمھیں نہیں چھوڑوں گا۔ میری رقم مجھے لوٹا دو۔

بوڑھے نے جواب دیا، میں نے کچھ نہیں دیکھا۔

پٹھان نے تلوار نکالی اور بوڑھے کی گردن پر وار کیا۔ بوڑھے کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ اس طرح پٹھان نے بوڑھے کو مار ڈالا اور گھوڑے پر بیٹھ کر چلا گیا۔

اللہ کا پیارا نبی موسیٰ یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ وہ حضور کے پاس گیا۔ خدا سے سارا ذکر کیا۔

خدا نے جواب دیا کہ جس بڑھئی نے رقم اٹھالی تھی، اسی بڑھئی کے دادا نے پٹھان کے دادا کا مکان بنایا تھا اور اس کی مزدور جو بنتی تھی پٹھان کے دادا نے ادا نہ کی۔ اب یہ رقم اس کا حق ہے، جو اسے مل گیا ہے۔ جس بوڑھے کو پٹھان نے مار ڈالا ہے۔ اسی بوڑھے کے دادا نے پٹھان کے باپ کو قتل کیا تھا۔ اب اسی بوڑھے پر خون کا بدلہ تھا، یہ وہی خون کا بدلہ ہے جو اس سے لیا گیا ہے۔ دونوں کا انصاف یہی ہوا۔

حضرت علیؓ کا قصہ

(پھلا حِصہّ)

ایک روز حضرت علیؓ گھر میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک بھکاری آیا۔ اُن سے کچھ مانگا اور کہا کہ میری بیٹیوں کی منگنی ہو چکی ہے، اب شادی ہونی ہے، مجھے کچھ امداد میں دیں۔ حضرت علیؓ نے غلام قمبر کو بلایا اور کہا کہ ایک بہت بڑی سفید پگڑی لے آؤ اور اس بھکاری کے سر پر باندھو۔ قمبر نے کافر کی دکان سے پگڑی کا کپڑا خریدا اور بھکاری کو دے دیا۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ میرے پاس اور کوئی دولت نہیں ہے۔ بس میں خود ہوں۔ مجھے ساتھ لے چلو اور کسی کے ہاتھ فروخت کرلو اور اپنی بیٹیوں کی شادیاں کردو۔

پھر وہ کافر کے شہر چلے گئے۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ مجھے ایسے شخص کے ہاتھ بیچو جہاں تمھیں سو آدمیوں کی قیمت ملے۔

بھکاری اسے شہر کے اندر لے گیا اور اعلان کیا کہ میں اسے کسی ایسے شخص کے ہاتھ فروخت کروں گا جو مجھے سو آدمیوں کی قیمت دے گا۔

ایک کافر نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے، اور کیا کام کرتے ہو جو سو آدمیوں کی قیمت مانگتے ہو۔

حضرت علی نے کہا میرا نام عید ہے۔ جو کام مجھے بتاؤ گے سب کروں گا۔

ہندو نے اسے خرید لیا اور سو آدمیوں کی قیمت ادا کی۔ بھکاری رقم لے کر اپنی طرف چلا گیا۔

ایک دن کافر نے حضرت علیؓ کو ایک کلہاڑی دے دی اور کچھ گدھے بھی اور کہا کہ جاؤ لکڑیاں کاٹ کر لاؤ۔ حضرت علیؓ کو لکڑیاں جمع کرتے کرتے نیند آ گئی۔ شیر آ گئے اور انھوں نے گدھوں کو کاٹ کھایا۔ جب حضرت علیؓ بیدار ہو گئے تو دیکھا کہ چار شیر ہیں جو کہ گدھوں کو مار

کر کھا رہے ہیں۔اس نے شیروں کو کان سے پکڑ لیا اور ان ہر

میں واپس آیا۔

جب بازار میں پہنچے تو شیر دھاڑنے لگے۔حضرت علیؓ نے بھی نعرہ لگایا تو شہر کے لوگ ڈر گئے۔جب انھوں نے دیکھ لیا کہ یہ تو حضرت علیؓ ہیں۔ تب بڑے سیٹھ نے کہا کہ ہم مسلمان ہوتے ہیں۔سارا شہر مسلمان ہو گیا۔

پھر حضرت علیؓ نے ایک ہزار اونٹوں پر سونا چاندی لا دیا اور قمبر سے کہا کہ اسے ہم مدینہ لے چلتے ہیں۔اس طرح وہ روانہ ہو گئے۔

منزل بہ منزل وہ چلتے رہے۔

ایک جگہ انھوں نے دیکھا کہ راستے میں ایک اندھا فقیر بیٹھا ہے۔فقیر نے کہا کہ اس قافلہ کا سردار کون ہے۔

حضرت علیؓ نے جواب دیا کہ میں علیؓ ہوں۔

فقیر نے کہا، میں بھوکا ہوں مجھے کچھ کھانے کو دو۔

حضرت علیؓ قمبر سے کہا، فقیر کو کوئی روٹی دو۔

قمبر نے کہا، روٹیاں تو اونٹ پر لدی ہوئی ہیں اور دوسرے مالی کے ساتھ رکھی ہوئی ہیں، وہاں سے نکالنا مشکل ہے۔

حضرت علیؓ نے کہا، اس اونٹ کو لدے ہوئے سامان کے ساتھ فقیر کے حوالے کر دو۔

قمبر نے کہا، وہ اونٹ تو اونٹوں کی قطار میں بندھا ہوا ہے۔

حضرت علیؓ نے کہا کہ اونٹوں کی پوری قطار دے دو۔

قمبر جلدی سے اونٹ سے کود پڑا اور نیچے آ گرا۔

حضرت علیؓ مسکرانے لگے اور پوچھا، قمبر تمھیں کیا ہو گیا تم گر کیوں گئے۔

قمبر نے جواب دیا، آقا میں ڈر گیا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے بھی آپ اس اندھے فقیر کے ہاتھ بخش نہ دیں۔

قمبر نے اونٹوں کی پوری قطار اس فقیر کے حوالے کر دی۔

پھر فقیر نے کہا، میں نے تو روٹی مانگی تھی اور مجھے آپ نے ایک مُہار ہاتھ میں دے دی ہے۔

فقیر کی بینائی واپس آ گئی اس نے دیکھا کہ ایک ہزار اونٹ جو مال اور دولت سے لدے ہوئے ہیں۔

فقیر نے مال اور دولت ساری خیرات کر دی۔ گھر بنایا۔

اب بلوچستان میں مشہور ہے کہ وہ نابینا فقیر سخی سرور تھے۔ قمبر کی اولاد خان ہو گئے اور براہویوں میں اب بھی قمبرانی کے نام سے مشہور ہیں۔

حضرتِ علیؓ کا انصاف

دوسرا حصہّ

ایک دن خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت علیؓ ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے، جب دو پرندے لڑتے لڑتے ان کے سامنے آ کر گر پڑے۔ حضرت علیؓ نے چٹائی نہیں چھوڑی۔ بلکہ ایک پرندہ ایک ہاتھ اور دوسرا پرندہ دوسرے ہاتھ سے اٹھالیا۔ ایک پرندہ ان میں سے باز تھا اور دوسری کوئل۔

باز نے عرض کیا، اے حضرت علیؓ، ہمارا انصاف کریں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تم اپنی بات سناؤ۔

باز نے کہا، میرا گھر دریا کے اس پار ہے۔ میرے بچے بھوکے ہیں۔ میں باہر نکلا کہ کوئی پرندہ شکار کرتا ہوں۔ یہ کوئل میرے سامنے آئی۔ میں نے اسے پکڑا کہ لے جا کر اپنے بچوں کو گوشت کھلاؤں گی۔ بس آ کر آپ کے سامنے گر پڑے۔ اب خدا کے لیے میرا شکار مجھ سے چھین نہ لیں۔ مجھے واپس دیدیں تا کہ میں خود سے کھاؤں اور بچوں کو بھی کھلادوں۔

پھر کوئل نے اپنی کہانی سنائی اس نے کہا کہ میرا گھر اس پہاڑی کے پاس ہے، میرے بچے بھی بھوکے ہیں۔ میں نیچے آئی کہ کوئی دانہ دنکا چن کر اپنے بچوں کے لیے لے جاؤں گی۔ میں باز کے سامنے آ گئی اور وہ مجھے پکڑ کر کھانے لگا۔ ہم انصاف کے لیے آپ کے پاس آئے ہیں۔ خدا کے لیے مجھے واپس باز کے حوالے نہ کریں۔

حضرت علیؓ نے قمبر کو بلایا۔

جب قمبر آیا تو اس سے کہا کہ میرا چُھرا مجھے لادو۔

قمبر چھرا لایا۔

حضرت علیؓ اپنی ران سے کچھ کاٹنے لگے۔

باز نے کہا، آپ اپنا گوشت کیوں کاٹ رہے ہیں؟

حضرت علیؓ نے فرمایا، تمھیں گوشت دے دوں۔ تمہارے شکار کے عوض اور کوئل کو چھوڑ دو تا کہ وہ بچوں کے لیے دانہ لے کر جائے۔

کوئل رونے لگی کہ یہ باز ہے اور نہ میں کوئل ہوں۔ ہم دونوں اللہ کے فرشتے ہیں۔ ہمیں اللہ تعالیٰ نے آپ کے امتحان کے لیے بھیجا تھا۔ آپ نے اچھا انصاف کیا اور مجھے چھڑانے کے لیے آپ نے اپنا گوشت کاٹا۔ ہم جا کر اللہ تعالیٰ کو سب بتائیں گے۔

کلاسیکی قصے

گوہر جتنڑیں
Gohar Jatren

لاشاری بلوچ، کچھی اور گنداواہ میں سکونت پذیر تھے۔ اُس جگہ کی زمین ڈھاڈر اور سبی کی بہ نسبت زیادہ زرخیز تھی۔ لاشاری بلوچوں کی قیادت گوئہرام کے پاس تھی، جب کہ رند اتحادیہ کا سربراہ چاکر تھا۔ کچھی اور گنداواہ کی زمینوں کی زرخیزی چاکر خان کے لیے بہت کشش والی بات تھی ...... لالچ کی حدتک۔ اُسے دوسرے بلوچ (گوئہرام) کی یہ خوش حالی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی۔

اِس بدنیتی اور قبضہ گیری کی خواہش نے اُس تیس سالہ لڑائی کو بھڑکا دیا جس سے بلوچ قوم کا اتحاد بکھر گیا اور سیکڑوں سالوں تک انتشار ہمارا مقدر بنا رہا۔ انتشار کی یہ بہت بڑی علامتیں تقلید کے لیے قطب کے وہ ستارے بن گئے جن پر ہم، اُن کی اولادیں آج بھی چل رہے ہیں، خون میں غلطاں جسموں کے ساتھ، ضد، اکڑ، حسد اور تاسف سے زخمی زخمی روحوں کے ساتھ...... مگر اسی زرخیزی کی کشش کی تباہ کن لڑائی نے ہمیں تاریخ، ادب اور سماج کے میدانوں میں نئی نئی جہتوں سے واقف کرا دیا۔ ہم ان شعبوں میں مالا مال ہوئے۔

اسی فیوڈل چاکری عہد میں ایک بڑی خاتون ''گوہر'' کے نام سے ہو گزری ہے۔ اب تو یہ پاک نام ہزاروں لاکھوں بلوچوں عورتوں نے اپنا لیا ہے۔ اتنی عظیم خاتون کہ بلوچ اگر انگریز ہوتے تو اُس کے ذکر پر احتراماً اپنی ٹوپیاں اتار لیتے۔ یہ خاتون دو طریقے سے استحصال کا شکار تھی؛ ایک تو مردانہ سماج میں بحیثیت عورت کہ مردانہ سماج میں عورت دوسرے درجے کی مخلوق ہوتی ہے۔ استحصال کی دوسری صورت یہ تھی کہ ہمارا سماج ذات پات والا بھی ہے۔ اس ذات پات کی موجودگی میں کم ذات یعنی **جتنڑیں** (جت قوم سے متعلق) ہونا ایک اور پیدائشی

کمی کمزوری تھی۔ مولد (لونڈیاں) اس عہد کی شناخت تھیں، ڈومبنیاں بھی۔ اور ہماری شاعری کی پُراعتبار گواہی کی وجہ سے وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ **جتنڑیں** کی پستی بھی اس زمانے میں موجود تھی۔

گوہر بہت مال دار خاتون تھی۔ اونٹوں کا بہت بڑا بگ تھا اس کی ملکیت میں۔ گوہر غیر شادی شدہ تھی۔ کیا کسی شادی شدہ جتنڑیں ڈومبنڑیں کے پاس بھی کوئی ریوڑ، رم، یا بگ تھا؟۔ شاید نہیں...... اور ایک قبائلی معاشرے میں ایک بن بیاہی مال دار کم ذات عورت اور اُس کی ملکیت کی حفاظت کے لیے کسی 'بڑے' کی پشت پناہی تو چاہیے تھی۔ اور مال دار، بن بیاہی اور دوسرے درجے کی شہری خاتون کی پشت پناہی کے ساتھ بہت ساری وجوہات و توقعات نتھی ہوتی ہیں، نظر آنے والی بھی اور نظر نہ آنے والی بھی۔

گوہر، مہیر کے علاقے سے اپنے اونٹ اور دیگر مویشی لے کر گوئہرام سردار کی پناہ میں وہاں کی چراگاہوں میں لائی:

ترجمہ:

گوہر کو مہیر کی ندی سے
حسین و توانا اونٹ لے آئے
قلم گوش گھوڑیاں لے آئیں
موٹی رانوں والی اونٹنیاں لے آئیں
پناہ لینے سخی اور جری گوئہرام کے ہاں
گوہر قسمت سے وہاں آئی
ساٹھ بیل اور تیس بوری گندم
یہ ہیں گوہر کی مہمانی

قدرت خدا کی، اس خوب صورت عورت پہ سردار فدا ہو گیا۔ وہ اسے بھا گئی:

ترجمہ:

ایک ہفتہ ہی گزرا تھا
(کہ) گوئہرام نے چُٹّا کو بھیجا
ہیر جیسی گوہر کے پاس
(کہ) ''مجھ سے خفیہ دوستی کرلو''

آپ جذباتی مت ہوں۔ یہ آپ کی اکیسویں صدی والا زمانہ نہیں تھا۔ وہاں ریاست، عدلیہ، شہری حقوق، اور زرخیز وزربخش این جی اوز نہ تھے، جنیوا کنونشن نہ تھے۔ اُس زمانے کو اپنے زمانے کے گز سے ناپیں گے تو میری طرح کڑھتے ہی رہیں گے۔ چھ صدیاں پیچھے والے بلوچ سماج میں جائیے۔ آپ کو سب سمجھ آئے گا کہ:

ترجمہ:

جتنیاں بلوچوں کی رومالیں ہیں
ڈومبنیاں تازہ دودھ بھرے کٹورے ہیں

اب ذرا لطافت دیکھیے، جذبات کی نفاست دیکھیے، مہذب وبھاری پن دیکھیے، گوئہرام کو گوہر کا خوبصورت جواب دیکھیے:

ترجمہ:

ہیر جیسی گوہر نے جواب دیا،
''میں نے تو تمھیں بیٹے کی طرح ہاتھ دیا
بھائیوں جیسی تم سے محبت کی
میں اگر یاری کرتی کسی نوجوان سے
تو نوجوان تو مہیر میں بہت تھے

سوپر پاور کو انکار کا مطلب تو ہم جانتے ہیں۔ توبہ توبہ، شیولری کے عہد کے سردار کو انکار کر دینا، گوہرام لاشاری کو انکار کرنا، اُس کی پیشکش کو ٹھکرا دینا تو گویا ڈرون کے حملوں کو دعوت دینا تھا۔ لہٰذا ظاہر ہے کہ اِس صورت میں وہ خاتون، گوہر وہاں یعنی گوہرام سردار کے علاقے میں نہیں رہ سکتی تھی۔ سرداری غیض وغضب سہنے کے لیے تو کوہِ طور اور چلتن جیسے پہاڑ چاہئیں۔ چنانچہ:

ترجمہ:

لاڈ بھری گوہر مایوس ہوگئی
گوہر وہاں سے نکل کھڑی ہوئی
وہ درہ بولان پار چلی گئی
میر چاکر کی پناہ میں

وہ سردار چاکر کے دربار میں پہنچ گئی اور اپنا مدعا یوں بیان کیا:

ترجمہ:

گوہر گویا ہوئی
اور چاکر سے کہنے لگی
گوہرام نے مجھے دُکھ دیا
سردار میں اب تمہاری پناہ میں آئی ہوں
میرے اونٹوں کے گلوں کے چراگاہ بتا دے

انکار ناممکن!۔ پناہ مانگنے والے کو انکار ناممکن۔ اُس کی جان، مال کی حفاظت اب پناہ دینے والے پر۔۔۔۔۔رند کے سردار پہ۔

ترجمہ:

شان والا میران بولا

کچھڑو کے نہری علاقے میں جاؤ

وہ علاقہ اونٹوں کے خوبصورت گلوں

اور گائیوں کے رم اور دنبوں کے ریوڑوں

کی چراگاہ ہے

پُرگنج اور نامور کچھڑو

خوب صورت چشموں کا علاقہ

سمجھو وہ تمام علاقوں کا ایمان ہے

وہاں رہ کر امن وامان کے ساتھ اپنے اونٹ چراؤ

ہمیں اندازہ ہوسکتا ہے کہ جب گوئہرام کو یہ خبر پہنچی ہوگی کہ گوہر، اُس کی پناہ سے نکل کر مقابل سردار کے ہاں پناہ گزیں ہوگئی تو وہ غصہ سے کس قدر بپھرا ہوگا۔ یہ تو گویا اُس کی ملکیت تھی جو دوسرے سردار کی ملکیت میں چلی گئی۔ اور صرف گوئہرام ہی کیوں؟۔ یہ بات تو سارے لاشاری قبیلے کے سرکردہ لوگوں کے لیے ندامت کا نشاں بن گئی۔

لاوا پکتا گیا۔ موقع کا انتظار ہونے لگا۔ پھر ایک روز گوئہرام کا بیٹا رامین لاشاری اپنے دوستوں، اور طبعی وفکری باڈی گارڈوں سمیت گھڑ دوڑ کے مقابلے میں حصہ لینے رند کے جشن میں گیا:

ترجمہ:

جاؤ ریحان کی جیتنے والی گھوڑی ''سیاہ'' کولاؤ

شاہ (حضرت علیؓ) پر توکل کر کے گھڑ دوڑ میں حصہ لیتے ہیں

گھوڑے میدان کے آخر تک لے جائے گئے

تیز رفتار گھوڑے میدان میں پانی کی طرح بہتے آتے ہیں

اور جب ججوں کی نشست گاہ تک آتے ہیں

میر چاکر نے رندوں سے پوچھا

بتاؤ جیت کس کی ہوئی ہے

جونگو نے جھوٹی گواہی دی

(کہ) ریحان کی بڑی پھلانگوں والی سیاہ جیت گئی

(اور) رامین منت سماجت سے راضی نہ ہوا

اِس جھوٹی گواہی پر ظاہر ہے رامین طیش میں تھا۔ رند اور لاشار کے تعلقات گوہر جنتر یں کے واقعے پر پہلے ہی کشیدہ تھے۔ جیتا ہوا رامین جب ناجائز فیصلے کے سبب ریحان رند کی گھوڑی سے شکست کھا کر واپس آ رہا تھا تو اس نے اپنا غصہ گوہر پر نکالا (اُسے پتہ تھا کہ گوہر کا نقصان چاکر کے لیے زیادہ تکلیف دِہ ہوگا)۔ اس نے اُس کے سارے شتر بچوں کو تلواروں سے کاٹ ڈالا :

ترجمہ:

رامین پچاس خوش لباسوں کے ساتھ

ننھے شتر بچے مار ڈالے

اور اُن کی سجی بنائی

اور بادشاہوں کی طرح کھائی

میں اور میرا قاری اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ شتر بچوں کی سجی نہیں کھا رہا تھا وہ تو ایسا بیج بو رہا تھا جس نے آگے چل کر انسانی سر کھانے تھے۔ دشمن رندوں کے سر، سجن لاشاریوں کے سر، عظیم شان بلوچوں کے سر، اشرف انسانوں کے سر۔

اور کچھ ہی دنوں بعد:

ترجمہ:

اتفاق سے چاکر آیا
کچروک کے نہری علاقہ میں
دن ڈھلے
اونٹوں کے جھوک میں گھوڑی سے اترا
گوہر کی ڈاچیاں ہانپتی دوڑتی آئیں
تھنوں سے دودھ بہاتی ہوئی

ترجمہ:

میر چاکر نے کہا
جاڑو اور جوانمرد ریحان نے
بہادر باگڑو نے مسکان نے
خوبصورت گوہر سے پوچھا
تمہاری اونٹنیاں طوفان کیوں مچا رہی ہیں
ان کے تھنوں سے دودھ کیوں بہہ رہا ہے؟

اب یہاں گوہر نہ اپنی اُس تذلیل کو یاد کرتی ہے جو اُسے گوئہرام کے ہاتھوں اٹھانا پڑی تھی۔ نہ اُس مالی و معاشی نقصان کو خاطر میں لاتی ہے جو اُس کے شتر بچوں کے قتل عام سے ہوئی، نہ ہی وہ اپنی ڈاچیوں کی ممتا بھری فریادوں پہ کان دھرتی ہے جو اپنے بچوں کی یاد میں ڈکراتی، سر مارتی پھرتی ہیں، اور نہ اُس روحانی زخم و توہین کو خاطر میں لاتی ہے جو کہ رامین کے ہاتھوں اُسے پہنچی۔ اُسے اندازہ ہے کہ اگر اس نے لاشاری امیرزادے کی حرکت کے بارے میں چاکر کو بتایا تو پہلے سے موجود قبائلی کشیدگی اندوہناک جنگ کی صورت اختیار کرے گی اور

انسان کا خوں بے پیان بہے گا۔ امن کی اس دیوی نے اپنے موضوعی مسائل کو پس پشت ڈال کر جنگ وموت کے فرشتے کو یوں بھگانا چاہا:

ترجمہ:

لعل جیسی گوہر نے کہا
میر چاکر سردار
میرے شتر بچوں نے زہریلی جڑی بوٹیاں کھالیں
اُن میں وبا پھیل گئی
ڈاچی اپنی چراگاہیں چرتی رہیں
شتر بچوں میں 'جغیں' کی بیماری پھیل گئی

مگر گوہر کے ایک بہرے اور بیوقوف گلہ بان نے بھانڈا پھوڑ دیا۔ چھوٹے معدے والا وہ شخص درمیان میں بے وقت اچک کر بولا:

ترجمہ:

پرسوں آگئے لاشاری
سیر سپاٹے اور گھڑ دوڑ پہ
یہاں سے وہ گئے مستی میں
واپس آگئے غصے میں
ہمارے شتر بچے کاٹ ڈالے
اور سجی کر کے کھا گئے
اپنے بچوں کے فراق میں ڈاچیاں چیختی مٹی اچھالتی ہیں
اور دودھ رانوں پہ بہہ رہا ہے

گویا ازرائیل کا سینہ پھٹ پڑا ہو، اُس نے لاکھ کے

پھونک سے سور پھونک دیا ہو۔ بلوچ کے جینز میں ہمیشہ سے سوئچ آن بٹن یعنی کشت وخون ایک بار پھر قہر برسانے الرٹ ہو گیا۔ ایمیزون کے جنگلات میں آگ کی چنگاری پڑ گئی۔ بلوچستان کے سبز افق پہ ساعت غارت ہوگئی:

ترجمہ:

برامنایا میر چاکر نے
موندرنے اور ہارون نے
جاڑو نے ریحان نے
باگڑ نے مسکان نے
یہاں بول پڑا میران
شتر بچوں کی بات ایسے ہی جانے نہ دیں گے
وہ غصے سے اٹھ کھڑا ہوا
انہوں نے لاڈ بھری گوہر کی وہاں سے نقل مکانی کرائی
اسے جڑواں درختوں سے پرے
شیہہ کی جھونپڑی سے بھی آگے
سنّی کا علاقہ دکھایا
تب وہ خود واپس ہوئے
گھوڑوں کے زین جنگ کے لیے کس لیے

صُلح جو اور بہادر بیورغ نے جنگ روکنے کے لیے بہت زور مارا۔ مگر بزدلی کے طعنوں سے اُس کی اپنی بہادری بزدل ہوگئی اور ایک بڑا قتل عام رک نہ سکا۔ یہ درست ہے کہ گوہر

جتنڑ یں اِس منطقے میں انسانیت پہ جو عظیم احسان کرنا چاہتی تھی ، وہ جنگ بازی کی چِتا میں بھسم ہوگئی۔مگر، اُس کی اشرف وپاک کوشش کو پانچ سو برس بعد کی بلوچ محفلیں بھی یاد رکھتی ہیں۔

اُس وقت بہت دیر ہو چکی ہوتی ہے، جب آپ ساری زندگی جنگ و روایت پرستی کا کمانڈر بنے رہیں اور پختہ عمر میں جا کر، عقل و منطق کے سامنے ہتھیار ڈال دیں (گو کہ یہ اعلیٰ ترین جنگی شجاعت ہوتی ہے)۔تب آپ اکیلے رہ جاتے ہیں اس لیے کہ جس لشکر کو آپ نے جنگ وخون آشامی پہ لگائے رکھا وہ اُس 'آکسیجن' کے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتا۔وہ تو آپ کی امن ومصالحت کی اختیار کردہ نئی راہ کو آپ کے ساتھ ہی قتل کرڈالے گا۔اور اگر آپ خوش قسمت ہیں اور تلوار سے بچ بھی جاتے ہیں تو پھر آپ کو تنہائی مار دے گی (آپ Isolate کر دیے جائیں گے)۔اس لیے کہ پاپولر رائے آپ کے ساتھ نہ ہوگی۔

ہم بلوچ تاریخ میں کس کی مثال لائیں کہ اس کا ہر صفحہ اس طرح کی مثالوں سے بھرا پڑا ہے۔مگر یہ کوئی خوبصورت سلسلہ نہیں، بہت دردناک اور افسوس ناک مثالیں ہیں۔لہٰذا، بس اپنے موضوع سے ہی چمٹے رہنا بہتر ہے۔

چاکر و گوہرام جب گوہر جتنڑ یں کے تنازعے میں آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور چاکر لاشاریوں کو تباہ و برباد کرنے کا عہد و ارادہ کرتا ہے تو دور اندیش بیورغ اُسے تباہی کے اس راستے پر جانے سے روکتا ہے۔دلیل و استدلال، دانائی و عقل بحث و مباحثہ سب تدبیریں استعمال کرتا ہے۔ایک لکھاری کو کبھی اپنی باتیں اور فقرے دہرانے نہیں چاہئیں۔مگر میں خود کو دہرانے کا رسک لے کر آپ کو اس کے مقدس دلائل دوبارہ سنانا چاہوں گا۔

ترجمہ:

سردار کینہ کم کرو

چھوڑ دو غصے اور بغض کو

راہ سے ہٹ کر بے راہ نہ چلو

(کہ) بے راہ چلنا گردن توڑ ہوتا ہے

آج رندوں کو جا کر لڑاؤ گے

جب رند اور لاشاری ٹکرائیں گے

تو جیسے پانی بند سے ٹکراتا ہے

یہ ایک دوسرے کو فصل کی کٹائی کی طرح کاٹ ڈالیں گے

مگر جس وقت بھی ہنگامی صورت حال میں قبائلی ہیرارکی ٹوٹ جاتی ہے اور جمہوری کے بجائے کسی بھی فرد کا ویٹو لگ جاتا ہے تو پھر بڑی تباہی آجاتی ہے۔ ماقبل فیوڈل دور میں شجاعت و بہادری کا فوری وحتمی اظہار سر کاٹنے یا کٹوانے میں ہوتا ہے۔ آپ بہادر سے بہادر اور مدبر سے مدبر شخص کو بھی محفل میں بزدلی کا بس طعنہ ماریں، اور اُس کے بعد جس طرح کی بھی جنگ چھیڑنا چاہیں اُس شخص کا ووٹ جنگ کے حق میں ہی ہوگا۔ جنگ بازو جری بیورغ کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا۔ وہ سردار چاکر کو معمولی بات پہ جنگ جیسی ہولنا کیوں سے خبردار کرتے ہوئے حملے سے روکنے کی عاقلانہ کوششیں کررہا تھا کہ، اپنے اشرف وانسانی دلائل سے جنگ کی المنا کی کو دُور ہانک رہا تھا کہ میراںؔ جیسی بھاری شخصیت نے ہلکے پن کی انتہا کردی؛

ترجمہ:

چند ڈینگیں مارنے والے بول پڑے

سب سے بڑھ کر جاڑو اور ریحان

عورتوں کا نام لے لے کر عہد کیا

بڑے شان والا میران بولا

بیورغ تیروں سے سہم گیا ہے

چمک دار نیزوں سے، خنجروں سے

چوڑی تلواروں سے،

برچھیوں نے اسے خوفزدہ کردیا ہے
ہم جہاں جنگ کریں گے
ایک ڈومب ساتھ رکھیں گے
جو تمہیں تیر کش کے فاصلے سے پرے رکھے

اشتعال انگیز جملے کاٹ ڈالتے ہیں۔ اُن کی ہلکی اور طفلانہ نعرے بازی کام دکھا گئی۔قبائلی اجتماع کے اندر یہ مہلک تیر تھا جو بیورغ کی غیرت کا سینہ چھلنی کرگیا۔.......اور یہاں بیورغ مست توکلی نہ بنا، بزدلی دکھاہی گیا۔مست جیسا بہادر ہوتا تو تین صلواتیں بھیجتا برادرکشی پر،اور پورا منظر نامہ بدل دیتا۔اُس کی عقل کو شکست ہوگئی، اس کا خردلڑکھڑا گیا، فہمیدگی خاک آلود ہوگئی۔مغز کی جگہ حرام مغز نے لے لی، بیورغ ایک ہلکے طعنے اور نعرے کے سامنے ہتھیار ڈال گیا۔اُس کے کامن سینس نے دغا دی۔

وہ غصہ سے آگ بگولہ ہوگیا۔چاکر کے راستے سے ہٹا۔اور مصمم انداز میں کہا:

ترجمہ:

میں نے بڑی سوگندیں کھائیں
محترم عورتوں کا نام لے کے قسمیں کھائیں
(کہ) اب جنگ میں تمہاری راہنمائی ہی میں کروں گا

اور جب بیورغ امن کا جھنڈا پھینک چکا تو پھر سارا فیصلہ آگ و آہن کے ہاتھ جاچکا تھا۔اب کون تھا جو گھائل فاختہ کی چارہ گری کر پاتا؟۔جب بیورغ جانتے بوجھتے بھی جنگ دیوتا کا چیلا بن گیا تو پھر عزرائیل سے نرمی کرنے کی امید کیا ہوسکتی تھی۔بلوچ دانشور چاکر پہ تنقید کرتے ہیں۔مگر میری نظر میں بیورغ کی زندگی بھر کی صرف اور صرف ایک بزدلی نے رندولاشار کو شیر وشکر بننے کا موقع ہمیشہ کے لیے ضایع کردیا۔اور بزدلی بھی کیا حقیر بزدلی تھی۔ ایک طعنہ نے اس مدبر انسان کو مشتعل کرڈالا۔اشتعال میں آنے سے زیادہ بڑی بزدلی میں

نے آج تک نہ دیکھی ؛

ترجمہ:

تب بیورغ بولا
میں اُس اونٹ کی مانند ہوں جسے باندھ دیا گیا ہو
باندھا ہوا ہوں سردار کی وفا میں
رندوں کو لڑانے لے جاتے ہو
رندوں کو سلامت لاکر دکھانا
مجھے میران کو زندہ لادکھانا
ہم اور تیغ زن لاشاری
جب باہم جنگ کریں گے
سیلابی پانی اور بند جیسے ٹکرائیں گے
ایک دوسرے کو فصل کی طرح کاٹیں گے
میران تو درخت کا وہ میوہ ہے
جسے قندہار سے سوداگر خرید لاتے ہیں
(چاکر) عصمتوں (عورتوں) کو بلند تر پہاڑوں میں لے جاؤ
دور دراز کے علاقے کا انتخاب کر

ایسی ہے دیدہ ور کی دوراندیشی۔ جب آپ پہاڑ سے پہاڑ کو ٹکرائیں گے تو زندگیوں کا بلیدان تو ہوگا۔ تہذیب کا تختہ تو الٹ جائے گا۔ سردار کی وفا اور اپنے قبیلے کی خیر طلبی میں بندھے اونٹ، بیورغ نے جنگ کی وسعت و تباہ کاریاں دیکھیں، بھانپیں۔ بستیوں کی تباہی تو لازم تھی۔ لج اور غیرت کو خطرہ تو تھا۔ مگر یہ اب کیسے ممکن تھا۔ اگر ایسا ہوتا تو آریائی مہاجرتیں حملوں کی صورت اختیار نہ کرتیں، چنگیز و ہلاکو لائبریریاں نہ جلا پاتے۔ آباد (settled) بستیوں کو

دوبارہ پہاڑ کی خیمہ والی زندگی کی طرف لے جانا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے جتنا کہ شہری زندگی کو غاروں کی آبادی بنانا۔ چنانچہ وہی بڑ نے بول بولنے والے براہندغ اُس کی اِس دوراندیشی کو بھی مسترد کرتے ہیں؛

ترجمہ:

یہاں میران بول پڑا
ہم اپنے بنگلوں محلوں کو نہ چھوڑیں گے
بہتے پانیوں کو، نہروں کو
ہماری نازک عورتیں اداس ہوجائیں گی
اداس ہوجائیں گی اپنے محل وماڑیوں کے لیے

ضدی چاکر اپنی افواج نلی لے گیا۔ اسی لیے یہ جنگ 'نلی جنگ' کے نام سے مشہور ہے۔ مگر، یہاں جنگ کا پانسہ سمجھو پہلے ہی پلٹ چکا تھا۔ اس لیے کہ جنگی حکمتِ عملی کے تحت دشمن قبیلہ لاشاری پہلے سے درہ کی بلندیاں قبضہ کر چکا تھا۔ اب راستہ کیا تھا؟۔ پیچھے تو ہٹ نہیں سکتے تھے۔ سیدھا بلندی چڑھنا اور دشمن سے دودو ہاتھ کرنا ہی واحد انتخاب تھا۔ جنگ کا یہ منظرنامہ ہی رند کے خلاف تھا۔

ترجمہ:

دشمنی کے جذبات سے بھرے رند
تیر کمانوں سے لیس
شیرازی شمشیریں لیے
گینڈے چمڑے سے بنی ڈھالوں سے
کانسی سے بنے رکابوں میں پاؤں ڈالے
ابریشمی قباؤں دستاروں کے ساتھ
احمریں موزوں کے ساتھ

ترجمہ:

سورج ذرا طلاع ہوا
بادشاہوں والی جنگ چھڑ گئی
رند اور اُن کے گھوڑے لپکے

اور.....

ترجمہ:

وہاں سمجھو خدا قہر میں آ چکا تھا
میٹھی دنیا زہر کی طرح تلخ ہو گئی
جنگ زوروں پر تھی

کہتے ہیں کہ اس جنگ میں تیس ہزار سے زائد بلوچوں نے حصہ لیا۔اور پھر جنگ ہوئی، تباہی ہوئی۔رند بڑی تعداد میں مارے گئے۔

ترجمہ:

رند لڑتے رہے
میران و بیورغ گر گئے

میران رند مارا گیا۔ چاکر کا خیال تھا کہ بیورغ بھی مارا گیا۔مگر بیورغ دراصل شدید زخمی انداز میں لاشوں میں پڑا ہوا تھا۔ وہ گرتا پڑتا تیسرے دن رندوں کے پاس پہنچا جب وہ لوگ (بشمول اُس کے اپنے) مقتولوں کی خیرات دے رہے تھے۔عورتیں کھڑی ہو کر (رقص کے انداز میں) ماتم کر رہی تھیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ گراناز جب ماتم کرتی دائرے کے جنوبی سرے پر آجاتی تو ڈھاڈر کی طرف غور سے نگاہ کرتی۔ چاکر نے دیکھ لیا۔اس نے اُسے کہلا بھیجا کہ بیورغ صرف تمہیں پیارا نہ تھا، وہ ہم سب کی آنکھ کا تارا تھا، اس طرح ڈھاڈر کی طرف نہ دیکھو۔دوسری بار گراناز پھر ذرا سی رکی اور ڈھاڈر کی طرف دیکھنے لگی۔ چاکر نے پھر

کہلا بھیجا کہ اگر تیسری دفعہ بھی ایسا کروگی تو بہت برا ہوگا۔ مگر تیسری دفعہ بھی گراناز نے ایسا ہی کیا اور زور سے بولی : ''مجھے یقین ہے کہ وہ دُور بیورغ آرہا ہے ''۔

چاکر نے گھڑسوار بھیجا۔ وہ واقعی زخمی بیورغ تھا۔

ترجمہ:

میران میدانِ جنگ میں مارا گیا
وہاں نلی کے کٹھن علاقے میں
سات سو جواں مرد جوانوں کے ساتھ
عومر غمزدہ لوٹا
بیورغ زخمی حالت میں

بس میں آخری تین مصرعے ان کی ڈار سے علیحدہ کرتا ہوں کہ اُن تین مصرعوں میں اُس ناقابلِ بیاں پشیمانی اور غم کا اظہار بہت وزنی ہے، اُسے علیحدہ درج کرنا ضروری تھا؛

ترجمہ:

چاکر غمزدہ لوٹا
خوب صورت بالوں والے میران کی موت سے
میں نے اپنا دایاں ہاتھ توڑ ڈالا

چاکر کی تو گویا کمر ہی ٹوٹ گئی۔ قبائلی انا اور بے سمجھ ضد وہ شکست کھا گئی۔ چاکر اعظم کے دست و بازو ٹوٹ گئے۔ وہ ایک زخمی شیر کی طرح اپنے زخم چاٹنے لگا۔...... بہادر، دیدہ ور اور پر بصیرت عزیزوں کی موت مار دیتی ہے!!

رندو لاشار برادر کُشی

اس مقام پر خوش حال، متمدن اور ترقی یافتہ بلوچ عوام کے ساتھ تقدیر ایک اور ناروا کھیل کھیلتی ہے۔ یہاں چاکر و گہرام کی خون آشام جنگیں شروع ہوئیں، جن کی سنت کی پیروی آج تک ہم بلوچ بڑے خشوع وخضوع سے کرتے چلے آرہے ہیں۔ دانش وروں نے چاکر و گہرام کی اس تیس سالہ جنگ کے بارے میں بہت سی بحثیں کی ہیں اور بہت کچھ لکھا ہے۔ میری نظر میں اس تباہ کن جنگ کی تین چار بڑی معاشی وجوہات تھیں، باقی تو سب قصے کہانیاں ہیں:

1۔ لاشار اور رند قبائل میں سبی اور گنداواہ کی زرخیز زمینوں کی تقسیم پر ابتدا میں پُرخلوص اعتماد پیدا ہوا تھا مگر جلد ہی اس مساوات اور ہم سری میں باہمی کشمکش اور ہنگامہ خیزی نے اختلافات کی صورت اختیار کرلی۔

2-ایک اور بڑی وجہ چراگاہوں کی کمی تھی۔ رند اور لاشار فیوڈلوں کے اونٹوں کی بہتات کے ذکر سے تو چاکری دور کی پوری شاعری بھری پڑی ہے۔ گوہر جتنڑیں کے اونٹوں کا قصہ بھی ہماری تاریخ کا اہم حصہ تشکیل کرتا ہے۔ بھیڑ بکریوں کا تو حساب وشمار نہیں تھا۔ گھوڑے تو بلوچوں کی شخصیت کا مظہر ہوا کرتے تھے۔

3۔ علاوہ ازیں چاکر کی بھینسوں کا تذکرہ اور نشانی شاعری اور روایتوں کے علاوہ ''چاکرہ میھاگ'' نامی علاقے میں بہتات سے موجود ہیں۔ یہ مبالغہ بھرے کرامت والے پتھر تعداد میں سیکڑوں ہیں جن کے بیچ سے ماوند، سبی کا راستہ گزرتا ہے۔ بلوچی داستانوں میں بھی چاکر کی بھینسیں بڑی تعداد میں بتائی گئی ہیں۔ اب اگر ذرا سا غور کیا جائے تو بھینسیں تو آباد زراعتی طریق پیداوار کی علامت ہوتی ہیں۔ پانی، زمین، کسان اور فیوڈل پر مشتمل اس بلوچ طبقاتی سماج پہ ابھی تک سر قبیلوی نفسیات اور اقدار حاوی تھیں۔ ویسے بھی خود کلاسیکل ادب کی

موجودگی ہی کسی سماج میں طبقاتی تقسیم کی نشاندہی کرتی ہے۔

4- ایک فروعی بات گوہر جتنڑیں کی بھی کی جاتی ہے۔ گوہر جتنڑیں اپنی تمام تر رعنائیوں کے ساتھ ایرانی بلوچستان سے ترک مکانی کر کے گنداواہ آ گئی تھی اور گاجان کے قریب ہی آباد تھی۔ وہ وہاں کچھ عرصہ کے لیے مقیم رہی۔ بعدازاں سبی منتقل ہوگئی اور میر چاکر کے تحفظ میں رہنے لگی۔ لاشاریوں نے اسے اپنی توہین سمجھا اور گویا اسی پر لڑائی شروع کر دی۔ چنانچہ ان نعمتوں کے حصول اور توسیع کی تگ ودو میں سیوی کی سرزمین پر دو فیوڈل قبائلی گروہوں کے مابین تیس سالہ جنگ لڑی گئی۔

5۔ ان جنگوں کی ایک اور بڑی وجہ بھی تھی؛ وہ تھی بلوچستان کی دو ہمسایہ طاقتوں (یعنی قندھار کے ارغون اور سندھ کے سمہ) کی حریصانہ مداخلت۔ سبی وڈھاڈر کی زرخیز زمین نے نہ صرف ہمارے اپنے فیوڈل حکمرانوں کی آنکھیں خیرہ کر دی تھیں بلکہ بیرونی حاکموں کی اشتہا کو بھی بڑھاوا دیا۔ اور پھر ہماری برادر کشی تو خود بیرونی حملہ آوروں کو دعوت دینے کے لیے کافی تھی۔

ارغون نے چاکر کی پیٹھ تھپکی اور سمہ حکمرانوں نے گوہرام کو اکسایا۔ چاکر نے سلطان حسین حمایت یوں بتائی:

ترجمہ:

میں قندہار سے لشکر لاؤں گا
مغلوں کی طرح تمہاری نسل کُشی کراؤں گا
اور پنگھوڑوں میں موجود تمہارے بچوں تک کو معاف نہیں کروں گا

یہ ہے چاکر کی حالت۔ یہی حال گوہرام کا ہے۔ وہ سمہ حکمران سے امداد لے کر چاکر کے خلاف کیا کچھ کرنا چاہتا ہے، ذرا عزائم تو ملاحظہ ہوں:

ترجمہ:

خدا مجھے کسی روز موقع دے

میں سمہ اور بھٹی افواج کا منتظر ہوں

ٹھٹھہ کی فوجوں کو اُن پر گرا دوں

خطرناک آگ لگا دوں

اپنے بہادر دشمنوں کے گھر جلا کر راکھ کر دوں گا

اس آگ کو دہلی کے ترک (چاکر کے دوست مغل) بھی نہ بجھا پائیں گے(1)

چنانچہ چاکر نے لاشاری کو زیر کرنے کے لیے سلطان حسین سے مدد کی درخواست کر ڈالی۔ سلطان حسین تو خدا سے یہی مانگتا تھا۔ اس کا گورنر ذوالنون بیگ ارغون تھا۔ مدد کی درخواست حسین شاہ کے لیے تو من وسلویٰ تھا۔ اس کی تو رال ٹپکنے لگی۔ مگر اس نے فیوڈل ڈرامہ تو بہر حال کرنا تھا۔ اس نے فوجی امداد کے لیے چاکر پر تین شرائط رکھیں۔ یہ شرائط ہماری کلاسیکل شاعری کی تخلیق ہیں۔ اورل پوئٹری نہ ہوتی تو تاریخ تو الجبرا جیسا مشکل مضمون بن کر رہ جاتی۔ آیئے یہ شرائط دیکھیں:

پہلی شرط:

چاکر کو ایک خونیں اور اکھڑ گھوڑی دی گئی کہ وہ اس پر سوار ہو جائے اور اسے مقررہ مقام تک صحیح سلامت دوڑاتا ہوا آجائے۔ البتہ اسے یہ بتا دیا گیا کہ بظاہر ہموار راستے میں سات ایسے کنوئیں کھدے ہوئے ہیں جن کے دھانے پتلی مواد سے اِس طرح بند کیے گئے ہیں کہ گھڑسوار کو میدان ہموار نظر آئے۔ اگر سلامت آئے تو شرط پوری، اور اگر کنوئیں میں گرے تو گئے۔ چاکر نے یہ شرط پوری کرنے کی حامی بھرلی:

ترجمہ:

میر چاکر نے کہا

اُس نے مُشکی (گھوڑا) کو واسطہ دیا

میں اگر شیہک کا بیٹا چاکر ہوں

تو تم دلدل کی نسل میں سے ہو

تم پہ جبر ہو رہا ہے اور مجھ پر ظلم

اندھا کنواں سامنے ہے

ناپ تول کر قدم رکھو

میں نے مُشکی کی لگامیں تھامیں

کنویں پھلانگتا رہا

وہ بہ سلامت کنوؤں سے پار چلا گیا

ترک نے اپنا یہ گھوڑا اسے بخش دیا

رندوں میں مسرت پھیل گئی

میر چاکر کو فتح نصیب ہوئی

دوسری شرط:

تنگ بازار کے ایک سرے پر جنگی ہاتھی چھوڑا گیا اور دوسرے سرے سے چاکر کو پیدل آنا ہوگا۔ نہتے، غیر مسلح۔ اُسے الٹے پاؤں واپس کرنا تھا مگر شرط یہ تھی کہ کوئی ہتھیار استعمال نہ ہوگا:

ترجمہ:

ترکوں نے نخرے سے کہا

جو شخص تنہا ہو اور نہتا ہو

اُس کے ساتھ کیا کیا ہوسکتا ہے

سردار نے جواب دیا

جو شخص تنہا ہو اور نہتا ہو

جس کا ہاتھ دل کے ہمراہ رہے

اُس کی کمک تو اللہ کرتا ہے

انہوں نے میر کے ہتھیار لے لیے

اسے بازار لے گئے

ایک طرف سے چاکر اور دوسری طرف سے ہاتھی

اس نے ایک بلی کو پاؤں سے پکڑا

اٹھا کر ہاتھی کو دے ماری

ہاتھی گھبراہٹ میں واپس مڑا

دیواریں کمرے گراتا ہوا

رندوں میں مسرت پھیل گئی

میر چاکر کو فتح نصیب ہوئی

تیسری شرط:

ارغون حکمران کے پاس ایک شیر تھا۔ چاکر کو تلوار لے کر اُس سے لڑنا تھا:

ترجمہ:

یہاں ایک طاقتور شیر ہے

تم اس پہ اپنی تلوار آزما لو

ایک طرف سے چاکر اور دوسری طرف سے شیر

دونوں بہادر تن گئے

باہم گتھم گتھا ہوئے

سردار اور شیرازی شیر

اس نے میان کی تلوار کا وار کیا

شیر اوندھا گر گیا

رندوں میں مسرت پھیل گئی

میر چاکر کو فتح نصیب ہوئی

تینوں شرائط پوری ہوگئیں۔ متکبر ترک کے پاس اب چاکر کی درخواست کو رد کرنے کا کوئی اخلاقی جواز نہ رہا۔ چنانچہ:

ترجمہ:

زنوں کی قہار فوجیں ہیں

اس نے فوج دے دی

چنانچہ چاکر بدبختی کا لشکر لے کر سبی کی طرف رواں ہوا۔ منزلیں طے کرتا ہوا تھکا ہارا لشکر سبی کے قریب پہنچا تو ذوالنوں نے جنگ سے انکار کر دیا۔ بہر حال رات پڑ گئی۔ چاکر نے کمال چالاکی سے اپنے آدمیوں کے ذریعے ذوالنوں کے بیٹے حیدر خان کو پہاڑ کے شکار کے لیے آمادہ کرالیا۔ رندوں نے راستے میں اسے قتل کر دیا اور خود کو زخمی کر کے واپس آئے اور الزام لاشاریوں پر لگا دیا۔ یوں بپھرا ہوا ذوالنوں لاشاریوں پر ٹوٹ پڑا:

ترجمہ:

ڈھاڈر کے علاقے کو شرف بخشا

سنّی میں ایک رات قیام کیا

اور صبح گاجان پر ٹوٹ پڑے

لاشاریوں کا قتل عام کر دیا

ماؤں کے پیٹ کے بچے قتل کر دیے

کھوپڑیوں سے ایک مینار بنا دیا

مینار کی چوٹی پر میر بیٹھ گیا

میران تمہارے جلانے والے غم

ذرا سا کم ہو جائیں

اس نے لاشاری کو ہڈیوں کا ڈھیر بنا دیا

ایک سال تک کرگس کھاتے رہے

چنانچہ ان نعمتوں کے حصول اور توسیع کی تگ و دو میں سیوی کی سرزمین پر دو فیوڈل قبائلی گروہوں کے مابین تیس سالہ جنگ لڑی گئی۔ ان کے درمیان کل پچیس لڑائیاں ہوئیں جن میں دس بار لاشاری کو اور پندرہ بار رندوں کو فتح ہوئی (2)۔ (مگر فتح کیا ہونی تھی، ایک دوسرے کی جڑیں کھود کھود کر دونوں برباد ہو گئے)۔

مگر دیکھیے تقدیر۔ لاشاری کو تباہ کر کے اس کی جگہ بلوچستان پر اکیلے حکمرانی کرنے کی چاکر کی خواہش پوری نہ ہوئی۔ اس لیے کہ ذوالنوں کو معلوم ہو گیا کہ اُس کا بیٹا لاشاریوں نے نہیں، چاکر نے قتل کر دیا۔ اب چاکر کو اندازہ ہوا کہ ایک سپر پاور سے ناراضگی لینا کتنا خطرناک ہے۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کر لیا کہ وطن چھوڑ دے گا۔ چاکر نے اپنی قوم کے بڑوں

کوحکم دیا کہ شام ہوتے ہی وطن سے نکل جاؤ، البتہ کتے، گدھے، اور مرغے یہیں چھوڑ دیں جاکر ذوالنوں کی محفل میں بیٹھوں گا اور جس وقت وہ سب کو گھر جانے کی اجازت دے دے گا تو میں اپنی گھوڑی پر نکل آؤں گا۔ چنانچہ چاکر اپنے تین سالہ بیٹے کو ساتھ لے کر ذوالنوں کی محفل میں چلا گیا۔ کافی دیر کے بعد جب اسے اندازہ ہو گیا کہ اُس کے لوگ گھر بار چھوڑ کر جا چکے ہونگے تو اس نے بیٹے کی چونڈی کاٹی۔ بیٹا رونے لگا۔ ذوالنوں نے پوچھا، ''بیٹا کیوں رو رہا ہے؟'' چاکر نے جواب دیا کہ دودھ مانگ رہا ہے۔ ذوالنوں کے حکم سے بچے کو دودھ لا کر دیا گیا۔ چاکر نے پھر بچے کی چونڈی کاٹی۔ ذوالنوں نے پوچھا اب کیوں رو رہا ہے۔ تو چاکر نے کہا، ''کہتا ہے کہ دودھ میں پانی ملا دو''۔ ذوالنوں کے حکم سے دودھ اور پانی ملا کر بچے کو دیا گیا۔ تیسری بار بچہ پھر رو دیا۔ ذوالنوں نے پوچھا، اب کیوں رو رہا ہے، تو چاکر نے کہا، ''کہتا ہے کہ یہ دودھ اور پانی الگ الگ کر دو''۔ ذوالنوں نے کہا، ''یہ کام تو ماں ہی کر سکتی ہے، اسے گھر لے جاؤ''۔

چاکر روانہ ہوا اور گھوڑی پر بیٹھ کر یہ جا وہ جا۔

ذوالنوں مطمئن تھا کہ کتے بھونک رہے ہیں، مرغے اذانیں دے رہے ہیں، گدھے ڈھینچو ڈھینچو کر رہے ہیں... چنانچہ اُس نے آرام آرام سے صبح صادق کے وقت حملہ کر دیا۔ مگر وہاں تو صرف مرغے تھے، گدھے تھے اور کتے تھے...... (بلوچ کی لاجواب جنگی حکمتِ عملی!)۔

دشمن نے پیچھا کیا۔ چاکر نے سبی سے مشرق کی جانب آج کے چاکر تنک نامی درے میں مورچے سنبھال لیے۔ چاکر تنک کے نیچے ذرا سی کھلی جگہ ہے جسے ''ترک ءِ کنڈ'' اس لیے کہتے ہیں کہ یہاں ارغونوں نے صف بندی کی۔ (3) دشمن کی فوج میں ہاتھی تھے جبکہ چاکر خان بے تیغ لڑنے والا مومن تھا۔ مومن کی شکست یقینی تھی۔ مگر دغا اور دھوکہ سے حاصل کردہ اس کی بنائی ہوئی بیوی محترمہ ہانی نے اسے ایک بار پھر شکست سے بچا لیا۔ ہانی نے اپنی محبت کے اس سنگ دل قاتل اور مجازی خدا کو مشورہ دیا کہ وہ اونٹنی کے جوان بچوں پر پیش اور لکڑیاں

لادے اور رات گئے ان کا رخ ترک افواج کی طرف کر کے اس لکڑی کو آگ لگا دے۔ اس طرح دشمن کے ہاتھی بھگدڑ میں آ کر خود اپنے ہی لشکر کو پیروں تلے روند ڈالیں گے۔ چنانچہ دو کام ہوئے: ایک تو رندوں کی جو بھینسیں پہلے نکال دی گئی تھیں اور اب اُن کے دشمن کے قبضے میں آنا یقینی ہو گیا تھا تو چاکر نے کرامت کے ذریعے انہیں پتھر بنا دیا۔ یہ بھینس جتنے بڑے بڑے پتھر آج بھی وہاں موجود ہیں جنہیں 'چاکرءِ میہاگ'، 'چاکر کی بھینسوں کا ریوڑ' کہتے ہیں۔ (ہماری مائتھالوجی!!)۔

دوسرا یہ ہوا کہ چاکر نے محترمہ ہانی کی جنگی حکمت عملی پر عمل کرتے ہوئے ترکوں کو عظیم نقصان پہنچا کر واپس کرا دیا اور خود پنجاب کی طرف نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ ہانی اپنے محبوب، شہ مرید کی اتھاہ محبت کی جلن اپنے سینے میں لیے بے وطنی کی ٹھوکریں کھانے کے لیے بے انت مسافتوں کی مسافر بن گئی۔

چاکر تباہ، گوہرام تباہ۔ وطن چھن گیا اور پوری قوم دربدر ہو گئی۔ بلوچ شاعروں نے وطن بدر ہونے کی کیفیات اس قدر دل ہلا دینے والے انداز میں بیان کی ہیں کہ ان کے سامنے اعلیٰ ترین عالمی مرثیے بھی ہیچ ہیں۔

چاکر کی مستیوں کا خمیازہ بھگتنے والے اس کے 'فکری باڈی گارڈوں' نے یوں سینہ کوبی کی:

ترجمہ:

گردوغبار والے گنداواہ کے گوہرام نے
سمندر میں ایک ایسا پتھر پھینکا
کہ مچھلیاں باہر آ کر تڑپنے لگیں
پورے تیس سال تک ہم باہم دست و گریباں رہے

جنگی اسلحہ بدن پہ سجائے

تیغیں، خونی تیغیں

گنے کی ڈنٹھلوں کی طرح ٹیڑھی ہو گئیں

اب وہ میانوں میں جانے کے قابل نہ رہیں

دوہرے خود پہننے والے نوجوان

ٹیڑھی پگڑیاں پہنتے تھے

مونچھوں پہ مشک ملتے تھے

سبک رفتار گھوڑوں کو دوڑاتے تھے بے لگام

دنبہ کی چکی ان کی خوراک تھی

ان جوانوں میں سے ایک بھی تو زندہ نہ بچا

سب کو ہندی تلواریں (گھاس کی مانند) چر گئیں

تلواروں کی زہریلی دھاروں نے

ہم انہیں بدقسمت جوئے میں ہار چکے ہیں

انہیں کھو چکے طفلی کھیل تماشوں میں

ان کے شور مچاتے اونٹوں کے گلوں کا اب کوئی رکھوالا نہیں

باغی قلعے ویران ہو گئے

سیوی شالا حملہ آوروں کے گھڑ سواروں کی ٹاپوں کی گرد میں رہے

یہ، بدبخت گوہر کے تاوان کی نذر ہو جائے

گوہرام دونوں جگہوں سے بے گھر ہو جائے

نہ قبر ملے اُسے، اور نہ ہی نصیب ہو گنداواہ

سات سو بانکے نوجوانوں میں سے

جو بغیر لگام کے گھوڑے دوڑاتے تھے

ایک بھی نہ بچا

سب کے سب گوہر کی نحوست کا شکار ہو گئے

اسی طرح گوہرام کی طفلی سوچ کے ہاتھوں تباہ و برباد ہونے والے لاشاری اپنے سردار کو بچاتے ہوئے اِس جنگ کی تباہ کاری کا ماتم کرتے ہیں۔ اور اس ماتم کا انداز دیکھئے:

ترجمہ:

میں تین چیزوں کے لیے بہت ترستا ہوں

ایک چٹانوں کی ٹھنڈی چھاؤں کے لیے

اور برّوں کی چکی کی نمکین چربی کے لیے

پہاڑی ندی کے ٹھنڈے پانی کے لیے

جو کہ طاقتوروں نے ہم سے چھین لیے

اس طرح سلطان حسین نے پہلے تو لاشاریوں کا قتل عام کر کے ان کی فوجی قوت ختم کر دی اور کچھی کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اس کے فوراً بعد ہی اس نے سیوی پر قبضہ کر کے رندوں کے اقتدار کو بھی ختم کر ڈالا۔ سلطان حسین والیِ ہرات نے 1470ء میں بلوچستان پر قبضہ کر لیا۔

1480ء میں اس نے قندھار، شال، پشنگ، سیوی اور مستنگ وغیرہ کے علاقوں پر شجاع الدین ذوالنوں بیگ ارغون کو گورنر مقرر کیا۔ ذوالنوں کی موت کے بعد اس کا بیٹا شاہ بیگ ارغون اس علاقے کا حکمران بنا۔ ظہیر الدین بابر کے اس علاقے کے سیاسی میدان میں آتے ہی ارغونوں نے اس کی اطاعت قبول کر لی اور یوں یہ علاقہ مغلوں کے قبضے میں آ گیا۔

میر چاکر اس تیس سالہ جنگ اور لاشاریوں کو تباہ کرنے کے بعد 1512ء کے آغاز میں سبی سے ملتان چلا گیا اور سبی کے مشرق کی طرف چاکرءِ کور، چاکرءِ میہاگ، چاکرءِ پوش

نامی جگہیں اس کے سفر کے سنگ میل بن گئیں۔ بلوچوں میں سے گوئہرام لاشاری گم ہو گیا اور گجرات کاٹھیاواڑ کی جانب ہجرت کر گیا۔

اور جب کافی عرصہ گزرنے کے بعد بکرا اپنے پرانے وطن کو دیکھنے کے لیے بلوچستان کا دورہ کرتا ہے تو اُس کا تو دل بیٹھ جاتا ہے:

ترجمہ:

کچھی اب تم مجھے ورغلا نہیں سکتے
خوشوں کو سنہرا (پختہ) کر کے
سوری نامی جگہ سے لے کر مٹھڑی نامی علاقے تک
سب میری گھوڑی کی چراگاہیں ہیں
ایک قبیلہ ہے جسے مگسو کہتے ہیں
اس کی انگلیاں فربہ ہو چکی ہیں
ہمارے برتن چاٹ چاٹ کر
ہمیشہ سے ہمارا اسلحہ اٹھاتے تھے
اب ملک کے مزے وہ لیتے ہیں
(اس لیے کہ) دولت نے بلوچوں کو بدمست بنالیا تھا
چاکر و گوہرام باہم
انھوں نے شکم سیری میں
ہاتھیوں اور ہرنوں کی دوڑ کا مقابلہ کرایا
ترکوں نے میرے پیارے بھائیوں کو
بلندیوں سے اتار دیا

منہ زور دریاؤں پر سے پھلانگنے پر مجبور کر دیا

اژدھام کی تعداد میں جمع ہو گئے

کئی صد اور کئی ہزار

صبح دم بلوچ تن گئے

صبح سے لے کر گرد آلود شام تک

رخسار اور متکبر سر

تلواروں نے کھڑب کی طرح کاٹ ڈالے

چاکر، مشرق کا مسافر

سولھویں صدی کی پہلی چوتھائی میں مری بگٹی علاقے کے بڑے حصے میں بلیدی قبیلہ آباد تھا۔ بلیدیوں اور بجار کے مابین جنگ میں بلیدی سردار ہیوتان مارا گیا اور بلیدی علاقہ بدر ہو گئے۔ تب بجار، دودائی علاقہ کی طرف لپکا جو کہ سہراب اور اس کی اولاد کا ڈیرہ تھا۔ میر بجار نے سہراب دودائی اور اس کے خاندان کے ساتھ جنگوں کا ایک سلسلہ جاری رکھا۔ وہ ان لڑائیوں کے بعد پنجاب سے واپس بلوچستان آیا۔ وہ سبی پہ تو دوبارہ قبضہ نہ کر سکا البتہ کاہان اس نے بلیدیوں سے چھین لیا۔

بعد میں ماوند سمیت پورے مری علاقے سے شادیھان سومرانڑیں نے حسنی قبیلہ کو دھکیل باہر کر کے قبضہ کر لیا۔ بلیدی نیچے دریائے سندھ کی جانب آئے، جہاں پہ وہ آج آباد ہیں۔ ڈیرہ غازی خان کے دودائی خاندان کے ساتھ جنگوں کے دوران بجار نے خود کو پڑ رندوں کا بادشاہ تو کہلوایا مگر کبھی خود کو مری نہ کہا۔ مری کا لفظ بہت بعد میں تشکیل پایا۔ اسی لیے قدیم بلوچی شاعری میں مری کا ذکر نہیں ہے۔ دودائی اور بجار کے مابین لڑائیوں میں چاکر نے دودائیوں کی طرف داری کی تھی۔ یہ لڑائیاں 1520 سے 1550 تک چلتی رہیں۔ جس کے نتیجے میں یہ علاقہ رند اور دودائی کے درمیان تقسیم ہوا۔ مگر بجار اور اس کے ساتھی سیوی کو کبھی نہ بھولے تھے۔

محمد خان پیڑ داذانڑیں یوں خلاصہ کرتا ہے:

ترجمہ:

بجار نے کہا کہ، مری
چاکر سے الگ ہو گئے

انہیں سبی کی یاد ستاتی ہے
وہ نئے اور اچھے علاقے کی تلاش میں ہیں
اس طرح وہ اپنی خوب صورت
خواتین کو سفر کی صعوبتوں میں مبتلا رکھتے ہیں
اور لڑا کا ساتھی تلاش کرتے ہیں

وہ ڈیرہ غازی خان میں کچھ لوگ بٹھا کر واپس ہوا۔ مقبوضہ علاقوں میں لوگ آباد ہوتے رہے۔ اس کے کچھ لوگ جیکب آباد میں آباد ہیں جو ڈیرہ بگٹی سے گزرتے ہوئے وہاں بس گئے۔ وہ ابھی تک بجارانڑیں کہلاتے ہیں۔ محمد خان پیڑ دادانڑیں کی تحقیق کے مطابق مری علاقے میں بجار کے لوگ چاکر، منڈاھی، ماوند، کاہان اور سفید نامی مقامات میں بس گئے، مگر ان کی اولین آبادکاری شاید ماوند کے آس پاس ہوئی تھی۔ یہ روایت بھی ہے کہ مری قبیلے کا اپنا نام کوٹ منڈاھی کے پہاڑی سلسلے کے نام سے لیا گیا۔

بہرحال میر چاکر نے سبی سے مری علاقے کو اپنی جلاوطنی کا راہ گزر بنالیا۔ بجار اور اس کا گروہ بجارو ڈھ نامی مقام پہ چاکر سے جدا ہو گیا تھا۔ چاکر باقی ماندہ لوگوں کے ساتھ کاہان کے قریب باربوژ نامی درے سے ہوتا ہوا مری بگٹی علاقے سے میدانی پنجاب کی جانب نکل گیا۔

اُس کے زمانے میں مری کے علاقے میں آبادی بہت کم تھی۔ ماوند، کاہان اور بابر کچھ کے اردگرد ہی آبادی تھی جسے بجار نے یکجا کیا۔ اسی دوران ہی اس آبادی کا نام اور کام کی وجہ سے مری پڑ گیا۔ بجار کی سربراہی میں رند کے کچھ گھرانے بھی دریائے لہڑی کے کنارے سے لے کر ماوند کی وسعتوں میں آباد ہو گئے۔

بلوچستان کا سابقہ فیوڈل چاکر، ایک بار مہاجر چاکر بنا، اور پھر مستحکم فیوڈل بنا۔ پہلے سیوی کی پانی والی زمین تھی، اب ملتان کی زرخیز زمین تھی۔ افرادی قوت رکھنے والا سردار جہاں

جائے اسے جاگیر اور زمین ملنی یقینی ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں قبیلہ سردار کے لیے بذاتِ خود کرنسی کا کام دیتا ہے۔ یہ ایک ٹریولنگ چیک ہے، جسے سردار نے جب چاہا کیش کرالیا۔

یوں میر چاکر کا متحرک عہد اس طرح ختم ہوا کہ برادر کشی اس عہد کا علامت بن گئی۔۔۔ اور بربادی اس کا نتیجہ۔

مجھے کچھ پتہ نہیں کہ شاعری کس کی ہے مگر میں نے معمر مری، محمد خان پیر دادانی (جو اب مرحوم ہیں) سے ریکارڈ کی تھی۔ ذرا تاریخ نویسی تو دیکھیے:

دلّی شاہ جہان ایغا سیوی ہندہ رندانی
قویہیں چاکرہ ماڑی یہ نشکائے بلوچانی
سنّی کوردفیں شوراں مئے ڈا چی جھوکاں بگّانی
دَ گٹیں میلھہ کوہا خراساں جیذہ میشانی
شتو ستہ گھرا گوئستہ میریں چاکر وہانی
حسن گوں چل ہزار مڑدا گروخیں کمیشانی
ہواں رندیں جناں سیغا پڈا پہ الکھہ نامی
گپتہ زہرنیں ترکاں گہیں سیوی سوادھانی

بلوچ اور مغل

سمرقند پر دوبارہ قبضہ کی کئی ناکام کوششوں کے بعد بابر نے اپنی توجہ جنوب کی طرف کر دی اور پانچویں کوشش پہ ابراہیم لودھی کی فوج کو پانی پت کے میدان میں شکست دے دی۔ اس طرح ابراہیم، لودھی سلطنت کا آخری، اور بابر، مغلیہ سلطنت کا پہلا حکمران بنا۔ جب وہ ابھی کابل میں تھا تو پنجاب کے صوبیدار دولت خان لودھی کی جانب سے ایک وفد نے اس سے ملاقات کر کے اسے پنجاب آنے کی دعوت دی۔ جب دہلی کے بادشاہ کو دولت خان کی وفاداری پر شک ہوا تو اس نے اُسے لاہور سے نکال دیا۔ اور وہ سابق حاکمِ لاہور بلوچوں کے پاس پناہ لینے پر مجبور ہوا۔ بابر پنجاب روانہ ہوا تو دپالپور کے مقام پر دولت خان جو بلوچوں کی پناہ میں تھا، بابر کے ساتھ مل گیا۔ بابر نے سیوی واپس بلوچوں کے حوالے کر دی۔ (بلوچوں کی حمایت لینے کی تگ ودو بابر سے لے کر آج تک کے ہر حکمران کی مجبوری رہی ہے)۔

ہر بادشاہ کی طرح بابر کی بھی بہت سی خواہشات اور بہت سے پروگرام تھے۔ اور اِن ساری خواہشات کی تکمیل وہ ہندوستان فتح کرنے کے بعد کر سکتا تھا۔ مگر کہیں سے موت نے آ کر اسے ہمیشہ کے لیے فطرت کی بے کراں ہستی میں جذب کر لیا۔ اور اُس کی خالی کردہ چوکی پر ہمایوں کو 'ظلِ سبحانی' بنا دیا۔ اسی کرسی کے بطن سے شیر شاہ نامی ایک اور وار لارڈ نے ہمایوں کی دوڑ لگوا دی۔ چنانچہ ایک اور ظل الٰہی وجود میں آیا، ایک اور بادشاہ بنا اور استحصال کی ایک اور شکل سامنے آئی۔

اس سے قبل 1539 میں شیر شاہ کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد ہمایوں بھاگا بھاگا لاہور چلا گیا اور وہاں سے ملتان جا کر دم لیا۔ جب وہ اوکاڑہ کے قریب قصبہ سرگودھا پہنچا

تو اس کی خوراک کا ذخیرہ ختم ہو چکا تھا۔ اور اس نے چاکر کے امرا میں سے ایک، بخشو بلوچ سے مدد طلب کی۔ اس نے آٹے سے بھری ہوئی سو کشتیاں شکست خوردہ بادشاہ کو امداد کے بطور فراہم کیں۔ بعد ازاں انھی کشتیوں پر سوار ہو کر بادشاہ نے دریا عبور کیا۔ شہنشاہ کی بہن گلبدن بیگم، بخشو کی اس امداد و کمک کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کرتی ہے : ''اللہ تعالیٰ اپنا رحم و کرم بخشو پر نازل کرے جس نے سخت مشکل کی گھڑی میں شہنشاہ کی خدمت کی''۔ ہمایوں وہاں سے ڈیرہ غازی خان آ کر بلوچوں کی سجی اور کاک سے لطف اندوز ہوا۔ تنزلی کے اس سفر میں اس نے اپنے دو چار شناساؤں کے دروازے ضرور کھٹکھٹائے مگر جب انسان کی آنکھیں بدل جاتی ہیں تو اس کی روایتیں اور ثقافتی اقدار بھی بدل جاتی ہیں۔ بالآخر شال و مستنگ کے بلوچ سردار لونگ خان نے اسے باہوٹ بنالیا۔ یہ واقعہ 1545 کا ہے۔ بلوچستان سے گزرتے ہوئے وہ نوشکی میں رکا، جہاں سردار ملک خطی نے اس کی مدد کی۔ جسے ابوالفضل نے ''صحرا کے رہزنوں کے سرخیل'' کا نام دیا تھا۔ وہاں سے اُسے بلوچوں نے گرم سیل کے راستے سیستان ایران تک پہنچایا۔ ایران کی مدد سے اس نے قندھار فتح کر لیا اور آگے کی فتوحات کے لیے پھر بلوچوں سے مدد کی اپیل کی۔ غیور بلوچ جوق در جوق مری علاقے سے روانہ ہوئے اور ڈیرہ غازی خان میں خود کو منظم کرنے لگے۔ لاہور کے مقام پر بلوچ لشکر اُس سے آن ملا۔ 1545 میں سرہند کے میدان میں میر چاکر کی ہمشیرہ بانڑی کے اکسانے اور جوش دلانے کی حکمت عملی نے بلوچوں کو فیصلہ کن جنگ پر ابھارا۔ اور اُن کی بہادری اور بے لوث جنگ کے نتیجے میں ان کے اتحادی ہمایوں کو تخت نصیب ہوا۔ بلوچ سرداروں میں شہزاد، نوہک اور الن چاکر خان کے ساتھ تھے۔ رندوں کے تین سو جوان مارے گئے مگر بلیدی بہت قتل ہوئے۔ ہمایوں نے کچھ بلوچوں کو پنجاب کے علاقہ دوآبہ میں جاگیریں دیں اور ٹالپروں کو کوہِ سلیمان کے دامن میں۔ (یہ ٹالپر بعد میں وہاں نہ ٹکے اور سندھ میں بس گئے)۔

بلوچ ہمایوں کی فتح سے قبل اور بعد میں مکمل طور پر فیوڈل سماج میں زندگی بسر کرتے

تھے مگر یہاں ان بلوچی اشعار کو نقل کرنا بھی دلچسپ ہوگا، جو سوریوں کے خلاف جنگ و فتح کے شاہد ہیں۔ اس سے ہم اس عہد کی سیاسی، سماجی اور معاشی صورت حال کو باریکی سے دیکھ سکیں گے۔(کہتے ہیں کہ یہ میر شہداد کی شاعری ہے)۔

ترجمہ:

اس بار دو دستی تلوار چلانے والے لنگاہ
ناھڑ، خوشحال کنگ
اور دودائی' تلوار کے جوہر دکھانے نکلے ہیں
وہ تلواریں جو سبز میانوں میں رکھی جاتی ہیں
اپنے امیر گلے اور کندھوں پر ڈالے چلے آتے ہیں
ہرات کے مخمل اور ریشم کا لباس پہنے نکلے
اس مرتبہ اکٹھے جوا کھیلتے ہیں
اپنے سونے جیسے بیٹے ہار دیں گے
یا خود اپنے سر گنوا دیں گے

ترجمہ:

اس دفعہ (بلوچ) کے تمام طاقت ور لوگ یک جا ہیں
چالیس ہزار رند آ گے آ گے ہیں
خود ہمایوں کی فوج لا تعداد ہے
سورج نکلا اور فوجیں ظاہر ہوئیں
بلوچوں کے خوب صورت جسموں پہ زرہ بکتر ہیں
یا پھر مغلوں کے نیزے اور بکتر ہیں

زمین پر پاؤں رکھنے کی جگہ نہیں ہے
پرندے نیزوں پر بیٹھتے ہیں
فوج کے درمیان میں سے ہرن پکڑے جاتے ہیں

ترجمہ:

سورج جب طلائی برجوں سے طلوع ہوا
تو جنگ کے طبل بج اٹھے
رند سپوت دوڑتے ہوئے آگے بڑھنے لگے
جنگ کے تصور سے ان کے دلوں میں کچھ خوف نہ تھا
آج تمہارے وجود خدا کی امان میں ہیں
اپنی بیویوں اور حسین بیٹوں کے ساتھ
اب سر دھڑ کی بازی لگی ہے
تا آنکہ وہ کابلی ترکوں (سوریوں) سے ٹکرا گئے
بندوقوں کی گولیوں کے ساتھ لڑائی چھڑ گئی
تلواریں سروں اور دھڑوں کو چیرتی تھیں
زیادہ دیر نہیں گزری
ہم نے جو سرخ آنکھیں اٹھا کر نگاہ دوڑائی
تو دیکھا کہ میر کے لشکر کا ایک حصہ ٹوٹ کر بھاگ رہا ہے
ان کی اڑائی ہوئی گرد امیر کے جھنڈے سے گزر گئی
دہلی کے ترک سپوتوں نے دباؤ ڈالا
لشکر کے بائیں بازو کا ایک حصہ ٹوٹ گیا

اس کا ایک حصہ میر کی جانب سے ہٹ گیا

رند تو جنگ میں اپنی ایڑھی بھی پیچھے نہیں سرکاتے

شیہک کی بیٹی بانڑی خود میدان جنگ میں کود پڑی

اپنے دونوں بازوؤں کو چوڑیوں کے ساتھ اوپر اٹھایا

ہاتھوں میں پہنی ہوئی اچ میں بنی ہوئی نوخوبصورت چوڑیاں توڑ ڈالیں

عزت وعصمت تک بات آ گئی

تو بہادر رند واپس پلٹے

تلواریں چلائیں، رندوں اور اصیل گھوڑوں نے

شاباش ہو بلوچوں کے خوب صورت جسموں کو

یا مغلوں کی فولادی ٹوپیوں اور زرہ بکتروں کو

دشمن کی تلواروں کو ہم نے اپنے مضبوط کندھوں پر روکا

اور اپنے بلوچی ٹولیوں پر

دِلی کے حرام کھانے والے ترک (سوری) شکست کھا گئے

ان کے مضبوط فوج کو ہم نے سات ٹکڑیوں میں کاٹ ڈالا

ہم نے شیروں کی طرح سات ہزار دشمنوں کو کاٹ پھاڑا

دشمنوں کو ہم نے چکی کی طرح پیس ڈالا

ہم نے دِلی کے مال ودولت سے بھرے قلعے پر قبضہ کرلیا

اور ادھر آٹھ پہر تک پڑاؤ کیا

تاکہ ہمارے جواں مرد آرام کریں اور گھوڑے ستالیں

کھڑے کانوں والی گھوڑیاں دم لیں

ان کے جسموں سے زخم اور سوجن دور ہو

اس طرح ہزار گنج والے دلی پر اتحادیوں نے قبضہ کرلیا۔ دِلی کی فتح کے بعد رندوں کے ہزاروں خاندان دارالسلطنت کے مضافات میں آباد ہوگئے۔ بعد ازاں ان میں سے کئی آگرہ کی جانب منتقل ہوگئے اور ''بلوچ پورہ'' بسائی۔ ہمایوں نے شال اور مستنگ لونگ خان بلوچ کو دے دیے۔

بلوچوں کی پیدا کردہ بدامنی نے شہنشاہ شاہ جہاں کو مجبور کردیا کہ وہ صوبہ ملتان کے انتظامی معاملات کی نگرانی اپنے بیٹے شہزادہ اورنگ زیب کے سپرد کردے۔ 1106 ہجری میں اورنگ زیب نے بلوچوں پر حملہ کردیا۔

میر چاکر نے ایک مختصر وقت کے لیے بلوچستان پر مغلوں کے اقتدار کو متزلزل کردیا جو کہ Tamerlane کے تحت چودہویں صدی میں بحیرہ عرب میں پھیل چکی تھی۔

میر چاکر نے ایک سلطنت قائم کی جو جنوب مشرقی پارس (مکران)، موجودہ بلوچستان، جنوبی افغانستان، سندھ اور پنجاب کے جنوب میں ملتان تک ہوتی تھی...... البتہ میر چاکر کی موت کے فوراً بعد یہ اولین اور واحد بلوچ سلطنت ختم ہوگئی۔ بعد ازاں آج کا بلوچستان صفویوں کے تحت چلا گیا۔

کویل جت

Kavail Jat

پندرہویں صدی کا بلوچ سماج نہ صرف یہ کہ طبقاتی تھا بلکہ اِسی طبقاتی بنیاد پر یہ ذات پات کا نظام بھی بن چکا تھا۔ یہاں ایسے کئی پیشے تھے جن سے وابستہ لوگوں کو دوسرے درجے کا بلوچ سمجھا جاتا تھا۔ ہم ڈومب اور جت کا ذکر پچھلے عنوان میں بھی کر چکے ہیں۔

اسی ذات پات کے مکروہ مرض میں مبتلا سماج کا مارا ہوا، ایک کردار کویل جت کا ہے۔ یہ بہادر اور وجیہہ نوجوان گو کہ پیشے کے اعتبار سے شتر بان نہ تھا مگر صرف 'جت' گھرانے میں پیدا ہونے کی وجہ سے دوسرے درجے کا بلوچ بنا دیا گیا۔ وہ اپنی بہادری، جوانمردی اور چاک چوبندی کے باوجود ذات پات کا نظام پار نہ کر سکا۔ اپنی کم ذاتی کے نچلے زینے سے اوپر چڑھ نہ سکا۔ وہ دوسرے درجے کا شہری، دوسرے درجے کا ہی رہا۔ آیئے اس کی فریاد سنتے ہیں اور بلوچی ادب کے غنی ہونے کی گواہی دیتے ہیں؛

ترجمہ:

کویل جت اب عطر نہیں لگاتا
میں جت تو نہ تھا جت ہو گیا ہوں
(اس لیے کہ) مجھے ماں نے جت جنا ہے
جت کے بطور پکارا گیا ہوں
حالانکہ میں نے تراشا ہوا ڈانگ کبھی نہیں اٹھایا
میں نے رسی کبھی نہ اٹھائی

میں نے کبھی گائے نہ دوھی

میں نے اونٹوں کا رم کبھی نہیں چرایا

میں بھیڑ بکریوں والا شخص نہیں

میں نے کہیر کے درخت پہ کبھی کلہاڑی نہ چلائی

داڑھی اور شیر جیسی مونچھوں کی

میں نے زباد سے پرورش کی

میں نے عطر سے انہیں سنوارا

میں نے تیز رفتار گھوڑوں سے تعلق رکھا

تیز رفتار گھوڑوں سے اور اچھی عورتوں سے

گلی کی کمسن کرگسوں سے

رندوں کی لمبی زلفوں والی عورتوں سے

میر چاکر کے سائے میں

دلچسپ بات یہ ہے کہ طبقاتی نظام پر مبنی ''بلوچ ذات پات'' والا سماج گزشتہ چھ سو برس سے موجود ہے لیکن اس کے خلاف ایسی پر اثر اور بلند آہنگ احتجاجی صدا شاید ہی کسی نے لگائی ہو جتنی کہ نیم ملینیم سال قبل قویل جت نے بلند کی تھی۔ انٹرنیٹ، فیس بک، ٹوئیٹر آنے کے باوجود، پوری دنیا میں ذات پات نظام کی شکست کے باوجود آج کوئی دانش ور، شاعر اور ادیب اِس موضوع کا تذکرہ تک نہیں کرتا۔ پتہ نہیں کون زیادہ مہذب ہے، آج اکیسویں صدی کا بڑے سے بڑا ادیب، یا پھر پانچ سو برس قبل کا ایک عام اَن پڑھ شخص کویل؟۔ قویل، طبقاتی معاشرے اور اس کی زوال پذیر اخلاقیات پہ دُہائیاں دیتا ہے۔ سبق آموز تجربے بیان کرتا ہے:

ترجمہ:

بڑے بڑے قول وقرار ٹوٹے

اچھے آدمیوں سے اعتبار چلا گیا

بے بہا عورتوں کے وعدے گئے

حرص سے دولت نہیں بڑھتی

موت سر کے بچانے سے نہیں ٹلتی

دوستی زبردستی سے نہیں ہوتی

محبت قیمت پہ نہیں خریدی جاسکتی

دل امانت میں دینے کی چیز نہیں ہوتی

محبت چار چیزوں سے حاصل کی جاسکتی ہے

ایک حیا، دوسری ادب آداب

تیسری میٹھی زبان

چوتھی سخاوت

دولت غلاموں کو اچھا بناتی ہے

(اور) غربت اچھوں کو گم نام کردیتی ہے

ہَیوتاں
Hevtan

ساری دنیا میں عموماً، مگر بلوچ کلاسیک میں بالخصوص ایک مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ اگر آپ خود سے اُس شاعری پر سٹوری لکھنے بیٹھ جائیں گے تو اُن خوب صورت الفاظ، نگینہ ضرب الامثال، بیش بہا استعاروں اور لاثانی اسلوب سے محروم رہیں گے جو اُس شاعری میں موجود ہیں۔ اس لیے اگرلکھاری کی یہ خواہش ہو بھی کہ وہ محقق بھی رہے اورادیب بھی کہلائے، تو ہماری کلاسیکل شاعری اس کی اجازت نہیں دیتی۔ مجھے نہیں پتہ کہ ڈی ایچ لارنس کی بات بلوچی کلاسیک پر پورا اترتی ہے یا نہیں کہ : ''آرٹسٹ پہ کبھی بھروسہ نہ کرو، کہانی پہ اعتبار کرو''۔ بس آپ ڈرامہ بھری، کہانی سے لبریز اور جمالیات سے گندھی شاعری پڑھیے۔ میں زیادہ سے زیادہ ترجمہ کی حد تک 'شامل باجا' رہوں گا یا ایک آدھ وضاحتی بریکٹ میں بریکٹ بن سکوں گا۔

ہیوتان میرالی رند تھا۔ ہیوتان، اُن لوگوں میں شامل تھا جن کا نام اُن کے کردار کی صحیح عکاسی کرتے ہیں۔ وہ واقعی ہیبت تھا، دشمنوں کے لیے ہیبت ناک جواں مرد۔ اس کے بھائی کا نام بیورغ تھا۔

پتہ نہیں وجہ کیا تھی کہ اُس فیوڈل عہد میں بلوچ کا ہر قابلِ ذکر شخص مار دھاڑ بھرا کوئی قول دیتا تھا، اور پھر زندگی بھر اُسے پالتا تھا۔ سر (یا سروں) کی قیمت پر۔ یہ خصوصیت میں نے دوسری زبانوں کے کلاسیک ادب میں بہت کم دیکھی ہے۔ ہیوتان نے یہ قول دیا تھا کہ اگر ایک بار کسی کا اونٹ غلطی سے بھی اُس کے اونٹوں کے بگ (گلے) میں آجائے تو پھر وہ اُسے واپس نہیں کرے گا۔

ترجمہ:

ہیوتان نے رند محفل میں قول دیا

تین بار بایاں ہاتھ داڑھی پہ پھیرا

جس کسی کی بھی ڈاچی میرے بگ (گلے) میں آجائے

(تو پھر) حملی بلند پہاڑ کے اُس طرف ہی رہے گی

خوشی سے واپس مالک کو نہ ملے گی

وہی آدمی آگے آئے جو میرا خون ڈاچی کے ساتھ لے جائے

وہ ڈاچی تلواروں ڈھالوں سے بندھی ہوگی

کوئی اور جنتڑ یں اُسے دوہنے کی آس نہ لگائے

کلاسیک تو پھر کلاسیک ہے۔ اور بلوچی کلاسیک تو ہمیں پیاسا کبھی نہیں چھوڑتا۔ ہمیں اِس قول سے آگے لے جایا جاتا ہے۔قول دینے والے کو قول پورا کرنے کا موقع فراہم کرنا بھی کلاسیک کا فریضہ ہے۔ پوری ایک کہانی موجود ہوتی ہے۔قول کرنے کے بعد ہیوتان کے قول کو بھی ایسی ہی آزمائش سے گزرنا ہوتا ہے۔ ہیوتان کو، خود کو اس قول کے پورا کرنے کا اہل ثابت کرنا تھا۔ ہوا یوں کہ ایک روز ایک مست اونٹ ہیوتان کے بگ میں گھس جاتا ہے۔ اور یہ مست اونٹ پورے رند قبیلے کے سربراہ سردار چاکر کا ہوتا ہے۔سُپر پاور چاکر کا اونٹ:

ترجمہ:

دن کے دو پہر چاکر کا اونٹ جھپٹ پڑا

اپنی مہار تڑوا کر ہیوتان کے بگ میں جا گھسا

بہت دیر تک چرواہے (جت) نے پتھر مار مار کر اُسے روکا

مگر اونٹ زور ہو گیا، ہیوتان کے بگ کے اندر چلا گیا
ہیوتاں رند نے فوری ردِعمل کا سوچا
اُسی سہ پہر ایک ڈومب روانہ کیا
کہ شہر چلے جاؤ اور چاکر کو میرا سلام پہنچا دو
رند کے سردار کو، طاقت وقوت کے مالک کو
اسے کہہ دینا کہ تمہارا اونٹ میرے بگ میں آ گیا ہے
اب اس کی واپسی مشکل ہے، میرے سر کے ساتھ بندھا ہے
یہ اُسی روز واپس آسکتا ہے جب میرے سینے سے جان نکل جائے
دوبارہ اب یہ آسانی سے سبی کے جنگلوں میں نہ آئے گا
مجھے ملکہ نما ماں نے پنگھوڑے میں لولی دی تھی
کہ اپنے سخن اور قول کی پابندی کرنا

اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب ہیوتان نے اونٹ واپس کرنے سے انکار کر دیا تو کیا ہوا ہوگا؟۔ کسی کے بدمست قول سے لوگ اپنے مال مویشی، اپنی نجی ملکیت سے دست بردار تو نہیں ہوسکتے۔ چنانچہ رند لڑنے کو تیار ہوئے:

ترجمہ:

اس بات پہ چاکر اور شہداد آگ بگولہ ہو گئے
رند جنگ کے لیے تیار ہو گئے
ہم اپنا اونٹ میرالیوں کے پاس نہیں چھوڑیں گے
رند پلنگوں چارپائیوں سے اتر آئے
جنگی اسلحہ جھاڑ پھونک کر اٹھا لیا
انہوں نے ارادہ کر لیا کہ میرالیوں سے لڑیں گے

مگر اقتدار کی غیرت عام انسانوں کی غیرت سے مختلف ہوتی ہے۔ زمان و مکان کی حقیقتیں پورے اخلاقی نظام میں تبدیلیاں لاتی ہیں۔ عام بلوچ کے ہاں غیرت، زمان و مکان کے مختلف ہونے کی بنا پر، مختلف ہوتی ہے بہ نسبت اُس کے حکمران کی غیرت کے۔ چنانچہ اسی مرحلے پر کلاسیک ایک اور کردار کو شامل کرتا ہے۔ عورت کو، ہانی کو:

ترجمہ:

اسی اثنا میں ہانی اپنے محل سے نکلتی ہے
چاندنی جیسی ہانی بازار کے چوک پر آن کھڑی ہوگئی
اس نے پکار پکار کر رندوں کو سات بار واسطہ دیا
تم ایک اونٹ کی خاطر میرال پہ تلواریں مت سونتو
چاکر اور شہداد میں جو تمہارے کرتوت دیکھ رہی ہوں
تمہارے اقدامات ہمیں سیلاب کے سامنے پھینک دیں گے
ہماری آباد بستیوں عمارتوں کو ویران کر دیں گے
اس طرح کے کئی اونٹ تو ہم نے بھکاریوں کو دے دیے ہیں
صبح سویرے کے سوالیوں کو اور چنگ بجانے والے ڈومبوں کو
رند کا ہر فرد ایک اونٹ مجھے ایک ہی پیغام سے دے دے گا
میں ایک سو تیس اونٹ لا کر تمہارے ریوڑ میں شامل کر دوں گی
نہ اپنا بازو توڑوں گی اور نہ گیاہستان میں آگ لگا دوں گی
اپنے بھائیوں کے ساتھ شر و شیطانی اچھی نہیں ہوتی
تم اپنی رعایا کے ساتھ برا نہ کرو، نیت ہی مالک کا چوکیدار ہوتی ہے
بادشاہوں کی عقل تو ٹھنڈی اور نرم رفتار ہوتی ہے
وہ مومنوں عاجزوں غریبوں کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں

یہ وہی ستم زدہ ہانی ہے جسے چاکر نے بے رسم و بے رواج انداز میں اپنے محبوب سے چھین لیا تھا۔ ہم نے گوہر جنتڑ یں کے معاملے میں بھی دیکھ لیا تھا کہ بلوچ عورت انسانی اقدار کی پاسداری میں کس قدر آگے ہے۔

خیر و جنگ کا یہ مناقشہ، یہ دلیل بازی جاری ہے کہ عین اُسی دوران ایک مخبر آجاتا ہے۔ یہ اطلاع آتی ہے کہ ہیوتان والا ایک اونٹ تو چھوڑ یئے، چاکر کا پورا بگ دشمن لے اڑے۔ اب کے یہ دشمن اپنے قبیلہ رند سے نہ تھے بلکہ روایتی حریف لاشاری قبیلہ نے یہ حرکت کی تھی۔ اس پہ شاعری میں آپ ردِعمل دیکھیں گے، جنگی تیاریاں، جنگی نعرے، جنگی ترانے، طعنے دیکھیں گے۔ Shivelary اپنے عروج پہ ہوتی ہے۔

ترجمہ:

پھر نیم شب کو خبر پہنچانے والے سرپٹ دوڑاتے آئے
سوتے ہوئے چاکر کو بتاتے ہیں
رات کو تمہارے اونٹوں کا رم تلخ دشمن لے گئے
چھوٹے شتر بچوں نے اچانک فریاد کرنا شروع کر دی
ڈاچی دودھ بھرے تھنوں کے ساتھ مڑ مڑ کر پیچھے دیکھتے تھے
اب پچھلی جگہوں سے تمہارے توانا اونٹ غائب ہیں
ندیوں کے دہانوں سے، درختوں کی چوٹیوں پہ لگی پھلیوں سے

یہ بھوک نہ تھی، ڈاکہ بھی نہ تھا۔ یہ تو مستی تھی۔ دوسرے قبیلے کو لڑائی کا چیلنج تھا۔ اب تو نہ لڑنے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ خود اوپر کی شاعری میں لہجہ تو دیکھیں، اکسانا، اشتعال دلانا.....

چنانچہ:

ترجمہ:

اب چاکر وشہداد کی حالت بہت خراب ہے
دیگ کی طرح ابلتے ہیں اور جھاگ ہونٹوں پہ جم گئی ہے
یا اپنے اونٹ واپس لاؤں گا یا خود کو ایک ہی بار تباہ کروں گا
دعا کی سیدوں نے، شیہہ کٹی نے، عالموں نے
وسیع سبی طوفانوں کی زد میں ہے
گوری لڑکیاں اپنی رانوں پہ دوہتھڑ مارتی ہیں
وہ اپنے پیروں، مرشدوں کو پکارتی ہیں اور منتیں مانتی ہیں
تندرست بھیڑیں، بیل گائے اور کالے دنبے
یہ سب کچھ نذر کرتی ہیں یہ زنجیر زلفوں والیاں
کوئی اپنے بھائی کے لیے اور کوئی محبوب کے لیے
بہادر چاکر نے کہا کہ میں کیوں زندہ ہوں
میں کیسے آرام سے بیٹھ کر شیر وشربت نوش کرتا رہوں
اور فریادیں کرتے ہوئے میرے اونٹ گوہرام کے پاس ہوں
دشمن قرعہ اندازی کر کے باہم بانٹ لیں
یا میں سر کی بازی لگا دوں گا یا اونٹ واپس لاؤں گا
مجھے دو لاکھ رند گھڑسواروں کی اپنی طاقت کا اندازہ ہے
نیزوں، تلواروں اور سر کاٹنے والے خنجروں کے ساتھ
میں بڑے سبی کو شبینہ بلا سے دوچار کر دوں گا
تا کہ رند ولاشاری بادل اور گرج کی طرح لڑنے کو تیار رہیں
تلواروں سے کھیلیں اور اُن کا خون چار راہوں میں بہے

ظاہر ہے یہ چاکر کی خود کلامی نہیں ہے۔ یہ تو ایک پیغام ہے جو بلند آہنگ میں دوسروں کو دیا جارہا ہے۔ ہر شخص خود سے بھی یہی کہہ رہا ہوتا ہے اور قبیلے کے دوسرے جواں مردوں سے بھی۔ جذبہ بلند رکھنا، اپنی پوری قبائلی طاقت مجتمع کرنا، پیروں فقیروں کی آشیر بادیں لینا، نذرانے منتیں ماننا، اور پرعزم ہوکر اپنے مال وجان و آبرو اور قبائلی وقار کی خاطر جنگ لڑنا۔

رزمیہ شاعری کا اپنا ذائقہ ہوتا ہے۔ مگر بلوچی رزمیہ شاعری تو بالخصوص پڑھنے سننے سے تعلق رکھتی ہے۔ جنگی رپورٹنگ بھی شاندار، مگر جنگ سے قبل کی تیاریاں، افواج جمع کرنا، قول وعزم کرنا، حسیناؤں کے طعنوں کے خوف کو زندگی ہار جانے کے خوف سے زیادہ محسوس کرنا۔ ایک مکمل حیرت کدہ، ایک مبہوت کرڈالے والا باب:

ترجمہ:

چاکر کے قاصد آٹھ دس راستوں کو نکل پڑے
پکار اور نعروں میں رند اکٹھے ہو گئے
دشتِ شوران سے غصہ بھرے لشکر نکلے
جاڑو اور سحاق نے اپنے گھوڑے تیار کر لیے
کس کر زین مالکوں نے باندھ لی
نوذیں اُن کے ساتھ تھا ملوک اور ہمل سربراہ ہیں
رند اور پتلی گھوڑیاں سرپٹ روانہ ہوں
صبح سویرے گھوڑیوں کی قطار ہوتی ہے
نلی اور تنگ دھن گاجا میں نکل جاتے ہیں
مِیلھا کے چست بہادر رقصاں ہوئے
اومر، ریحان اور حسن لشکر کے ساتھ ہیں
بیورخ اور میران اور ہیوتان بھی اونٹوں کی واپسی کے لیے ساتھ ہیں

ڈاڈر و بولاں اور دھند میں گم سنّی تک حرکت میں آ گئے

تیز رفتار تازی اور غراتے گھوڑے آتے ہیں

رند گھڑ سوار، لپکتے ہیں

باہر اور دوستین کوہِ ماران سے روانہ ہوئے

شیر خوار اسپ بچوں پر زین کس کے

علاقوں سرحدوں کو پرندوں کے پروں کی سنسناہٹ کی طرح پار کر گئے

طیش میں آتا ہے دوستیں اور اپنی گھوڑی کو چابکیں مارتا ہے

تم نے دن رات غلہ کھانے میں تامل نہ کیا

سبی کے سبز گندم اور ڈاڈر و کچھی کے خوشوں سے

منہہ کے سایوں میں تم برتنوں میں پانی پیتے رہے

پانی برتنوں میں اور گھی چاندی کے قدح میں

میں نے تمہارے گلے میں چاندی کے ہار باندھے

آج وہ دن ہے جب میں اپنا قرض مانگتا ہوں

تم سارے رند گھڑ سواروں سے آگے آگے رہو

خدا کرے تم پسپا نہ ہو کہ مدھر چال والیاں تم پہ آوازیں کسیں گی

وہ پتلی لڑکیاں، سبی کی زنجیر زلفوں والیاں

ایسا نہ ہو کسی روز راہ گیروں کے ہاتھ دور نشیں محبوبہ کا گِلہ آئے

چنانچہ سیاہ گھوڑی میدانوں پہ بہتی آگے بڑھتی ہے

نگاہیں لاشاری کے علاقے کے گرد پہ جمائی ہوئی

ایک ہی سِن والے نوجوان سبی کے شہر سے نکلے

چاکر کی فوج سیٹیوں نقاروں اور نیزوں کے ساتھ نکلتی ہے

زرہ بکتر ڈھال لنگی اور ململ میں ملبوس

بدن اسلحہ سے لیس اور پیروں میں سرخ جوتے

پسینہ سے شرابور، خوب صورت کانوں والی گھوڑیاں بڑھتی ہیں

چری ہوئی گندم اور غلہ تمہیں حلال ہے

اپنے قدموں کی رفتار بڑھا دو تا کہ ہم تلخ دشمن تک پہنچ پائیں

آج دلدل جیسی رفتار کے ساتھ پرندوں کی سی جھپٹ میں آگے بڑھو

اب رندو لاشار دور نہیں ہیں، بس ایک پکار کی دوری پر ہیں

آگے بڑھتی ہیں گھوڑیاں اور لپکتے ہیں نوجواں

بجار کی آواز آرہی ہے جو معتبرین سے گفتگو کر رہا ہے

میرا ایک ہاتھ تلوار پر ہے اور دوسرا دور نشین کی نشانی والی انگوٹھیوں میں

مور پری عورتوں کے کنگن میرے پاس ہیں

(محبوباؤں کے) گلے کے زیور تم لوگوں کے ساتھ ہیں

(یہ) ہمیں نشانی کے بطور رندوں کی سرخ چشم لڑکیوں نے دی ہیں

اِن (نشانیوں) پر پورا اترنا مشکل ہے کٹھن چٹانوں پر چڑھنا ہوتا ہے

یہی تو وہ وقت ہے جب زائیدہ اور گابھن جدا ہوتے ہیں

بہادر آگے بڑھتے ہیں، بزدل پہلو بچاتے ہیں

اپنی محبوباؤں کو یاد کرو اور اپنی گھوڑیوں کو ایڑ لگاؤ

اس لیے کہ بعد میں خبریں پہنچیں گی بستی کی عورتوں تک

سبی دور نہیں وہ دھند میں نظر آتا ہے

تم لوگ تیغوں کے سامنے سے پہلو نہ بچانا

ہمیں بعد میں طعنے اور دشمنوں کی باتیں سننی نہ پڑیں

قتل شدہ مردوں کی نشانی کے لیے پتھر کی یادگاریں بنائی جاتی ہیں
واپس جانے والوں کے لیے تو بعد میں محض طعنہ والزامات ہوتے ہیں

قبیلے کا اجتماعی دفاع ہمارے ویلیو سسٹم کا ایک اہم جز و رہا ہے۔ دلچسپ ہے کہ حوصلہ بڑھانے والی اس ساری شاعری میں آپ کو خوف کا اظہار نظر نہ آئے گا۔ صرف ہمت بڑھانے کی باتیں ہیں۔ اور اس میں کسی فلسفہ یا نظریے کی ضرورت نہیں ہے۔ سادہ سی بات کہ قبائلی وقار کو برقرار رکھنا ہے۔ عزتِ نفس کے دفاع کی جنگ ہے یہ۔ کہیں بھی آپ کو کوئی اجتماعی بزدلی نظر نہ آئے گی۔

یہ خوبصورت بات بھی مد نظر رہے کہ اس سارے قصے میں پیر و مرشد موجود ہے مگر ملاّ مولوی کہیں بھی موجود نہیں ہے۔ میں حیران ہوتا ہوں کہ پوری بلوچ رزمیہ شاعری میں سے ملاّ غائب ہے۔ اُس کی کوئی حیثیت، کوئی یوٹیلٹی، کوئی افادیت موجود نہیں۔ عورت، گھوڑی، تلوار، نیزہ، مرشد، مراثی، شاعر۔۔۔۔۔ سب اپنے اپنے رول میں نظر آتے ہیں مگر ملاّ کا کوئی رول کوئی ذکر اذکار تک نہیں۔ مکمل نظر انداز کردہ۔۔۔۔۔

اور دوسری حیران کردینے والی بات محبوبہ کے بہترین استعمال کی ہے۔ محبوبہ اب محض محبوبہ نہیں رہتی، وہ اب جنگی ترانہ بن جاتی ہے۔ اُس کے سامنے شرمندہ نہ ہونا باقی ہر بات سے افضل ہے۔ محبت اب مکینکل فورس بن جاتی ہے۔ محبوبہ نظر نہ آنے والی وہ قوت بن جاتی ہے جو لڑائی کے پورے وقت آپ کو دیکھ رہی ہوتی ہے۔ لہٰذا ہاتھ نہ کانپے، دل نہ دھڑکے، ہونٹ نہ سوکھے، شمشیر نہ تھمے، ڈھال نیچے نہ ہو، دشمن کو پشت نہ ہو۔۔۔۔۔ سارا جنگی دورانیہ محبوبہ کو راضی رکھنے اور اُس تک اچھی خبر پہنچانے کی جدوجہد ہوتی ہے۔ سماجی معاشی اور سیاسی مقاصد وعوامل کچھ بھی ہوں، جنگ محبوبہ بنا نہیں لڑی جاسکتی ہے۔ بلوچ سماج میں یہ پہلو بہت ہی دلچسپ ہے:

ترجمہ:

بیورغ کی آواز آئی کہ گوہرام لاشاری بھا گنامت

آج رند تجھے نہ چھوڑیں گے، تم اپنی محبوبہ سے کیے ہوئے عہد کو خراب مت کرنا

ذراسا آہستہ ہوجاؤ، اونٹوں کو روک دو

ہم وہ لوگ ہیں جن کا سر اِن اونٹوں کے ساتھ رہن رکھا ہے

ہم ایک بار ضرور اپنی داڑھی اُن تک پہنچادیں گے

یا اپنے اونٹ واپس لے جاؤں گا یا شہید کی موت مروں گا

رند کی خوب صورت عورتوں میں سے لال صذو کو ماتمی بنادوں گا

کچھ بہادر دشمنوں کو اپنے گھٹنوں کے نیچے ماردوں گا

میں اپنے سنہرے نام کو مزید خوبصورت بناؤں گا

جانتا ہوں کہ موت مجھے نہیں چھوڑے گی نہ ہی میں ہمیشہ کے لیے زندہ رہوں گا

میں نے اپنا سر نہ بچایا دشمنوں کی لڑائیوں میں

تلوار کے بغیر تمہیں اونٹ نہیں مل سکتے

یا میرے قبیلے کو ختم کردو گے یا خون آلود منہ سے واپس لوٹو گے ''

یہ مونو لاگ یا پھر اعلانِ عام جاری تھا۔۔۔۔۔اور پھر ایک انہونی ہوگئی (بلوچ تاریخ انہونیوں سے بھری پڑی ہے!)۔:

ترجمہ:

پھر اچانک ناڑی دریا کے آس پاس ایک گردوغبار اٹھا

ہیوتان آیا، بیورغ آیا، ٹیڑھی پگڑیوں والے بہادروں کے ساتھ

چاکر! تم اپنی فوجیں روک دو ایک بار ہم میرالی قبیلہ کے لوگ لڑیں گے

تب آسمانی بجلیاں چمکیں اور گھوڑے اپنے سواروں کے ساتھ گرنے لگے
تلواریں برسنے لگیں اپنی آہنی دھاروں کے ساتھ
خون بہتا رہا، تلواریں چلتی رہیں
تیغوں نے سروں کے کاٹنے میں کیا کچھ نہ کیا
بہت سے بہادر اپنے پیارے بھائیوں کے ساتھ گر گئے
بیٹوں کی کٹی گردنوں سے آوازیں آتی ہیں، باپوں کے نرخرے بولنے لگے
نیزوں اور تاؤ دی ہوئی کمانوں نے انہیں لڑھکا کر رکھ دیا
جوہردار تیغوں نے ''درانتی اور جوار'' والا کام کیا
بھاری تلواروں نے غلہ اور چکی کی طرح انہیں پیس کر رکھ دیا
جیسے بن بادل کے گرج اور، ژالہ باری بھیڑوں کے ساتھ کرتی ہے
ایک مختصر ساعت کے لیے تلواریں بجتی ہوئی گزریں
سب کو اُن میرالی شیروں نے گرا ڈالا
ھیوتاں رند کے پسپا نہ ہونے والے گھڑسواروں نے
ایک سو چالیس میرالی ان اونٹوں کی خاطر قربان کر دیے
نو سو پچاس، خونی دشمنوں سے ہم نے مار دیے
ظہر ڈھلے لاشار جوان بھاگنا شروع ہوئے
چاکر کے اونٹ جنگ وجدل کے ذریعے واپس آئے

دیکھا ناں کہ کہانی کیسا موڑ مڑتی ہے!!۔ اچانک ھیوتان کے میرالی قبیلے والے جواں مرد میدان میں پہنچ جاتے ہیں۔ وہی ھیوتان جو کہ چاکر کا اپنا سانڈ اونٹ زبردستی لے گیا اور جس کے ساتھ لڑائی چھڑنے والی تھی کہ ہانی درمیان میں آ گئی تھی۔ مگر جب مشترکہ دشمن کی بات

آئی تو ہیوتان چاکر کی فوجوں کو رکنے کا کہہ کر خود لاشاری سے لڑتا ہے اور اپنے ڈیڑھ سو شہسوار قربان کر کے مشترکہ دشمن لاشاری سے چاکر کے اونٹ واپس لاتا ہے۔ کس قدر دلچسپ ہے بلوچ نظامِ اخلاقیات !!۔ مگر اب تک قصہ ختم نہیں ہوا۔ سانس روک دینے والا ایک اور موڑ تو اب آ گیا ہے۔ اور یہ موڑ پچھلی تمام خمداریوں سے مختلف ہے۔ بہت جذباتی، روح کو چھونے والا:

ترجمہ:

یہ اونٹ میرالی کڑیل بہادر ساتھ لے گئے
جتنے لوگ ہم نے مروائے ہیں ایسے بے فائدہ جیسے کلر والی زمین پر برسات
سردار! میں تو تمہاری رعایا میں صدقے والا دنبہ ہوں
ہم نے ہر طرح کے دکھ اور سختیاں جھیلیں
میں چاکر کی دیگوں میں ہمیشہ اُبلا ہوں
آدھے مروا دیے، آدھے زخمی لے جا رہا ہوں
ہر روز میرالی ہی قربان ہوتے آئے
نہ میں پاگل ہوں، نہ شراب کے نشے میں دُھت
محض غیرت نے، لج نے اور حیا نے مجھے پھنسایا ہے
ابھی بھی اگر تمہیں تکلیف ہے تو سردار آؤ تمہیں اونٹ دے دوں
یا تمہارا صفایا کر دوں گا یا خود کو برباد کر دوں گا
اب میں اس بوجھ کے اٹھانے کا عادی ہو گیا ہوں
تمہارے اونٹ تو گوہرام کے پاس تھے، تم نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا
تب تمہارے بہادر اور شیر کہاں تھے
اب تمہیں خدا حافظ! میں تمہاری برادری سے خارج
یا تو خود کو تباہ کر بیٹھا ہوں یا ویسے ہی تھک چکا ہوں

یا زیادہ یتیم آن کے میرے ذمے ہو گئے ہیں

شتر بچوں سمیت سردار کی چار سوڈاچیاں ہیں

چلو، یک نہ شد دوشد۔ میرالی نے مشترکہ دشمن لاشاری سے تو اونٹ واپس چھین لیے مگر چاکر کو واپس کرنے کے بجائے خود رکھ لیے۔ ہیوتان نے چاکر کے اونٹ مشترکہ دشمن سے تو چھین لیے، مگر اپنے پاس پیار محبت اور بھائی بندی میں نہ رکھے بلکہ بزورِ بازو ایسا کیا۔ اب سوچیے، بھلا چاکر کیا کرے گا؟

ترجمہ:

چاکر کو چین نہیں آتا

رند لڑائی کے لیے تیار ہو گئے

ہم چاکر کے اونٹوں کو میرالیوں کے پاس نہیں چھوڑیں گے

ایک بار پھر بلوچ خاتون اپنا رول ادا کرنے میں میدان میں آجاتی ہے۔ یہ ہانی ہے۔ وہ ایک بار پھر برادر کشی روکنے میں گوہر کے نقشِ قدم پر چلتی ہے۔

(کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ آج بلوچ عورت تحریک اپنے منشور میں گوہر جتنڑ یں کے تفویض کردہ فریضہ کو بھی شامل کر دے؟۔ بلوچ قبائل میں آپسی جنگوں کو روکنے کا کام کرے؟۔ گو کہ بظاہر یہ کام اِس قدر سیاسی نہیں لگتا ہے اور کم اہمیت کا بھی، مگر ذرا سا غور کیا جائے تو بے شمار انسانی جانیں بچائی جاسکتی ہیں)۔

ترجمہ:

دانائی میں ہانی کئی عقل مندوں سے زیادہ تھی

کہنے لگی چپ ہو جاؤ، فسادی نولو فرو

سردار، تمہارے اصل آدمی تو وہی تھے جنہیں تیغوں نے آن لیا تھا
یہ لوگ تو بس بازار میں جمع ہو کر بڑھکیں مارتے ہیں
یہ تو وہی اونٹ ہیں جو گوہرام کے لشکر سے واپس لیے گئے
دشمنوں سے تمہارے اپنے بھائیوں کے پاس اچھے ہیں
جو ہمیشہ سے تمہاری مصیبتوں میں آن پہنچتے ہیں
ناراض بھی ہوتے ہیں پھر بھی تمہاری جھڑکیاں برداشت کرتے ہیں
اب چاکروشہداد ہکابکا رہ گئے
ہانی نے دلیل کے ساتھ انہیں بالآخر ٹھنڈا کر دیا

کیا بہترین حکمتِ عملی تھی۔ ''اچھا، میرے چچیرے بھائی! ہم تم سے نہیں لڑتے۔ تم ہمارے بہادر ہو، دشمن سے ہمارا مال چھڑا کر لائے ہو''...... چاکر خاموش ہو کر اپنے سبی میں بیٹھا رہا۔ ہیوتان نے ایک دن انتظار کیا، دو تین دن چوکنا رہا کہ چاکر کی فوجیں اب حملہ کریں کہ کریں۔ مگر اُس طرف سے مکمل خاموشی۔ جب ہیوتان نے دیکھا کہ چاکر تو مجھے اپنا سمجھ کر مجھ سے نہیں لڑ رہا تو پشیمانی کے سمندری گہرے بادلوں نے اسے گھیر لیا۔ اُس کا دل پسیج گیا۔

ترجمہ:

ساتویں دن میر ہیوتان پکارتا ہے
اس نے بیورغ سے کہا
میرالی معتبرین سے کہا
میں چاکر کی اونٹنیوں کا دودھ دوہنا ہرگز نہیں چاہتا
کون اپنی مرضی سے اپنے والدین کو ناراض کرتا ہے
میں اس بار چاکر کے اونٹ واپس کرنا چاہتا ہوں
اس نے اونٹ واپس کر دیے نوکر چاکروں کے ساتھ

بلوچ کا دل بپھر جاتا ہے تو کُشتوں کے پُشتے لگا تا ہے، نرم ہوتا ہے تو معمولی ادا اُسے پگھلا دیتی ہے۔ ہم سب نے اب تک اُس دل کا قہر و جبر دیکھا، آئیے اب اس کا مہر و محبت، اس کی حلیمی اور کریمی دیکھیے۔ یا انتہائیں ہیں:

ترجمہ:

ڈاچیاں دھاڑتی ہوئی تلی کے دامان سے گزریں
اونٹ سبی پہنچے نیم شب کے وقت
چرواہوں (جت) نے انہیں دیواروں کے پاس روکے رکھا
اب چاکر و شہداد باہر نکلتے ہیں
سردار آ کر اونٹوں کے درمیان کھڑا ہو گیا
وہ اُن کی زیارت کرتا ہے، کبوتر جیسے کوہانوں کی
چاکر اُس روز خاموش برسنے والے بادلوں کی طرح برسا
مال مویشی تو مالکوں کے دل کی جڑیں ہیں
سردار نے غلاموں نوکروں سے کہا
میری چھری لے آؤ تا کہ میں اپنا دل ٹھنڈا کروں
میں خدا کے نام پر ایک پورا ریوڑ خیرات کرتا ہوں
سرخ گوش دنبوں، اور بھیڑوں کی قطار لگ گئی
شہر کے وسط میں بیلوں گایوں کے نرخروں کی آوازیں آئیں
چاکر نے میرالی کے معتبرین کو جمع کیا
انہیں خوب صورت آرام دہ پلنگوں پر بٹھایا
گلے ملے ملاقاتیں ہوئیں
دور دراز کے پھل اور پلاؤ بھرے تھال آنے لگے

چاکر کے ڈومب نے پکارا

”رندلوگوسنودوستودشمنوسنو

بیورغ، میران اور سخن پال ہیوتان سنو

تمہیں رند سردار نے بڑی جاگیریں بخش دیں

سبی کا نصف انعام میں دیا

اس نے کہا ڈاڈر اور بولان تمہارے گھوڑوں کے توبرے ہیں

میلاھ میں چاکر کے چودہ بندات ہیں

یہ سب نہری پانی سے سیراب ہوتے ہیں

یہ تمہاری بیواؤں یتیموں کو سردار نے بخش دیے ہیں“

تب میرالی فتح خوشی تکریم اور ڈھول باجوں سے واپس لوٹے

ان واقعات کو ڈومبوں نے خوش آواز طنبوروں کے ساتھ شعر میں ڈھالا

رند اور میرالی امن و امان کے ساتھ رہنے لگے

دل مَلخ

Dil Malkh

بلوچ کلاسیک میں دل مَلخ کا ذکر پشیمانی کے ساتھ، افسوس کے ساتھ، احساس زِیاں کے ساتھ آتا ہے۔ وہ ایک مجسم بلوچ تھے، شکار و عشق و جنگ و شاعری کے دلدادہ۔ وجاہت میں کوئی ثانی نہیں۔ یہ لاجواب رند نوجوان جوئے بازی کی بری لت میں پڑ گیا۔ اور آہستہ آہستہ بہت ہی دولت مند دل مَلخ کنگال ہوجاتا ہے۔ اپنی مال املاک ہارتا رہا۔ اُس کی زندگانی کا صرف مندرجہ ذیل حصہ وقت کی تباہ کاریوں سے بچ سکا۔ اس کے لیے ہم انسانی یادداشت اور اس یادداشت کو دوسروں تک منتقل کرنے کی جبلت کے شکر گزار ہیں۔ درج ذیل شاعری میں تین چار مصرے اب بھی عام محفلوں میں ضرب المثل کے بطور استعمال ہوتے ہیں:

ترجمہ:

جوئے بازی نے بہت ہی اچھے دل ملخ کو
پہچاننے کے قابل نہ چھوڑا
قبیلوی اجتماعات میں شرکت کے قابل نہ چھوڑا
رندوں کی بستیوں کے اجتماعات کے قابل نہ چھوڑا
رند عورتیں اسے چاچا کہتی ہیں
اس کے ہاتھ میں درانتی پکڑا دیتی ہیں
شہزادہ جیسا دل ملخ
گھاس کاٹے ریش شدہ گھوڑیوں کے لیے

اب رہنے دو کہ میرے موزوں والے پیر
بھول جائیں کانسی کے بنے رکاب کو
اور مضری کے بنے معمولی پاپوشوں میں گھسٹتے رہیں
میں نے تازی گھوڑوں کی قدر نہ کی
میں نے انہیں ویران حرکتوں میں گنوا دیا
میرا سارا مال و متاع پانسے کی نذر ہو گیا
(مصمم توبہ کے بطور) رندوں کو خدا کبھی لاشار نہیں کرتا

....

قول،اور جاڑو کا قول

ترجمہ:

چاکر نے ایک روز اپنا بدلہ لے لیا
میدان میں جنگباز ملوک کو قتل کیا
جان بوجھ کر گھروں کے نزدیک سے گزرا
ارے نہیں ساتھی تمہارا مروا دیا
خاتوں کو فتح کی خوشخبری سنائی
اگر وہ میرا ساتھی تھا تو تمہارا بھائی تھا
تمہارے امیری۔۔۔۔۔۔۔سے کم ہے
اپنا ہی دایاں بازو توڑ ڈالا
خاتون نے مہمانی میں ایک دنبہ کاٹا
خوش دلی کے ساتھ کھانا کھلایا
بیٹا میر چاکر کے ساتھ بٹھا دیا
دیکھنا کہیں میر خاطر تواضع سے گریز کرے
اپنے دل میں دھوکے کی حاجت لائے
زمانے بیت کر فانی ہوئے
جب تک بلوچوں کا نام زندہ رہے گا
جنت میں جاؤ اے نیک زن عزیزہ
مہمان خوش ہے اور فتح سب کی
جوان مردوں کے پیٹ بھرے ہونے بہتر ہیں
منچلوں کے جسم کی پوشاک نئی اچھی ہوتی ہے

نوز بندغ

Noz Bandagh

اب جنگ وجدل و جہدوجہندم سے ذرا سا ہٹ کر آئیے بلوچ کے اُس Shivelrous دور کے ایک اور کردار کا ذکر بھی کرلیں: سخی نوز بندغ کا۔ چاکر کا بھانجا تھا، اس لیے شاعری میں اس کی ماں کا نام ملے گا، باپ کا تذکرہ نہیں۔ چاکر کی اِس بہن کا نام مدی تھا۔

نوز بندغ نے سخاوت کو اپنی وجہ شہرت بنالیا تھا؛ مہمان نواز، مددگار۔ ایک بار جب وہ چاکر سے ملنے سبی آیا تو چاکر نے اس کی گھوڑی کا خورجین اشرفیوں سے بھر دیا۔ نوز بندغ نے شہر سے نکل کر خودجین کے ہر ''تنگ'' میں چھوٹا سا سوراخ کر دیا۔ اشرفیاں فاصلے فاصلے پہ گرتی گئیں۔ گنداواہ تک پہنچتے پہنچتے بھرا ہوا خورجین ''گھوسٹ خورجین'' رہ گیا۔

اس کا ذکر ہم اس لیے بھی کررہے ہیں کہ اس کے تذکرے کے ساتھ ایک لولی (لوری) بھی موجود ہے جو اس کی ماں سے منسوب کی جاتی ہے۔ یہ اُس نے اپنے بیٹے کے لیے کہی تھی۔

یہ ماسٹر پیس ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

لولی لول کناں بچّ ءَ را
زیری ہر ششیں ہتھیاراں
زہم ءُ توپک ءُ کاٹاراں
ڈھال ءُ اسپر ءُ امباچاں

ماں جنگئے ساہتاں جوریناں
گوں زہماں تہ وثار سر ساکن
ناما بل پڈی آؤ ماں
لولی لول مئیں ساہارا

ہیل بنت پہ تئی شارو آں
سیالی گھسوو مارو آں
کاڑ پہ بر نگلیں قولی آ
لولی لول منی بچّ ءَ را

اے مئیں گوئشتغیں دُر ماثی
جنگہ ساہتاں گرمیناں
روشے پکرئے چاکرا
لولی لول کنا بچّ ءَ را

ریحان

Rehan

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ چاکر سبی وشوران میں مستقل طور پر رہتا تھا، شان وشوکت میں، آرام و بادشاہی میں۔ مگر اُس زمانے کی شاعری بتاتی ہے کہ حتمی طور پر ایسا نہ تھا۔ اگر جنگ وجدل کی مسافرتیں نہ ہوتیں تو، وہ موسموں سے لطف اندوز ہونے آگ برساتی گرمیوں والے سبی سے کسی صحت افزا مقام کو ضرور چلا جاتا تھا: مع پورا قبیلہ۔

اسی طرح کا ایک طویل شیئر ریحان کا ہے۔ ایک خوب صورت تاثراتی شاعری جس میں وہ اِس طویل وکٹھن سفر میں شامل اپنی نازک محبوبہ کا حال بیان کرتا ہے۔ پتھریلا راستہ ہے بولان کا، بلندیاں ہیں، ندی نالے ہیں اور محبوبہ پیدل ہے۔ محبوبہ نے کمر دوپٹے سے کس کر باندھ رکھی ہے، جب پسینہ بہنے لگتا ہے تو اُسے کشیدہ کیے دوپٹے کے کنارے سے خشک کرتی ہے۔ لُو اور گرمی، سفر اور تھکان، محبوبہ کا چہرہ انار کی طرح سرخ ہو جاتا ہے۔

ریحان کے لیے گڑ گڑانے کا ایک اور سبب بھی ہے۔ اور وہ ہے اُس کی محبوبہ کی دوری۔ بڑے بلوچستان میں ایک چھوٹے سے قافلے کو تلاش کرنا، اُس قافلے سے اپنی محبوبہ کو ڈھونڈنا کس قدر مشکل ہوتا ہے۔ وصلِ یار مشکل سے مشکل تر بن جائے تو عاشق تو دُہائیاں دے گا ہی:

ترجمہ:

مجھے چاند کی پہلی تاریخ کو خبر ملی
خود مجھے قریبی دوستوں نے دی

کہ چاکر کو ایک نئی خانہ بدوشی کی سوجھی ہے
چاکر کو نقل مکانی کی سوجھی ہے
چاکر یہاں سے خراسان جائے گا
چاکر جائے گا اور میری محبوبہ کو لے جائے گا
لے جائے گا میری زنجیر زلفوں والی لعل کو
لے جائے گا کوہ و دلدلوں میں سے
کون اُسے درّوں چوٹیوں میں تلاش کرے

اب ایک فرمائش، ایک ہدایت نامہ:

ترجمہ:

اس کے لیے جوتے تیار کر موچی
جوتے سی دے، تلاّ موٹی کر دے
پیر میری محبوبہ کے نرم و نازک ہیں
بیابانوں میں چلتے رہنے سے زخمی ہوں گے

محبوبہ تو پھر یہ کرے گی:

ترجمہ:

میں تو اپنی محبوبہ سے واقف ہوں
جا جا کے پھر پھیری لگاتی ہے
مہندی لگے ہاتھ دراز کرتی ہے
کونج جیسی خوبصورت آنکھوں میں آنسو آتے ہیں

اوراب قافلے کی روداد، مسافتوں کا بیانیہ:

ترجمہ:

کونج کی قطار بناتے ہیں قافلے کے اونٹ
وسیع بولان کی طرف رواں دواں
کچھ مُولا اور کوہِ ماران کی طرف
کچھ جلالی درے کی چڑھائی چڑھتے ہیں
اے زیوروں والی میری ملکہ
وہ پیدل ہم جولیوں کے ساتھ سفر کرتی ہے
کمر کے گرد دوپٹہ باندھ لیتی ہے
پسینہ جب دراز زلفوں سے بہنے لگتا ہے
وہ دوپٹے کے کنارے سے سکھاتی ہے

محبوب، محبوبہ اور وصال کا واحد وسیلہ گھوڑی:

ترجمہ:

ریحان ان علاقوں میں پیدل نہیں آئے گا
ان دلدل اور چٹانوں میں
تمہاری عقل گم ہوجائے اے اچھے انسان
دل تو دوستی کے بغیر نہیں رہتا
اے ہرن گردن گھوڑی رواں ہوجا
یہ گھوڑی مرگئی تو ایک اور خریدوں گا
....

گھوڑی کے سنج زیادہ لمبے ہیں
کاٹ چھانٹ کے دوبارہ ناپ کے مطابق بنانے ہیں
اے استادانہیں جلدی ناپ پہ بنا
(کہ) ریحان تو گایوں کی چرواہی نہیں کرے گا
نہ اسے بھیڑ بکریوں چرانا آتا ہے
نہ وہ لاٹھی پکڑ کر اونٹ چرائے گا
نہ ہی وہ لاغر بیلوں سے کاشت کاری کرے گا
آؤ میری ہم عمر سہیلیو!
یہ میری نقل مکانی کے خیمے کے آثار ہیں

....

یہاں بدمست جوان گھوڑوں کی کھونٹیاں تھیں
سوبار نواب جیسا ریحان
اپنی سیاہ (گھوڑی کا نام) یہاں دوڑاتا
دشمن آدمیوں کے سینے پر

بالاچ

Balach

یہ سترہویں صدی کے اواخر، اور اٹھارویں صدی کے اوائل کا زمانہ تھا۔ بلیدی قبیلہ کے لوگ آج کے مری بگٹی علاقے سیاہ آف، جنتلّی اور نیساؤ میں آباد تھے۔ گورگیژ قبیلہ کے ذیلی طائفے نوہانی کے کچھ گھرانے بھی یہاں کی غیر آبادیوں کو انسانی شرف عطا کر رہے تھے۔ بلیدی قبیلے کی سمی ایک مالدار مگر لاوارث خاتون تھی۔ خاوند مرا تو کم سن بچوں کے لیے بہت مال و دولت چھوڑ گیا۔ سمّی عزیزوں رشتے داروں سے خوفزدہ تھی کہ وہ اس کے یتیم بچوں کا مال ہڑپ کر جائیں گے۔ چنانچہ وہ گورگیژ قبیلے کے کم سن بالاچ کے بڑے بھائی ''دودا'' کے ہاں پناہ لیتی ہے (باہوٹ بنتی ہے)۔ دودا اُن دنوں آج کے بگٹی قبیلے کے علاقے سنگسیلا میں رہتا تھا۔ زندگی بدقسمت آزمائشوں کے گرد رہ کر اپنی حفاظت کرتی ہے، جس طرح زبان بتیس دانتوں کے بیچ اپنی بقا کا بندوبست کرتی ہے۔ مگر دانت اور زبان کے رشتے کے برعکس زندگی آزمائشوں سے دوستی نہیں، دشمنی کے رشتوں میں منسلک ہے۔ ایسی ایک آزمائش دودا کے اوپر منڈلاتی رہی تھی۔...... اور ایک روز دودا سویا ہوتا ہے کہ بلیدی حملہ کرتے ہیں اور سمی کی گایوں کو بھگا لے جاتے ہیں۔

ترجمہ:

نیک عورت سمّی' کی گائیں ہیں

دودا کی پناہ میں

چرواہے ہنگامی خبر لے آئے
گائیں دشمن بھگا کر لے گئے
دودا محوِ خواب تھا
عروسی ٹھنڈے جھونپڑے میں

اور ماں جا کر اسے جگاتی ہے۔ ذرا بلوچی کلاسیک کی مٹھاس تو دیکھیے، اِس کی امارت تو دیکھیے:

ترجمہ:

محترمہ ماں نے اسے جگایا
میں نے نو ماہ تک تجھے رحم میں پالا
تین سال تک تجھے دودھ پلایا
آدھی راتوں کو تجھے لوریاں دیں
یہ سب کچھ تجھے اُس وقت بخشوں گی
(کہ) آج گایوں کو سالم لے آ
ورنہ اپنا انمول سر قربان کردے

اب ذرا ساس کی آمد دیکھیے۔ اس کا ضرب المثل ہونے والا شعر بھی دیکھیے:

ترجمہ:

بڑی شان والی ساس نے (کہا)
"جو لوگ قاتلوں کو اپنے پاس باہوٹ (پناہ گزیں) رکھتے ہیں
وہ قیلولہ نہیں کیا کرتے ہیں"

تو؟۔ تو اب تو ایک ہی ذات کے مرّے ہونے والے تھے۔ ایک ہی فرشتے کا جشن

ہونا تھا، موت کے فرشتے کا۔سب معروض اُسی طرف تو بَنتے بُنتے جاتے تھے۔بلوچ چہار اطراف سے اپنے بیٹے کو متحرک و مہلک بناتا رہتا ہے۔اب دودا کی اہلیہ جا کر دودا کی گھوڑی کی منتیں کرتی ہے:

ترجمہ:

گھوڑی کو واسطے دیے
"میری خدمات یاد کرو
وہ ٹھنڈا پانی جو میں سر پر ڈھو کر تمہیں پلاتی رہی
تم بیمار ہوتی تو تمہیں دبنے کی چکی اور چرب شوربہ بطور دوا پلاتی تھی
بڑے بڑے برتنوں میں
بہت خوب صورت توبروں میں تجھے دانہ کھلاتی رہی
چمکتے صاف برتنوں میں پانی پلاتی رہی
دل کی گہرائی سے تمہیں کھلاتی تھی
تم ایک ایک کر کے بکھیر دیتی تھی
مقصد تو یہی تھا کہ تم فربہ اور طاقت ور بنو
اور کسی دن دودا کے کام آؤ
اس کی دشمنیوں میں، مصیبت کی گھڑیوں میں
وہ دن آج آ گیا
بس کسی طرح دودا کو سمی کی گائیوں تک پہنچا دو

اس مختصر عرصے کا بیانیہ تو آپ نے پڑھا۔ اب ذرا دودا کا ردعمل بھی دیکھیے:

ترجمہ:

طیش بھرا دودا اٹھ کھڑا ہوا
شاہین کی طرح جھپٹا
سرخی نامی اپنی گھوڑی کی زین اٹھالی
اس کی باگ تھام لی
"جلدی تم مجھے پہنچاؤ
گائیوں تک، دھاری دار بیلوں تک"

اب آپ بلوچی کلاسیک کی مکالمہ بازی بھی ملاحظہ فرمائیں۔ انسانوں کے بیچ تو مکالمہ ہوتا رہتا ہے، ہمارا ادبی ورثہ تو جانوروں بے جانوں کے مکالموں سے بھرا ہے:

ترجمہ:

یہاں سرخی بول پڑی
"اے مالک، تم بس نوابوں کی طرح مجھ پر بیٹھ جاؤ
اور پھر میرا لپکنا، جھپٹنا اور رفتار دیکھو

تخلیق کار تو اپنی فن کاری کرتا جاتا ہے۔ ادب سوکھا امتحانی جوابی مضمون نہیں ہوتا۔ اور ادب کے ممتحن بھی زنگ آلود ذہنوں والے ناترس ناقد نہیں ہوتے۔ یہ خالق و خلق و مخلوق کا سہ طرفی رشتہ ہوتا ہے۔ ہر مصرع اپنے عہد کے سماجی شعور کا اظہار ہوتا ہے۔ دودا گھوڑی پر سوار ہوا، تو اس کی بیوی آئی، اس نے گھوڑی کی لگام پکڑ لی اور کہا:

ترجمہ:

بالیاں پہنی خاتون اٹھی
اپنا دوپٹہ جھٹکتی ہوئی

پیروں کے موزے ٹھیک کرتی ہوئی
اس نے سرخی کی باگیں تھام لیں
اس نے دودا کو واسطے دیے
''ٹھہر جاؤ تا کہ باقی ہمراہ بھی آجائیں
گھروں سے اچھے آدمی آجائیں
آگے جانے میں نقصان کا اندیشہ ہے
اور پیچھے ہٹنا عیب کی بات ہوگی

دودا کے لیے یہ الفاظ نا قابلِ برداشت تھے۔ وہ جل بھن اٹھا۔ اس نے اسے جواب دیا:

ترجمہ:

مجھے تیر نہ مارا ے کاجل بھری آنکھوں والی
موت کو پیچھے سے آواز نہ دو (یہ ایک برا شگون ہوتا ہے)
اب یہ تیری میری آخری ملاقات ہے

اس کی اہلیہ اسے پھر سمجھاتی ہے:

ترجمہ:

تم جو یوں (اکیلا) سرپٹ وہاں جاؤ گے
اور وہاں خونی دشمنوں تک پہنچ جاؤ گے
تو کیسے (تنہا) گائیاں واپس لاؤ گے ''

اللہ اکبر! قبائل میں کون سا ایسا چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا کام ہے، جو

ایک مقررہ کوڈ کے مطابق نہیں ہے۔ اب یہ کیسے ممکن ہے کہ دودا پہلے باقی قبیلے والوں کی تشریف آوری کا انتظار کرتا۔ بھئی حملہ آور کا، استحصالی کا، لٹیرے کا ہاتھ پکڑنے کے لیے لپکنا ہے، ہر کسی کو، دودا کو بھی، اور باقی برادری کو بھی۔ جس کو جونھی خبر ہوئی نکل پڑا۔ استری شدہ کپڑے بدلنے کا حق کسی کو حاصل نہیں۔ اسی لیے دودا آگ بگولہ ہو گیا:

ترجمہ:

میری جان اور ماہ جیسی حسین دوست
تم نے میری زندگی کو ایک تھپڑ رسید کیا
(کہ) آگے بڑھنے سے میرا سر جائے گا
پیچھے ہٹنا مجھے گراں لگتا ہے
یا گائیں سلامت لاؤں گا
یا اپنا انمول سر تج دوں گا
جو بعد میں آنے والوں کے لیے نشان رہے گا

بہر حال دودا دشمنوں کا پیچھا کرتا ہے۔ اُس کی گھوڑی اپنے عہد پر پورا اترتی ہے اور ''گرم آف'' نامی مقام تک سرپٹ دوڑتی اُسے دشمن تک جا پہنچاتی ہے:

ترجمہ:

جڑواں گول گنبدوں تک
جو گرم آف کے دہانے پر ہیں
سیاہ آف کی تنگ گھاٹیوں میں
گھوڑی نے لاکر مجھے پہنچادیا
بدقسمت لٹیروں نے ایک دوسرے کو بتادیا

بِھرے ہوئے دودا کو
سبک گام سرخی نے لا کر پہنچا دیا ہے
بہادر دودا آن پہنچا
اُس نے نوجوانی کا طربیہ گیت گایا
تیغوں نے باہم رقص کیا
طلائی دستوں والی تلواروں نے
دودا کو گھوڑی کی زین پر سے
تیز نوک دار تیروں نے آلیا
تلواروں نے اسے کاٹ ڈالا
نیزوں اور خنجروں نے
اس پہ رنگ برنگے تیر برسے
سرخ رنگ گھوڑی کے آس پاس
دودا شہیدی خون میں لت پت
گر پڑا جنگ کے میدان میں کٹی شاخ کی مانند

دودا کے چھ بھائی تھے۔ بالاچ سب سے چھوٹا بھائی تھا۔ وہ اُس وقت بہت کم سن تھا۔ اسی لیے وہ اِس لڑائی میں شامل نہ ہوسکا تھا۔ بلوچ کلاسیک میں ہر واقعہ کا شعری ثبوت ضرور منسلک ہوتا ہے۔ ایک ایک Move ' ایک ایک منظر نامہ شعر کے تصدیق نامے سے مزین ہوتا ہے۔ جنگ میں دودا اور دوسرے سب بھائی قتل ہوجاتے ہیں۔ وہ بچ جاتا ہے، اس لیے کہ کم سن ہوتا ہے۔ کم سن پر ہاتھ اٹھانا تک بلوچ اخلاقی ضابطہ میں گناہِ عظیم ہوتا ہے، اُس پر تلوار اٹھانا تو بہت بے غیرتی میں آتا ہے۔

ترجمہ:

اُس روز جب تم مارے گئے
وہاں گرم آف کی چٹانوں کے بیچ
سمی کی گائیوں پہ
میں بہت چھوٹا تھا
جب تم تک پہنچا
تم نے کہا، بالاچ گھر لوٹ جاؤ

چند سال بعد بالاچ جوان ہوا تو جا کر سخی سرور کے دربار میں بیٹھ گیا کہ انارکی اور نراجیت میں کمزوروں کا مددگار اور کون ہوگا؟ اللہ کا آسرا ہوتا ہے یا پھر اُس کے کسی برگزیدہ ولی کا۔بس ڈھارس ہی چاہیے ہوتی ہے۔اپنی توانائیوں کو مجتمع کرنے کا جواز چاہیے ہوتا ہے۔ بالاچ صبح شام دربار میں سوالی رہا کہ اسے اس طرح کی طاقت ملے کہ وہ اپنے بھائیوں کا انتقام لے سکے۔

کہتے ہیں کہ وہ تین سال تک مسلسل وہاں رہا اور اپنی داڑھی سے دربار میں جھاڑو دیتا رہا۔

میں نے شاہ کے دربار میں پناہ لی
اور اس کے آستانے میں امان پائی
زائرین کے لیے پانی ڈھونڈتا رہا
بکری کے لیلوں کو چراتا رہا
خیرات کے ٹکڑوں پر پلتا رہا
کھردرے کپڑے پہنتا رہا
اور رسی گلے میں ڈال کر دعائیں مانگتا رہا

تآ نکہ ایک رات خواب میں سخی سرور نے اسے بشارت دی کہ وہ جائے اور دشمن سے بدلہ لے۔اس کو تیز دوڑ سکنے کی کرامت ملی۔ دوڑ میں اُس کا کوئی ثانی نہ ہوگا نہ ہرن، نہ چیتا۔ البتہ اسے یہ تنبیہہ ضرور ہوئی کہ وہ دن کے اجالے میں جنگ نہ کرے۔

بالاچ بہت خوب صورت منظر کشی کرتا ہے۔ جب وہ اپنے علاقے اور گھر سے دور سخی سرور کے مزار پر دشمن کے خلاف غیبی طاقت کے حصول کے لیے پڑا رہتا تھا اور بڑے عرصے کے بعد اپنے علاقے کو لوٹ آیا اور جنگ وجدل کے لیے تیار ہو گیا۔تو اُسی کے الفاظ میں دیکھیے کہ اس کے گھر کی حالت کیا تھی !!:

ترجمہ:

میں جب باہر سے آ گیا
چھ خیموں کو بے مالک دیکھتا ہوں
چھ عورتوں کو ننگے سر (بیوہ) دیکھتا ہوں
بیٹے خستہ حال ہیں
دھوپ میں سوئے ہوئے
(تمہاری) بیوی کے رونے کی ضعیف شدہ صدائیں سنتا ہوں
وہ اپنی زلفوں کو سنوارتی نہیں
انہیں اپنے شانوں پہ بکھیرتی نہیں
تیری گھوڑیوں کو دیکھتا ہوں بغیر چارہ فاقہ زدہ
دھوپ میں بندھی
اچھی عورتوں کو ماتمی دیکھتا ہوں
(تب) میرا سورمائی بدن آگ بگولا ہوتا ہے
یہ کور اور کہیر کے آتشیں انگاروں میں

موم کی طرح حل ہو ہو کر گرنے لگتا ہے
یہ سب کچھ درد ہے بالاچ کے دل میں
تمہارے ہتھیار دشمن لے گئے
وہ انہیں اپنی بستی میں ایک ایک کر کے دیکھتے ہیں
دوشیزاؤں نے نزاکت سے اُن کا معائنہ کیا
اور خونی آنسو بہائے

بالاچ کی شاعری، تخیل کی گہرائی کا لاثانی شاہ کار ہے۔ ایک ایک منظر، ایک ایک مصرع گہری آہ نکالنے پر مجبور کرتا ہے۔ جذبات کی اس قدر لطافت کے ساتھ ادائیگی؟ عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ذرا تفصیل بیانی دیکھئے، کس طرح بالاچ بھائی کی قتل کردہ لاش کی حالت کو تصور کرتا ہے:

ترجمہ:

دودا تیرا گھٹنوں کے بل گر جانا
بے بس، ہاتھ ملتے ہوئے
دودا تیرا بے دردی سے قتل
دائمی درد ہیں بالاچ کے دل میں
کسی صورت فراموش نہیں ہوتے
میں دشمن کے ساتھ کیسا کروں گا؟
دودا تمہارے دشمنوں کے ساتھ
میں دشمن کے ساتھ ویسا ہی کروں گا
دودا تیرے دشمنوں کے ساتھ

(جیسے کہ) شاہین کبوتروں کے جھنڈ کے ساتھ کرتا ہے
جیسے بکریاں کہیر کی نازک کونپلوں کو چٹ کر جاتی ہیں
جیسے گرمی پتلی چادروں کے ساتھ کرتی ہے
جیسے ماہی گیر، مچھلیوں کے ساتھ کرتا ہے
جس طرح سئور فصلوں کے ساتھ کرتا ہے
جیسے بھیڑیا، بڑی چکیوں والے برّے سے کرتا ہے
میں دشمن کے ساتھ ایسا ہی کروں گا
دوداتیرے زہریلے دشمن کے ساتھ

اب عمل کا وقت ہے۔ ساری تیاریاں معمولی باریکیوں تک مکمل ہوجاتی ہیں۔ بالاچ جسمانی جذباتی ہر لحاظ سے ڈین بن چُھوسجانے کو فیصلے کی آستینیں چڑھا دیتا ہے۔ وہ انتقام کا ارادہ کس طرح کرتا ہے، وہ سارے نتائج خدا پر چھوڑ کر خود ہمت کی کمر کس لیتا ہے۔ اُس کا پیغامِ عام ہے دشمنوں کے لیے:

ترجمہ:

بادلو! تم جو برستے جاتے ہو
(دشمن تک) میرے زہریلے پیغام لے جاؤ
(کہ) پڑاؤ ڈالتے ڈالتے قریب آجاؤ
قریب آجاؤ جنگ کے لیے
کہ ہم بہادر جوانوں کو باہم گتھم گتھا کر دیں
دیکھیں کہ خدا کیا کرتا ہے؟
جنگوں میں کس کا منہ خون سے بھر جاتا ہے؟

مال جائیداد کس کی تقسیم ہوتی ہے؟

فتح سے کس کو ہمکنار کرتا ہے؟

کس کی بیوی کو غم سے سوگ کراتا ہے

اور کس کی بیوی پھولوں سے کھیلتی ہے؟

تم نے جو آدمی مارے

تمہارا کیا خیال ہے بلوچ بے وارث ہیں؟

ایک دفعہ حالات ایسے ہوئے کہ اس نے دن دہاڑے ایک بلیدی کو قتل کر دیا۔ سخی سرور کی روحانی بالادستی مجروح کرے گا تو بالاچ عبرت کدہ نہ بنے گا کیا؟ بلیدیوں نے اس کا پیچھا کیا۔ بہت مشکل سے اس کی جان بچ گئی۔ تبھی تو اس نے یہ ضرب المثالی بات کہی تھی:

ترجمہ:

شاہی تو بہ ہے بالاچ کو

دن دہاڑے کی جنگ سے

بالاچ نے سائرا مائستر اسنبھال لیا۔ وہ اور نخیفو ملک الموت کا تختہ الٹ کر اُس کا چارج سنبھال چکے تھے۔ وہ بلیدیوں پر شب خون مارتا رہا، ٹارگٹ کلنگ کے اندازمیں۔ اس پوری جنگ میں نقیبو اس کا ساتھی و برامدغ رہا۔ وہ دن بھر اُن کی جاسوسی کرتا اور رات کو جا کر تلوار سے اپنے نشانے کا کام تمام کر دیتا۔

کہتے ہیں کہ ایسف بالاچ کے بچپن کا دوست تھا جو خود تو بلیدی نہ تھا مگر رشتہ داری کے سبب وہیں بلیدیوں کی بستی میں رہتا تھا۔ بالاچ اور نقیبو عصر کے وقت گھروں کی جاسوسی کے لیے نکلے تو ایسف سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ ایسف کو نہ مارنے کا معاہدہ ہوا۔ نشانی یہ ہوگی کہ ایسف اپنی ڈھال خیمے کے سامنے لٹکا دے گا تا کہ اُس کے خیمے کی شناخت ہو سکے۔ مگر ایسف یہ راز کی بات بیوی کو بتا دیتا ہے۔ اور جب سب سو جاتے ہیں تو وہ بیوی اپنے خیمے کے سامنے لٹکائی

ہوئی ڈھال نکال کر اپنے بھائی بیورغ (جو کہ بالاچ کے دشمنوں کا بڑا ہے) کے خیمے کے سامنے لٹکا دیتی ہے۔ موت بانٹنے والا بالاچ آتا ہے تو نشانی کے عین مطابق ڈھال والے خیمے کو کچھ نہیں کہتا، دوسرے خیمے کے مکین کی روح قبض کرلیتا ہے جو ایسف ہوتا ہے۔ یوں ایسف مارا جاتا ہے اور اس کی بیوی کا بھائی بچ جاتا ہے:

ترجمہ:

آؤ نقیب ایک حملے کی منصوبہ بندی کریں
میں اور جنگجو نقیبو
پہاڑ کی بلندی پر آ گئے
عصر کے وقت ہم نے ایسف کو دیکھا
وہ کلیر کے درخت کے سائے میں بیٹھا تھا
میں ایسف پر حملہ کے لیے جھپٹا
مگر جنگ جو نقیبو نے مجھے روک دیا
آج رک جاؤ مرد کش بالاچ
یہ تو تمہارا اپنا بھائی بند ہے
میں نے جنگ جو نقیبو سے کہا
ایسف کو اگر چھوڑ دیا
تو وہ جا کر اپنی بستی میں خبر کر دے گا
ہم نے ایسف سے قول لے لیا
نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے خیمے کے سامنے ڈھال لٹکا دے گا
(تا کہ تاریکی میں وہ نہ مارا جائے)
رات ہماری ہے اور دن، دشمنوں کا

ہم انتظار کرتے رہے غروبِ آفتاب کا
سورج غرب ہو جاتا ہے اور ستارے نکل آتے ہیں
ہم آ کر بستی کے قریب بیٹھ گئے
چڑیا جیسی معمولی نیند کر دی
مجھے جنگ جونقیبو نے جگا دیا
زمستانی رات طوالت لیتی ہے
لپکتے اور حملہ کرنے والے فربہ کتے
لحافوں کے قریب ترچھے آڑے پڑے سو رہے ہیں
اس قدر سردی کہ اک کے درخت جل جاتے ہیں
میں نے جنگ جونقیب کو باہر چھوڑ دیا
میں بستی میں چلا گیا
ایک خیمے کے پاس
میں نے اس کے بائیں طرف کی رسی کاٹ دی
احتیاط سے رضائی کا کونہ اٹھا لیا
مرد اور عورت کا چہرہ دیکھا
میں نے چُن کر ایک تیر نکالا
میں نے اپنی کمان سونت لی
میں گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا
کمان میں نے اوپر سینے کے ساتھ لگا لی
اچھی طرح شست باندھ لی
کمان سے ہلکی سی آواز آئی

تیر کا آہنی سرا اپنے نشانے پر لگ گیا

اس کو تو میں نے خوش خبریوں سے نجات دلا دی

اس عورت کو تو اب نیا شوہر کرنا ہوگا

میں نے ہرن کی طرح تین چار چھلانگیں لگا ئیں

میں جنگ جو نقیبو کے پاس جا پہنچا

ہم چلتے رہے اور غور سے سنتے رہے

عمر نے طنزیہ پکارا

"اے بہادر مرد کُش بالاچ

تم تو ایسف کو مار کے جا رہے ہو

یہ تو رشتے میں تمہارے اپنے قبیلے کا ہے

ہم میں تو اس نے محض شادی کرلی

تم نے ناگمان اُسی کو تیر مار دیے"

میں نے عمر کو جواب دیا

"ایسف نے قول کی بلائیں لیں (قول توڑ دیا)

اس نے گھر کے افراد کو خبر کر دی

کون اپنے موجی دل کی باتیں

اپنی سانپ کاٹے بیوی کو بتائے گا

اُس (عورت) نے شوہر مروا کر بھائی بچا لیا"

ایک رات حملے کے وقت بیورغ جاگ گیا۔ اس نے بالاچ کو دیکھ لیا اور قبل اس کے کہ بالاچ موت آور حملہ کرتا، بیورغ نے تیر کمان سے بالاچ کو نشانہ بنایا۔ تیر بالاچ کی ٹانگ پر

لگا۔ حاضر دماغی دیکھیے کہ بالاچ کتے کی آوازیں نکالتا ہوا چوپائیوں کی طرح بھاگ گیا اور نقیبو تک پہنچا جس نے اسے اٹھالیا اور محفوظ ٹھکانے تک پہنچایا۔ صبح بستی کی عورتوں نے بیورغ کو طعنے دیے کہ تم لوگ اس قدر خوفزدہ ہو گئے ہو کہ اب کتوں کو بالاچ سمجھ کر مارنے لگے ہو۔

یہ تو بعد میں عقدہ کھلا کہ وہ کتا نہ تھا بلکہ وہ تو بالاچ تھا جس نے کتے کی آوازیں نکال کر اپنی جان بچالی۔ جب یقین ہو گیا کہ وہ بالاچ تھا تو بیورغ نے بالاچ کو طعن بھرا ایک ادبی شاہ کار پیغام بھیجا۔ اس قدر خوب صورت، اس قدر رواں، اس قدر جاذب ودلکش اور اس قدر بلوچیت میں لپٹی پُرمعنی شاعری صرف بلوچی کو نصیب ہونا تھی:

ترجمہ:

بیورغ نے پیغام بھیجا
اے بادلو، میرے درود لے جاؤ
اپنی تیز برسات کے ساتھ میرے سلام لے جاؤ
بالاچ کی تلوار تک پہنچاؤ
تم اندھیری راتوں کو آجاتے ہو
میں نے تمھیں اندازے سے تیر مار دیا
تم نے کتے کی آوازیں فریاد کی
مگر تمہاری جان نقیب نے بچالی
اے شیر بالاچ، تم لومڑی ہو
چور گیدڑ کی طرح آتے ہو
اچھے ساتھیوں کو سوتے میں قتل کرتے ہو
بہادروں کی لڑائی ایسی تو نہیں ہوتی
تم خبردار کر کے لڑنے آؤ

(تو) نوجوان تمہارے سامنے نکل آئیں
اپنے ہاتھوں میں جگر بُرلے کر

اس پیغام کے جواب میں بالاچ خود ایک پیغام بھیجتا ہے، رواج سے کج روی کرنے کے الزام میں اپنی صفائی پیش کرتا ہے۔ ذرا وکیل کے دلائل تو دیکھیے، ذرا دوستوئفسکی کا ادبی لہجہ تو پڑھیے، ذرا بالاچ جیسی بلوچیت تو دیکھیے:

ترجمہ:

بالاچ نے پیغام کیا
بادلو، میرے درود لے جاؤ
تیز برسات کے ساتھ میرے سلام لے جاؤ
بیورغ کی تلوار تک پہنچا دو
"تم بے عقلی کی باتیں کرتے ہو،
ایسے ہی منہ ٹیڑھا کر کے
نہ مرے پاس قیمتی گھوڑے ہیں
نہ میرے پاس بھاری لشکر ہے
میں تو اپنے تنہا انمول سر کے ساتھ
ہر رات ساون کے بادل کی طرح
بہادری سے ارادہ کر کے آتا ہوں
میں نے گیدڑوں والی جنگ نہ کی
میں نے شیر کی طرح دشمن کو توڑ ڈالا
بہادروں کو طعنے نہ دیا کرو

ہم صرف دو ہیں، میں اور نقیب

خون کا بدلہ لینے والے اپنا انتقام لیتے ہیں

انتقام کی آگ اپنے ہاتھوں سے قتل کر کے بجھتی ہے

دودا کے روپہلے دستے والی تلوار سے

بیورغ کی سانڈ جیسی گردن (اڑا دوں)

چھ آدمی تو بلوچی لشکر ہوتے ہیں

تم نے چندرام کو مار دیا

جنگھان کو کاوڑی کو

دودا کو، وجیہہ اومر کو

تم نے مجھ پر احسان کیا ہوتا

جب تم نے دیکھا تھا کہ دودا نمودار ہو گیا

غصے سے بپھرا آیا ہے

تو تم اس کی گھوڑی پر نشانہ باندھتے

گھوڑی خون کے غرارے کرتی

دودا اور وجیہہ اومر کو

تم زندہ چھوڑ دیتے کہ پیدل آجاتے

اپنے سرخ موزوں کے ساتھ

تب تو میں بھی کوئی اور بات سوچ لیتا

(مگر یہاں تو) مائیں اپنے بیٹوں کی منتظر ہیں

بہنیں تاؤ دی ہوئی مونچھوں والے اپنے بھائیوں کے لیے

ساس اپنے داماد کے لیے

دوشیزائیں قول کے پکے اپنے محبوبوں کے لیے
اور میں سہر نگ اور دودا کے لیے

بالاچ انتقام گیری کا اب تک کا سب سے بڑا سپیشلسٹ ہے۔ وہ گوریلا جنگ کا سب سے بڑا ماہر ہے۔ وہ انتقام کے درد سہنے کا سب سے بڑا ماہر مریض ہے، اسے پتہ ہے کہ انتقام کتنی قربانیاں مانگتا ہے:

ترجمہ:

وہ لوگ جو انتقام لینے کا ارادہ رکھتے ہیں
(تو) وہ ساری رات آہیں بھرتے ہیں
اپنے دشمنوں کے خلاف دانت پیستے رہتے ہیں

بالاچ بہت ہی عمدہ شاعری کرتا ہے۔ معنی سے بھری شاعری، گہری، رواں اور فلسفیانہ۔ یہی بالاچ کیا عمدہ بات کرتا ہے:

ترجمہ:

پہاڑ بلوچوں کے قلعہ ہیں
اُن کے انمول خزانے دشوار گزار چٹانیں ہیں
بلند چوٹیاں انہیں ہواؤں سے بچاتی ہیں
ان کا پانی بہتے چشمے ہیں
ان کا کٹورا (آبخورے) مزری کے پتے ہیں
سفید چپلیاں اُن کی سواریاں ہیں
ان کے گدّے زمین کا کنارہ ہیں
نیچے بچھی قالین کرکاوغ نامی جھاڑیاں ہیں

کلیر نامی درخت کے تنے ان کی بالشت ہیں
مضبوط تیر کمان، ان کے بیٹے ہیں
منتخب تیر اُن کے بیٹے ہیں
تیز دھار والے خنجر ان کے بھتیجے ہیں
چوڑی ڈھالیں اُن کے بھائی ہیں
چوڑے پھل والی تلواریں ان کے باپ ہیں

بالاچ قتل وقتال میں بوڑھا ہو جاتا ہے۔ بالآخر دو نوجوان اسے قتل کرنے آجاتے ہیں۔ اسے خبردار رہنے (ہکّل دیغ) کا چیلنج کرتے ہیں مگر بوڑھے بالاچ نے کہا، میں بہت بوڑھا ہوں، سُن نہیں سکتا کہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ وہ اس کے قریب آ کر کان میں اسے کہنے لگتے ہیں، تب وہ استرا نکال کر اُن میں سے ایک کا گلا کاٹتا ہے اور دوسرے کو شدید زخمی اور خود بھی قتل ہو جاتا ہے۔ دیکھئے، کیا نتیجہ نکالتے ہیں بلوچ!

ترجمہ:

وہ لوگ جو شہد کھاتے رہتے ہیں
ایک روز انہیں زہر بھی ضرور پینا پڑے گا

اس طرح بالاچ، 61 آدمی مار کر مر جاتا ہے۔
اس کی قبر سنگسیلا میں ہے۔

باغارسر

Bagharsar

موجودہ مری بگٹی علاقے میں ایک زمانے میں گورگیژ، کلمتی اور بلیدی رہتے تھے۔ کلمتی اب مکران میں رہتے ہیں۔ اُن کے بارے میں یا تو لوگ سینہ بہ سینہ والی باتیں دہراتے ہیں یا پھر ماوند کے قریب "باغارسر" نامی جگہ پر ان کی نشانیاں اور آثار ان کی ہستی کا ثبوت دیتی ہیں۔ لیکن اب تو وہ آثار بھی پچھلے برسوں زراعت والے بلڈوزر نے ملیا میٹ کر دیے ہیں۔ (اس پاپی پیٹ کو اللہ ہی معاف کر سکتا ہے، غفار اور رحیم جو ہے)۔ بلوچ کلاسیک میں یہ کلمتی ایک اور قبیلے سے لڑ پڑتے ہیں جسے ہماری شاعری میں "بلمتی" کہا گیا ہے مگر اس نام کا آج کوئی قبیلہ موجود نہیں، لہٰذا گمان یہ ہے کہ یہ "بلفتی" ہوں گے۔ یہ لوگ بھی اب مری بگٹی میں نہیں ہیں بلکہ لسبیلہ میں رہائش پذیر ہیں۔ کلمتی اور بلمتی "باغار" نامی رینگنے والے جانور کے اوپر آپس میں لڑے تو ہیں مگر وہ ماوند میں لڑے ہیں، مکران میں نہیں۔ اس لیے کہ ایک پورا علاقہ اُن کی جائے رہائش اور پھر "باغار" کے اوپر لڑائی کی وجہ سے "باغارسر" کے نام سے آج بھی موجود ہے، ماوند میں۔ مگر یہ دونوں قبیلے مشرقی بلوچستان سے گم ہو چکے ہیں۔ کچھ لوگ تو کہتے ہیں کہ باغار نامی جانور پر ان دونوں قبیلوں کی جنگ لسبیلہ میں ہوئی تھی اور یہ کہ یہ جڑواں قبیلے کلمتی اور بلفتی تھے۔ سردار خان گشکوری کے حساب کتاب میں یہ لڑائی چاکر کی بلوچستان سے روانگی سے تقریباً چالیس برس بعد سندھ کے ارغون حکمران شاہ حسین ولد شاہ بیگ کے دور میں لڑی گئی۔ اس لڑائی میں سو افراد مارے گئے۔ دونوں تھک گئے۔ اٹھارویں صدی کے ایک گمنام شاعر نے اس قصہ کو یوں بیان کیا تھا:

ترجمہ:

شاہ حسین کے ساتھ لڑائی کے دن

بی بی اپنے گھر میں بیٹھی تھی

جھاڑیوں سے ایک باغار نکلا

لڑکے اس کا پیچھا کرنے لگے

باغار جان بچاتے بچاتے معتبر شخص کے گھر کی طرف آیا

حسین خاتون باہر آئی

بازوبند ایسے خوب صورت جیسے دودھ

جو شفاف بازوؤں پہ چمکتا ہے

بڑی شان والی بی بی بول پڑی

اس نے بڑی منت سماجت کی

باغار کو چھوڑ دو یہ اب میری شان (پناہ) ہے

اسے ایسی بے دردی سے نہ مارو جیسے راہیجہ جت کو مارتے ہیں

لڑکوں نے ڈنڈے مار مار کر باغار کو ہلاک کر دیا

معزز خاوند گھر میں موجود نہ تھا

اس نے اپنے خاوند کو اطلاع بھجوائی

وہ معتبرین کی محفل سے باہر نکل آیا

بڑی شان والی بی بی بولی

اگر تم نے باغار کا بدلہ نہ لیا

تو میں تیری بہن اور تو میرا بھائی

بہادر خاوند نے جواب دیا

اے میری چاند، ذرا صبر کر

ایک بار رک جا مجھ سے بات نہ کر

میں باغار کی خاطر وہ کچھ کروں گا

یہ زمیں خون سے بھیگ جائے

ساٹھ آدمی ادھر سے اور پچاس اُس طرف سے

سارے باغار کی خاطر آمنے سامنے ہوئے

قول پورا کرنے عمر نے ایک نقش چھوڑ دیا

جس طرح انتقام لینے والے بالاچ نے کیا تھا

بہادر دودا نے گائیوں کے لیے کیا تھا

رومانوی داستانیں

ہانی، شہہ مرید

Hani, Sheh Mureed

ہانی، مندو(Mandav) کی بیٹی تھی۔ حُسن کی نعمت بھی اُسے حاصل ہوگی، مگر اُس کی اصل شناخت تو عقل و دانش، تدبر و برداشت اور حیرت انگیز وفا جیسی صفات سے ہے۔ مرید، مبارک کا بیٹا تھا۔ وہ ایک شمشیرزن، قبائلی نوجوان، تیر کمان کا مالک، (لوہیں کوانہ واڑہ)، زبردست گھڑسوار، اور ایک صابر و جفاکش شکاری تھا۔

مرید و ہانی باہم منگیتر اور محب تھے...... میٹھے محبوب، لطیف محبت میں غرق، بے پرواہ جوڑی۔ زندگی عام بلوچ کی سی تھی۔ شکار کا شوقین مرید تیر کمان کا زبردست نشانہ باز ہے۔ اور حانی ایک عام بلوچ دوشیزہ جس کی عقل مندی اور فراست نے ابھی آگے جا کر آ شکار ہونا تھا۔

یہاں چاکر، رند کا سردار تھا، قوت اور اقتدار کا مالک۔ شکار کا شوقین، تلوار کا دھنی ...... اور جی بھر کر سازشی بھی۔ وہ شہ مرید کا پکا دوست تھا۔ شکار ساتھی۔ (اور یہ شکار ساتھی ایک دوسرے پر جان نچھاور کرنے والے دوست ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے کی محبتوں کے رازداں، پیغام رساں اور محافظ!)۔

سبی ہے، گرمی کا موسم ہے، اور گندم کی کٹائی ہو رہی ہے۔ چاکر کو شکار کی سوجھی۔ وہ مرید کو ساتھ لیتا ہے اور صبح سویرے شکار کرنے روانہ ہو جاتا ہے۔

وہ دونوں 'شکار فیلوز' پہاڑی بکروں، ہرنوں کے شکار کے لیے سبی کے شمالی پہاڑوں پر نکل جاتے ہیں۔ اور موسمِ گرما کے دن کا بڑا حصہ شکار کھیلتے ہیں۔ ڈھلتی دوپہر کو وہ تھکے ہارے واپس آتے ہیں۔ سخت پیاسے ہوتے ہیں۔ چاکر کا سسر (جس کا نام معلوم نہیں، اور نہ ہی اس کی منگیتر کے نام کا پتہ ہے) اور مندو (مرید کا سسر) کے گھر، راستے میں پڑتے تھے۔

چوں کہ کٹائی کا موسم تھا، اس لیے سب لوگ اپنے کام کاج کے سلسلے میں گھر سے باہر تھے۔ لیکن دونوں کی منگیتریں اپنے گھروں میں موجود تھیں۔ بلوچ میں نکاح سے قبل، اور بالخصوص بڑوں کی غیر موجودگی میں اپنی منگیتر کے گھر جانا ٹھیک نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے فیصلہ ہوا چوں کہ اپنی منگیتر کے گھر جانا معیوب ہے، اس لیے دونوں ایک دوسرے کی منگیتروں کے گھر پانی پینے جائیں گے:

پانی پی کر واپس ہوتے ہیں تو چاکر غصے میں آگ بگولہ نظر آتا ہے۔ رند کا مضبوط سردار طیش میں ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ مرید کی منگیتر ہانی نے کٹورا خوب صاف کر کے پانی سے بھرا تو بہت سلیقے سے تھا مگر پھر اس پر جان بوجھ کر بہت سے تنکے توڑ توڑ کر ڈال دیے۔ چاکر کو سمجھ میں نہیں آیا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ پیاس سے بدحال چاکر کو پانی پینے میں بہت دشواری ہوئی اور تنکوں کو بار بار پھونک کر دور کرنا پڑا۔ یوں اُسے ٹھہر ٹھہر کر وقفے وقفے سے پانی پینا پڑا تھا۔ اُس نے اِسے گستاخی اور شرارت جانا اور لہٰذا وہ سخت طیش میں تھا۔

مگر جب اُس نے مرید کو قے کرتے دیکھا تو حیرت سے وجہ پوچھی۔ اُسے اندازہ ہوا کہ ہانی کے برعکس چاکر کی منگیتر نے بغیر تنکے ڈالے کٹورا بھر کر مرید کو دیا اور پیاسے مرید نے بغیر وقفے کے غٹا غٹ پی لیا۔ اس لیے اُسے الٹی آئی۔

چاکر تو حیرت میں ڈوب گیا۔ وہ ہانی کی اِس عقل مندی اور فراست سے بہت متاثر ہوا۔ اور اس کے ذہن میں یہ شیطانی خیال آیا کہ کسی بھی طرح وہ ہانی کو حاصل کرے گا۔ چنانچہ چاکر اِسی تدبیر میں لگ گیا۔ وہ دن رات مرید کی منگیتر چھین لینے کے بارے میں غور کرنے لگا۔ شیطان انسان پہ حاوی ہو چکا تھا۔ اُس نے اپنے شیطان صفت صلاح کاروں سے مشورے مانگے۔ دھوکہ سب سے بڑا ہتھیار بنا۔

سب جانتے تھے کہ مرید اپنے قول و قرار کا بہت پابند نوجوان تھا۔ لہٰذا اسی پہلو سے اُس پر حملہ کرنے کا فیصلہ ہوا۔ تب ایک روز چاکر نے ایک محفل جمائی جہاں مرید بھی موجود

تھا۔ بھنگ کے دور چلے اور عین نشے کی حالت طاری کرا کے چاکر نے لوگوں کے سامنے بلند آواز میں اپنی تلوار مرید کو بخش دی۔ نشے میں دُھت مری نے بھی ایسا ہی جواب دیا، پھر چاکر نے اپنی گھوڑی اُسے بخشی۔ مرید نے بھی جواباً یہی کیا۔ تب چاکر نے اپنی منگیتر اُسے بخش دی۔......اور مرید نے اپنی ہانی اُسے بخش دی اور اپنی دنیا اندھیر کر لی۔

ہانی کی مظلومی دیکھیے، ایک اُسے تحفے میں دیتا ہے اور دوسرا وصول کرتا ہے۔ جبر دیکھیے، کہ محب ومحبوب کی مرضی کے برعکس وقت کے حاکم نے ہانی سے شادی رچالی۔

اُدھر جب مرید کے ہوش ٹھکانے آتے ہیں تو وہ تاسف و پشیمانی کی علامت بن چکا ہوتا ہے۔ وہ تو اپنی دنیا اجاڑ بیٹھا تھا۔ سمت اور قبلہ گم کردہ مرید ایک بار پھر حانی کے حصول کی کوشش کرتا ہے۔ ایک بار پھر وصلِ یار کی راہیں ڈھونڈتا ہے۔ وہ حانی سے اپنے عشق کو نہ چھپا پاتا ہے اور نہ اُسے صبر و قرار نصیب ہوتا ہے۔......لیکن ہانی تو برسرِ عام اب کسی اور کی عزت بن چکی ہے۔ قدرتی بات ہے کہ وہ مرید کے ساتھ مزید روابط نہیں رکھ سکتی۔ اور اگر یہ ممکن ہوتا بھی، تو محبوب کی طرف سے اس قدر تذلیل کے بعد وہ اس سے روابط رکھتی بھی کیوں؟۔ ہانی پر مرید ہی کی مسلط کردہ سرد مہری، معروض کے مارے مرید کو برباد کرتی ہے۔

اگلا منظر نامہ کچھ یوں ہے کہ تباہ حال، شکست خوردہ ' دھوکہ یافتہ اور حواس باختہ شہ مرید ایک رات اُس کے محل میں گھس جاتا ہے۔ اور گھوڑی کے آخور میں دبک کر بیٹھ گیا۔ اُس نے چاکر کی بندھی گھوڑی کھول دی۔ سوئے ہوئے چاکر نے ہانی کو بھجوا دیا کہ جا کر گھوڑی باندھ آئے۔ اُس نے جا کر دیکھا وہاں تو شہ مرید بیٹھا ہوا ہے۔ وہ گھوڑی کی میخ ٹھونک کر دوبارہ واپس آ کر سو گئی۔ دوسری بار پھر گھوڑی کھول دی گئی۔ ہانی نے وہی کیا۔ مگر تیسری بار جب ایسا ہوا تو پھر ہانی سے نہیں رہا گیا۔ بے عزتی کی بھی ایک حد ہوتی ہے، دیوانگی کی بھی ایک انتہا ہوتی ہے، یہ ایک انتہا سے دوسری انتہا تک فٹ بال بن جانا اُسے قطعاً گوارا نہ تھا۔ اس نے آلتی پاتی مارے مرید کی ران پہ، گھوڑی کا ایک فٹ لمبی ڈیڑھ فٹ لمبا میخ کا

نوکیلا سرا رکھا اور پتھر سے میخ کو ٹھونکنے لگی۔ ایک طرف سے میخ مرید کی ران میں پیوست ہوتی گئی اور دوسری طرف پتھر سے اس کی پیشانی پر زخم بڑا ہوتا گیا۔۔۔۔۔ یہ گویا حتمی جواب تھا چاکر کی وفادار بیوی ہانی کا اپنے سابقہ محبوب شہہ مرید کو۔

رات گزر گئی۔ چاکر کو سب کچھ معلوم ہو گیا۔ اگلی صبح اس نے حسبِ معمول منعقدہ دیوان و دربار میں جمع شدہ لوگوں کے سامنے ایک پہیلی کہی:

ترجمہ:

رندوں کا اجتماع تھا
سبی کے بڑے قلعے کے سائے میں
میر چاکر کے محل کے نیچے
چاکر نے ایک پہیلی کہی
وہ جو رند کا طاقتور سردار تھا
"رات کو جب بجلیاں چمکی تھیں
(تو) کون سو رہا تھا کون جاگ رہا تھا"

اب یہ تو کوڈ ورڈ تھے۔ ایسی پہیلی جو غیر معمولی تھی۔ کبھی کسی نے نہیں سنی تھی۔ پہلیاں تو بلوچوں کی وقت گزاری کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہوتی ہیں۔ خواہ گھر کے چولہے کے گرد بیٹھے بچے ہوں یا تقریب خوشی کے مواقع ہوں بلوچ ہر عمر میں پہیلیاں پوچھتا بوجھتا ہے۔ وہ پہیلیوں کا سپیشلسٹ ہوتا ہے۔ مگر یہ والی پہیلی تو پہلے کسی نے بھی نہ سنی تھی۔ اور پھر یہ واقعاتی سی پہیلی تھی، سرگزشت جیسی۔ چنانچہ:

ترجمہ:

کسی نے کوئی گواہی نہ دی

اس جھوٹی دنیا کی گواہی

(کہ) نہ تو بادل تھے نہ برسات تھی

کہاں سے آئے گی گرج چمک

یہ تو تلخ زمستانی رات تھی

(سردیوں میں ویسے بھی بادل گرجتے چمکتے نہیں ہیں)

اب تو جب معروض نے خود History will absolve me والے کو بولنے کا موقع دے ہی دیا اور سازش وقوت نے خود معصومیت کو زبان دے ہی دی، اور جب بات اسمبلی ودیوان تک آ ہی گئی تو محفل میں موجود مرید بھلا کیوں خاموش رہے۔ اور بالخصوص جب چاکر کو معلوم ہے اور اُس نے بات پہیلی کے انداز میں محفل میں پھینک دی، تو کسی نے تو اس بات کا، اس پہیلی کا مالک بننا تھا۔ اور اس کا مالک تو مرید تھا۔ لہٰذا مرید بلوچ اخلاقی کوڈ کی ایک ایک شق میں ملبوس ہو کر بول پڑا:

ترجمہ:

شہزادے جیسا مرید بول اٹھتا ہے

شہزادہ اور مستانہ

"چاکر قتل جائز ہے مگر گلہ نہ دینا

میں پکی نشانیاں بتادوں گا

تلخ زمستانی رات کو

بغیر بادلوں کے بجلیاں کہاں؟

اصل قصہ عمومی تھا ہی نہیں، یہ تو مقامی تھا۔ مخصوص گھر، مخصوص گھرانہ:

ترجمہ:

رات کو جو بجلیاں چمکیں
یہ میر چاکر کے محل میں چمکی تھیں
اُس کی گھوڑی کے قریب
یہ تو خوابگاہ کے قریب ہوا تھا
ہانی کے سلطانی سرہانے پر
دو بار تو ہلکی سی
تیسری بار آنکھوں کو خیرہ کرنے والی

بلوچ نے قہر برپا کرنا تھا، کردیا۔ دربار میں موجود بلوچ سکتے میں آ جاتے ہیں۔ یہ آج کیا نائن الیون ہو گیا کہ بات سپر پاور کی اپنی چار دیواری کے اندر جا پہنچی۔ اب تو سیٹی بج چکی تھی۔ چاکر اور مرید میں سے ایک کو تو بستی سے معدوم ہونا ہی تھا۔ . . . . . اور ظاہر ہے کہ سردار اور فقیر کے رشتوں کو برابری میں ڈھالنے کی کوشش کرنے والے کو ہی خسارے میں ہونا تھا۔ اس لیے کہ 'فیوڈل سٹیٹس کو' کچی دیواروں پہ کبھی کھڑا نہیں ہوتا۔ قصور خواہ جس کا بھی ہو، سزاوار تو شیہہ ہی کو ہونا ہوتا ہے۔ لہٰذا محفل میں موجود لوگوں نے اپنے ویلیو سسٹم کی چوکھاٹ کو جب زلزلہ زدہ پایا تو خوف، غصہ اور جھنجلاہٹ میں آنکھیں باہر ابل آئیں، منہ جھاگ ہوئے، بال کھڑے ہوئے اور آسمان کو شگاف کر ڈالنے والا احتجاج بلند ہوا۔ چاکر کے خلاف نہیں، مرید کے خلاف۔ احتجاج مرید کے باپ مبارک سے:

ترجمہ:

یہاں رندوں نے برا منایا
اٹھ کھڑے ہوئے، گویا ہوئے

دیکھو دیکھو، مبارک اپنے خلف کو

ناروا بیان کے ساتھ

آگ میں دو طرفہ جلتی ہے، مبارک تو فہمیدہ بڈھا ہے۔ اُسے تو پتہ ہے کہ تقدیر نے اس کے بیٹے کو گردن سے پکڑ کر دیوار سے دے مارا ہے۔ اُس کی چشمِ بینا اپنے بیٹے کی یہ بے باکی، جراتِ اظہار اور گستاخی کے نتیجے میں عبرت کا منظر نامہ دیکھ سکتی ہے۔ اُسے مرید کا جائز مگر ناقابلِ عمل، ردِعمل قابل قبول ہوتا اگر اُسے وہ سارے ستون گرتے نظر آتے جن پر چاکر (سردار) کا اقتدار کھڑا تھا۔ مگر یہ تو ناممکن تھا اس لیے کہ سماج اُس کے لیے تیار ہی نہ تھا، نعم البدل موجود ہی نہ تھا۔ تب تو ایک ہی راہ بچتی ہے، بیٹے کی جان بچائی جائے۔ اس نے اپنی جوتی نکال کر بیٹے کو دے ماری:

ترجمہ :

مبارک جوتی اتار کر

مرید کے سر پہ دے مارتا ہے

چھوڑ دو مرید بدفعلیاں

بدفعلیاں، بدکاریاں

چاکر کی چاندسی بیوی کے ساتھ

چاکر برا شخص نہیں ہے

چاکر تیرے برابر نہیں ہے

اس کی بات پر ہزار جواں مرد چل پڑتے ہیں

ہمیں پردیس میں دفن کراؤ گے

بچوں کو بھوک پیاس سے مار دو گے

ہم شہہ (پیر فقیر) ہیں، شاہ نہیں بن سکتے

مرید اب کیا کرتا؟۔ محبت جب انہونی طور پر خوش قسمت ہوتی ہے، تبھی وہ طبقاتی پس منظر میں پیدا ہوکر غیر طبقاتی صورت اختیار کرتی ہے۔ وگرنہ تو یہ طبقاتی ہی رہتی ہے۔ سماج طبقاتی ہوتو محبت کس طرح غیر طبقاتی ہوگی۔ مست و بے خیر شہ مرید کی محبت کو طبقاتی امتیاز نے ڈس لیا تھا۔ مرید کو آج محبت نے چاکر کی روحانی باڈی گارڈی سے خارج کر دیا تھا۔ مگر اس کے باپ سمیت باقی پورا سماج اس سر قبیلوی نظام کو رضا کارانہ تسلیم کرتا تھا۔ لہٰذا مرید کو محبت نے یہاں کے لیے مس فٹ کر دیا۔ متبادل موجود نہ تھا، لہٰذا اس نے والد کی جوتی کو چوما اور باپ کو واپس کر دیا:

ترجمہ:

معاف کرتا ہوں تمہیں معاف کرتا ہوں
معاف کرتا ہوں کہ تم میرے مہربان باپ ہو
جوتا مجھے کوئی تب مارتا
جب رند زخمی ہوکر کراہ رہے ہوتے
سبی کمر تک دھل جاتا
جب گھڑسواروں کے گھوڑے ہنہنا رہے ہوتے
جب خون سے زمین سیراب ہو رہی ہوتی
گھوڑوں کی سموں سے زمین پر ہل چل رہی ہوتی
(اور میں نہ لڑتا)

مگر یہاں ایک بات کی وضاحت ضروری تھی۔ وہ بات جس پر وہ خود آج ہی پہنچا تھا:

ترجمہ:

چاکرا گر قبیلے کا سردار رہے
تو میں بھی برا شخص نہیں ہوں

میں مضبوط کمان کا مالک ہوں

چاکر اِس لیے برتر ہے

کہ اُس کے خنجر کا دستہ سونے کا ہے

اسے سرداری کا منصب حاصل ہے

تب وہ ایک فیصلہ کرتا ہے۔ جی ہاں، مرید دیوان میں بیٹھے ہوئے سر قبیلوی نظام کے مارے ہوئے زنگ آلود اذہان سے فیصلے کا حق چھین لیتا ہے۔ فیصلہ اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔ پہل کاری کرتا ہے۔ وہ اِس فرسودگی کو برقرار رکھنے والے جرگے کو افلاطون بننے کا موقع ہی نہیں دیتا، خود ہی چیخ پڑتا ہے:

ترجمہ:

اب قول ہے کہ وطن چھوڑ جاؤں گا

قول ہے کہ زلفیں تراش لوں گا

ترکی مونچھیں بھی

میں اپنا بلوچی اسلحہ رکھ دوں گا

اپنے جسم پہ پہنے نئے لباس کو

مندو کے لیے بھیج دوں گا

ہانی کے بزرگوار باپ کی طرف

میں اُن لوگوں کے ساتھ چلا جاؤں گا

جو ملنگ و دیوانے ہیں

غڑّ اغڑّ اکرنوالے مانگتے ہیں

جن کی دَری کرکاوغ نامی جڑی بوٹیاں ہیں

زمین کا دامن جن کا گدیلا ہے

درختوں کے تنے جن کے سرہانے ہیں

میں ملنگوں کی ایک ڈار کے ساتھ

حج کی زیارت کروں گا

اور یوں مرید گھر بدر ہو جاتا ہے، قبیلہ بدر، بسی بدر، وطن بدر، بلوچ بدر ہو جاتا ہے۔ وہ ملنگوں، جوگیوں کا ساتھی بن جاتا ہے۔ کیا گھر کیا ٹھکانہ، کیا اتہ کیا پتہ۔ کبھی اِس درویش کے آستانے پر، توکل اُس فلاسفر کے روزے پر۔ سفر و حضر، گرتے پڑتے، ننگی بھوک اور موسموں کی شدتیں سہتے بال آخر نجات کی خواہش و ارمان اُسے مکہ مدینہ پہنچا دیتے ہیں۔ مکمل طور پر ٹرانسفارم ہونے کے لیے۔ حتماً ایک نئی جون۔ بزرگ، ولی اللہ، کرامتوں والا۔ پاسپورٹ ویسے ہی نہیں ہوتا تھا، مگر ہوتا بھی تو مرید کے پاس بین الاقوامی راہداری کا سرٹیفکیٹ موجود تھا۔ محبت کا پاسپورٹ۔ ہانی کی تصویر لگا پاسپورٹ۔ غم کا پاسپورٹ، وابستگی کا پاسپورٹ۔ ایسا پاسپورٹ جو ہانی کا عطا کردہ تھا۔ عطا کنندہ اور وصول کنندہ دونوں کے لیے درد کا پاسپورٹ۔ دل ، دونوں کا اپنے اپنے سینے میں نہ تھا۔

محبوباؤں کے دل سے اُن کے شہ مرید کہاں نکل سکتے ہیں۔ چاکر نے شہ مرید کا گھر تو اجاڑ دیا تھا مگر وہ خود بھی اچھی ازدواجگی کا مالک نہ بن سکا۔ ہانی محض جسمانی طور پر اس کی بیوی تھی۔ سردار کی بیوی، رند کے سردار کی بیوی۔ اُس کی روح اس کی بیوی قطعاً نہیں بن سکتی تھی۔

اِدھر بوڑھے باپ کی دنیا اندھیر ہو جاتی ہے۔ اُس پر لمحے صدیاں بن جاتی ہیں۔ بے چارہ بوڑھا باپ اس کی تلاش میں کبھی یہاں بھٹکتا ہے، کبھی وہاں سفر کرتا ہے۔ کسی نے بتایا کہ مرید تو فتح پور میں ایک سنار کی حیثیت سے کام کرتا ہے۔ وہ بے چارا وہاں چلا جاتا ہے:

ترجمہ:

فتح پور میں ایک سنار ہے

زیورات بناتا ہے

وہ مرید کی شکل کا ہے
میں اکتیس سال وہاں ضائع کر بیٹھا
گھڑے بھر بھر کر پانی ڈھوتا رہا
میرے سر پہ سیاہ سروں والے کیڑے پڑ گئے
ایک روز جب وہ بزدل ہنس پڑا
(تو) اُس کے دانت نظر آئے
ارے کہاں مرید
اے فتح پور کا پتھر کا قلعہ
تو تباہ وویران ہوجائے!!
مع اپنے آٹھ دس دروازوں کے
آبادیوں سے خالی ہوجائے!!
تمہارے کھنڈروں میں خدا کرے الّو بولیں

شہ مبارک، ضعیف وناتوں مبارک، چاکر سردار کے مظالم کا نتیجہ مبارک، اور دین و دنیا ہارا ہوا مبارک...... اپنا جی دار جواں بیٹا کھو کر دن رات روتا ہے، دُہائیاں دیتا ہے، دعائیں مانگتا ہے، فریادیں کرتا ہے۔ وہ رند لڑکیوں کو بددعائیں دیتا ہے:

ترجمہ:

لڑکیاں منڈیروں پہ آتی ہیں
صبح کی روشنی کی طرح ابھرتی آتی ہیں
اے رند عورتو! خدا کرے تمہاری صدائیں بند ہوں
پراندوں پہ تمہاری خوشبو لگی سیپی ٹوٹ جائے
خدا کرے تمہارے بنے بنائے گھر جل جائیں

رندوں کو خدا برباد کردے

کہ رندوں نے مجھے برباد کردیا

اللہ رحم کر۔ ایسی بدعائیں تو صدیوں تک چلتی ہیں!۔ پتہ نہیں ہمارے آبا کی کتنی بددعائیں ہمیں جھلساتا سایہ کی ہوئی ہیں۔ قوم کو کتنے کفارے ادا کرنے ہوں گے، ایک آدھ چاکر کی ہزاروں مستیوں کی۔

آہ، مگر ہانی کیا کرے۔ اپنے محبوب سے محروم کسی اور کی بیوی بن کر اگر اُسے خاوند سے وفا کرنی پڑتی ہے اور مرید سے بالکل لاتعلقی کرنی پڑتی ہے تو ایسا تو صرف اور صرف بلوچ سر قبیلوی ثقافت کی لاج رکھنے کے باعث ہے۔ اور وہ چُپ چاپ یہ فریضہ ادا کرتی رہتی ہے۔ مگر وہ شہہ مرید کے والد سے تو دل کی بات کہہ سکتی ہے ناں!۔ وہ اس کی بددعاؤں کے باوجود اُسے دلاسہ دیتے ہوئے کہتی ہے:

ترجمہ:

بابا مجھے بدعائیں نہ دو

میں مرید سے تم سے زیادہ محبت کرتی ہوں

مجھے وہ اپنی دونوں آنکھوں سے بڑھ کر پیارا ہے

اب کہانی آگے بڑھتی ہے۔ لیکن، آیئے وقتی طور پر ہانی اور مبارک کو اپنے حال پر چھوڑتے ہیں اور شہ مرید کی حالت کا پیچھا کرتے ہیں۔ شہ مرید، تباہ حال شہ مرید، ہانی کی یادوں کی آگ میں جلتا رہتا ہے۔ وہ پیغام لے جانے والے کبوتر کو اپنی محبوبہ کا شناختی حلیہ یوں بتاتا ہے:

ترجمہ:

آ، میں تمہیں اس کی نشانیاں بتاتا ہوں

میری محبوبہ پھول سے بھی تازہ تر ہے

تازہ تر اور بلند شان ہے

وہ، یعنی وطن بدر مریدؔ، حج کرتا ہے' وہاں بیٹھ کر عبادتیں کرتا ہے اور ایک عمر گزارنے کے بعد بالآخر وطن کو لوٹتا ہے۔ آیئے اُس کے ہاں پر قیام اور اُس کی سفری سرگزشت کا ایک ٹکڑا دیکھتے ہیں:

ترجمہ:

چار ہیں ملنگ اور ایک میں
وہ درویشی کرامتوں کے ساتھ
میں بلوچی ہمت کے ساتھ
اُن کے ساتھ ہوں پیچھے نہیں رہ جاتا
صحیح ہے، میں حج پر چلا گیا
حج کے دربار کی زیارت کی
میں نے مکہ کی جھالریں ہلا ڈالیں
اپنے گناہ بھرے پنجوں کے ساتھ
میں تین سال وہاں رہا
میں نے وہاں پچپن شیئر کہے
ٹنڈ سروں والے میرے ہمراہی پریشان ہو گئے
ایک دن فقیر لوگ واپس لوٹے
ہمیں بھی واپسی کی خواہش ہوئی
میں ملنگوں کے دستے کے ساتھ
وہ سب آگے گزر گئے
(اور) میں سبی رک گیا

خدا کی قدرت جب فقیروں کی یہ ٹولی سبی پہنچی تو اُسی روز رند قبیلے کے لوگ چاکر کی محل

کے قریب نشانہ بازی کر رہے تھے۔ مانے ہوئے شکاری اور مضبوطئی کمان نی کے مالک شہہ مرید نے نشانہ بازی دیکھی تو اُس کے تو منہ میں پانی آ گیا۔ ایک پورا سماجی تہذیبی پیراڈائم ایک 'پینو راما' بن کر اُسے للچانے لگا۔ اُسے بھی نشانہ بازی میں حصہ لینے کا شوق ہوا۔ اس نے کسی سے کمان مانگ لی:

ترجمہ:

رند جشن میں تھے
وہ بیٹھے تیر اندازی کر رہے تھے
اور وہاں ملنگ آن پہنچے
میرا بھی دل کیا
اے بھائی مجھے ایک کمان دے دو
میں بھی اپنی روح کو خوش کرلوں

انھوں نے مذاق اڑاتے ہوئے ایک کمان اُسے دی۔ مگر یہ معمولی کمان شہ زور اور ماہر مرید کے سامنے کیا ٹکتی۔ دوسری دی گئی تو وہ بھی بچوں کا کھلونا ثابت ہوئی۔ تیسری کمان بھی جب اُس کا زور نہ سہ سکی تو پھر مجمع نے اُسے سنجیدہ لینا شروع کر دیا۔ شناخت میں شک کے کچھ ابرو اٹھے۔ اب اس ملنگ کی اکڑ خانی نکالنے کے لیے شہہ مرید کی کمان اُس کے گھر سے منگوائی گئی۔ اور جب اُس کی کمان لائی گئی تو شہہ مرید دہائیوں سے استعمال نہ کی گئی اپنی کمان کی خستہ حالی کو دیکھ کر تڑپ گیا۔ پُر اشک آنکھوں سے اُسے چوما، اُس کی زیارت کی۔ پھر اُس کے کل پرزے ٹھیک کر کے مورچے میں بیٹھ گیا۔

حسبِ دستور تین تیر چلائے اور ہر تیر ٹھیک نشانے پر۔

شبہ یقین میں بدل گیا۔ اندازہ ہوا کہ وہ تیر انداز شہ مرید کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ انھوں نے ایک شخص ہانی کی طرف بھیجا کہ تم بچپن میں اکٹھے کھیلتے رہے ہو۔ شہہ مرید

کی کوئی نشانی، کوئی شناخت بتادو:

ترجمہ:

رند میلہ کررہے تھے
وہ تیر اندازی کا مقابلہ کررہے تھے
ملنگ لوگ بھی آن پہنچے
ہمیں بھی خواہش ہوئی
اے بابا ایک کمان مجھے دے دو
تا کہ اپنی روح کو راضی کرسکوں
انھوں نے مذاق میں ایک کمان مجھے دے دی
وہ تو ٹوٹ کر بے کار ہوگئی
غصے میں ایک اور تھما گئے
اُس کا تو سرا ٹوٹ گیا
شک بھرے انداز میں انھوں نے تیسری کمان مجھے دے دی
وہ تو تین ٹکڑے ہوگئی
یہاں رندوں کو شک گزرا
ارے تم لوگ لاؤ شہہ مرید والی کمان
تا کہ اس فقیر کا غرور نیچا کردے
وہ لائے میری آہنی کمان
میں نے اپنی کمان کو خستہ حال میں دیکھا
اُس پر تو بکری کے لیلے کودتے رہے تھے
لڑکے بالوں نے اُس کی چمڑی ادھیڑ کر رکھ دی تھی

میرا دل اداس ہو گیا

دیکھا میں نے، رویا دل

آنکھیں بادل کی طرح برسنے لگیں

میں نے سات بار اسے آنکھوں، ہونٹوں سے لگایا

ناساز تھی، اسے میں نے ساز کر دیا

ادھڑی ہوئی تھی، میں نے اسے درست کر لیا

پھر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر میں نے نشست سنبھالی

یکے بعد دیگرے تین تیر چلائے

تینوں نشانے پہ لگے

تب رندوں کو خوب شک گزرا

انھوں نے ہانی کی طرف آدمی بھیجا،

"تم لوگ جو بچپن میں کھیلے تھے

کیا نشانی چھوڑی؟

مرید ہم سے شناخت نہیں ہوتا

اس کی بڑی بڑی مونچھیں ہو گئی ہیں

داڑھی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی ہے"

مسرت و شادمانی سے لبریز ہانی نے نوید سنانے والے کو اپنے ہاتھ کی کڑیاں اتار کر "مستا گری" کے بطور دے دیں۔ اب وہ مرید کی کیا نشانی بتاتی۔ اُس نے تو خود اُسے 'برانڈ' کر دیا تھا۔ ارے اُس کی نشانی یہ ہے کہ ران پہ ایک بڑے زخم کا نشاں ہوگا اور ابرو پہ ایک زخم ہوگا:

ترجمہ:

ہانی نے کلائی کا زیور اتارا

اورخوش خبری سنانے والے کو بخش دیا

''کہاں ہے مرید؟ کہاں ہے مرید

میرے سوئے دل کو نہ جگاؤ

ہم جو بچپن میں کھیلے تھے

نقش ونشانی یہ چھوڑی

(کہ) کیل اس کی ران میں ٹھونک دی

ابرو کے قریب زخم بنا دیا''

اب مرید کیا شاہد، کیا گواہی؟۔شناختی پریڈ ہوگئی' شناخت ہوگئی : یہ تو مرید ہے، شہہ مرید ہے، پُل گذیں مرید ہے۔شیہہ مبارک کا جایا مرید ہے، چاکر کا ستایا مرید ہے، قوم کا بھگایا مرید ہے...... پشیمانی، گروپ پشیمانی، اجتماعی پشیمانی، قومی پشیمانی۔

کیا کفارہ ہو؟ ایک خاندان اجاڑ دیا۔شہہ مبارک، بیٹے کے لیے تڑپتے، سسکتے مر گیا۔ بیٹا عشق کا بنجارہ پا پیادہ حجاز تک کا اذیت ناک سفر کرتا رہا۔ اور ہانی آتشِ عشق اور ازدواجی وفا کی عقوبت گاہوں کی مسافر بنی۔اور مجرم کون؟ صرف چاکر نہیں، صرف رِند قبیلہ نہیں بلکہ پورا قبائلی فیوڈل نظام ہے۔اوراب کفارہ ادا کرنا ہے۔لہٰذا اقدار جائیں بھاڑ میں، رندوں نے دلچسپ کرنے کی ٹھان لی:

ترجمہ:

رندوں نے باہم باتیں اور بحث مباحثہ کیا

''چاکر تم یوں کرو

(کہ) ہانی کو طلاق دے دو

تا کہ اس کی ہڈیاں شیہہ کی ہڈیوں کے ساتھ پڑیں
قبر قبر کے ساتھ مل جائے''

جی، بلوچ تو کفارہ کرتا ہے، اپنی تباہ کن غلطیاں درست کرتا ہے۔ اور اب ایسی پیچیدہ صورتحال میں بھلا عوام الناس اپنی اجتماعی پشیمانی کا اور کوئی حل بھی کیا سوچ سکتے تھے۔ بس یہی نا کہ:

ترجمہ:

ہانی اور صحراؤں کے مرید کو
ایک کمرے میں بند کیا گیا

اوہ، شریف لوگو!، معصوم لوگو! تمہارا کیا خیال ہے، تم تبدیل ہو چکے ہو تو مرید بدل نہ چکا تھا کیا؟ ایک مکمل طور پر Transformed شخص کو سمجھنے میں تم ہمیشہ غلطی کرتے ہو، ہمیشہ دیر کر دیتے ہو۔ یسوع سے لے کر جینی ویسٹ فالن کے خاوند تک، اور شاہ عنایت سے لے کر شیہہ مرید تک تم نے ہمیشہ غلطی کر دی، ہمیشہ دیر کر دی۔ عشق تو پورا ذہنی چوکھاٹ بدل دیتا ہے۔ مرید کی اس قدر ریاضت و محنت اور کٹھنائیوں سے حاصل کردہ آفاقی شعور کی کیا ارزاں قیمت دے رہے ہو! اب اُس کے لیے ہانی کوئی طبعی وجود کہاں رہ گیا۔ وہ تو اب ایک آئیڈیا بن گئی، ایک تصور، ایک خیال جو وہ اپنی روح کے مقدس سینے پہ بندھے تعویز کی طرح ساتھ لیے پھرتا ہے۔ اب مرید کو جسمانی ہانی کا حصول حقیر دِکھتا ہے، اب تو وہ اپنے آئیڈیا کے حصول کے تلاش کی دنیا میں ہے۔ اب تو اسے سرخ ستارہ چاہیے!!۔ سرخ ستارہ، جو شاید ہمارے سارے چاکروں کے گناہوں کا کفارہ ہو!!

شہ مرید کمرے میں بند اپنی محبوبہ ہانی کا پاک سٹڈی سرکل یوں لیتا ہے، یوں اُس کی تطہیر کرتا ہے:

ترجمہ:

"پھول جیسی ہانی، پھول جیسی ہانی

تمہارے عشق نے مجھے جلا ڈالا ہے

اپنے ننگے کندھے مجھے نہ دکھا

مجھے دید سے اندھا نہ بنا

ہانی تیرے قابل نہیں رہا

میرے بارہ کے بارہ جوڑ بے کار ہو چکے ہیں

مجھ میں جوانی کی وہ طاقت نہ رہی

میں جل بھن کر، نامرد ہو چکا ہوں

اب ایک عورت تُو، ایک عورت میں

جس وقت تک تم مجھے درکار تھیں

بھائی مجھے بھائی نہ بناتے تھے

دوست مجھے دوست نہیں بناتے تھے

برادری میں میرا نام ئی دیوانہ نی تھا

اب مجھے ساتھیوں سے جدا نہ کر

مجھے اندھا نہ بنا"

مولانا روم کی منزل ہے یہ۔ حاصل کردہ بصیرت کی بصارت کی حفاظت اب شیہہ کی عصمت بن چکی ہے۔ اور وہ عصمت کی حفاظت کیسے نہیں کرے گا۔ بلوچ ریاضتوں، کشٹوں سے حاصل کردہ اپنے شعور کی حفاظت کیسے نہیں کرے گا۔ اس نے ماقبل فیوڈل نظام سے جو ٹکر لی تھی، اُس میں اُس کی روح تک کرچی کرچی ہوگئی۔ مگر اُس نے نجات کا وہ پرچم تو اوروں کو تھمانا تھا۔ راہ بھٹکے لوگوں کو راہ تو دکھانی تھی۔ چنانچہ وہ جون بدلتا ہے، شکل وصورت بدلتا ہے، ہیئت بدلتا ہے:

ترجمہ:

کبھی دیکھو تو اونٹ ہے

کبھی دیکھو تو بیل ہے

ابھر کر اٹھتا ہے دانت پیستا ہوا

ہم سے مرید صحیح سلامت چلا گیا

اونٹوں کے رَم میں سے ایک شتر بچہ لے گیا

چنانچہ گناہ کے کمرے سے اڑ کر باہر نکلنے والا مرید حضرتِ خضر کا مرید بن گیا۔ شیہہ مرید بھٹکے ہوؤں کو راہ دکھانے لگا...

ایران، پاکستان اور افغانستان پر مشتمل سارے بلوچستان کا پکا عقیدہ ہے کہ آبِ حیات پیا ہوا عشاق کا یہ مرشد اپنی لمبی سفید داڑھی، اجلے لباس اور عصا کے ساتھ اپنی اونٹی پہ سوار آج تک اپنے مریدوں کو سیدھی راہ دکھانے کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔

بیورغ وصدو

Bevragh O Sado

بیورغ کی ایک محبوبہ صدو تھی۔ بقول ہماری روایتی قصہ گوؤں کے وہ ایک جتنڑ یں تھی۔ دوسرے تیسرے درجے کی شہری، جس کے ساتھ جنسی تعلق رکھنا شاید مرگ والی سزا جتنی خطا تصور نہ ہوتی تھی۔ حیران یا سیخ پا ہونے کی بات اس لیے نہیں کہ بلوچ سماج معلوم تاریخ میں کبھی غیر طبقاتی سماج نہ رہا۔ عام انسان اب تک ہمارے سماج کا ایک 'سنہرا زمانہ' دیکھنے سے محروم ہی رہا۔ مولد وغلام وڈیہہ سے لے کر 'اگ جاہ' تک کے الفاظ اپنے پیچھے معافی کی اتھاہ تہیں رکھے ابھی حال تک موجود و مستعمل رہے۔

جت عورتیں چونکہ نچلی ذات کی ہوتی ہیں، اس لیے اُن پر فیوڈل دکھاوے والی اقدار کا اطلاق نہیں ہوتا۔ یہ انتہائی حسین ہوتی ہیں۔ بہت بولڈ و بے تکلف، آزاد و حاضر جواب۔

بہر حال ہم صدو اور بیورغ کی بات جاری رکھتے ہیں۔ اور ابتداُس کربناک ٹائم پیریڈ کے تذکرے سے کرتے ہیں جب محبوبہ ابھی تک قاصدوں، نامہ بروں، تحفوں، درشنوں، درخواستوں اور التجاؤں کا کوئی ردِعمل نہیں دکھاتی۔ قرنوں کی سیاہ خاموشی ساری گرم جوشی کا منہ چڑاتی ہے۔ خاموشی۔ نہ آس نہ یاس نہ امید نہ ناامیدی...... اس کیفیت کو بیورغ سے زیادہ کون بیان کرسکتا ہے:

ترجمہ:

محبوبہ نہ تو ہاں کہتی ہے کہ میرا دل باغ باغ ہوجائے

نہ وہ نہ کہتی ہے کہ میں امید ہی ترک کردوں

اس نے ہمیں درمیان میں لٹکائے رکھا ہے

اونچا بادلوں سے بھی، نیلگوں آسمان سے بھی

اچھا، ہاں آخر محبوبہ مان گئی۔ ذرا خوشی تو دیکھیں، انبساط تو ناپیں!!

ترجمہ:

میں شکار سے لوٹا

ہاں رے ہاں محبوبہ مان گئی

محبوبہ کی ماں مان گئی

صدو کے پاس اُس کے خوب صورت خیمے میں

لگتا ہے سورج اور روشنی سے عشاق کا جھگڑا صدیوں سے چل رہا ہے۔ ابھی ہم دیکھیں گے کہ بیورغ اِس سورج سے کس قدر غیر مطمئن ہے۔ اس لیے کہ اب سورج ڈھل کر ہی نہیں دکھاتا، عاشق تصورات میں، اُس منظر نامہ پہ غور کرتا ہوا:

ترجمہ:

صبر کر اے روح کہ میں سورج غروب کردوں

سورج عصر کی زردی میں گویا تھم گیا ہے

لعل جیسی صذ و مسک و عطر گھوٹ کر بناتی ہے

اپنی زلفوں اور میری داڑھی کے لیے

خدا خدا کر کے کہیں سورج پردے کی اوٹ میں چلا گیا۔ اب اگلا مرحلہ ہے:

ترجمہ:

میں دولہا کی طرح سج سنور کر خیمے کی طرف جاتا ہوں

صدو کی طرف اور اس کے حسین خیمے کی طرف

رات کے تین پہر وصال کی لطف اندوزیوں میں گزرے

چوتھے پہر صبح کی روشنی نمودار ہوئی
صبح کا کافرستارہ طلوع ہوتا ہے
اور لشکارے مارتے برق رفتاری سے آتا ہے

اب یہاں تک تو آپ ایک عام مگر بدمست جوانی کی عشقیہ کہانی پڑھتے رہے۔مگر بلوچی کلاسیک نے موڑتو کاٹنا ہی ہے۔اور یہ اگلا موڑ ہلاکت خیز ہے۔صرف دونوں محبوبوں کے لیے نہیں بلکہ ساری آبادی کے لیے۔اور قتلِ عام والی جنگ کا نقارہ ہمارا بیورغ ہی بجاتا ہے۔وہ اب اس عورت کو دوسرے کی ہونے نہ دینے کا فیصلہ کرتا ہے۔یا سر چلا جائے، یا رقیب کی گردن اڑا دی جائے، یا پھر طلاق ہو جائے۔یورپ میں ڈوئیل جیسی چیز!۔

ترجمہ:

میں نے جواب دیا مدھر چال والی کو
عورتوں کی ملکہ کو میں نے جواب دیا
یہ تو تمہارے پیارے باپ کی عادت ہے
محبوبہ کو چھوڑ کر گھر سے بھاگ جاتا ہے
رند تو ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹتے
نوعمروں کی طرح پسپائی میرے لیے حیف ہے

اب؟۔مصیبت آ گئی ناں! صدو کو معاملے کی سنگینی، سختی کا احساس ہو گیا۔عصمت وغیرت تو ایک کچھا رہوتی ہے۔عصمت وغیرت تو ماقبل جاگیرداری دور میں انسان ہونے کا سبب وثبوت ہوتے ہیں۔اب جب محبوبہ صدو کو سو فیصد پتہ چل گیا کہ بیورغ نے جانا نہیں ہے اور اس کے اپنے خاندان والے خواہ جس قدر بھی پست مقام وذات کے کیوں نہ ہوں، ردِعمل تو ضرور کریں گے۔محبوبہ نے بیورغ کو محبت سے ریش شدہ دل کے ساتھ ٹوکا:

ترجمہ :

اگر تمہارا اس طرح کا ارادہ تھا

تو کم از کم چا کر کو اطلاع تو کی ہوتی

مگر بیورغ یہ حفظِ ما تقدم پہلے ہی کر چکا تھا۔ وہ صدو کو اطلاع دیتا ہے:

ترجمہ:

ایک مراثی کل رات بھیج چکا ہوں

چا کر کو اطلاع کردی میں نے

کہ آتے ہو تو تمہاری قول پالی کا دن آج ہے

اگر نہیں آتے تو مولا میرا مالک ہے

اچھا، چا کر نے تو جب پہنچنا تھا سو پہنچنا تھا، اس درمیان بیورغ کیا کرتا۔ پوری آبادی نے جاگ تو جانا تھا۔ تو کیا وہ اُسے بے گزند چھوڑ دیتے ؟۔ اِس طرح کی انتہائی حالتوں میں تو تیر کمان کی طرف ہاتھ بڑھتا ہی ہے۔ اور بیورغ اس بات سے بے خبر نہ تھا۔ اکیسویں صدی کے ٹیکنالوجیکل عہد میں بیٹھ ماقبل جاگیرداری والی پندرہویں صدی کا جج مت بنیے، بس شاعری، الفاظ، الفاظ کی گہرائی گیرائی کو دیکھیے:

ترجمہ:

میں نے تیر کمان میں چڑھا دی

خیمہ کے سامنے جم کر بیٹھ گیا

میرے شان والے کمر بند میں چار تیر ہیں

چار ہیں تو سمجھو ایک نوجوان اونٹ کا بار ہیں

آٹھ ہیں تو لاشیں بیل گاڑی اٹھائے

سولہ ہیں تو دلی کا مغل بادشاہ بھی مقابلہ نہیں کر سکے

وہی شخص مقابل آئے جس کا وقت پورا ہو چکا ہو

جس کے اعداد و شمار کا کٹورا بھرا چکا ہو

اب ذرا بستی والوں کا ردِ عمل دیکھیے۔ وہاں کا منظر نامہ یوں ہے۔ محبوبہ کا خاوند پیرؔ ولی قدرتی طور پر غصے سے بپھر جاتا ہے۔ بیورغ کو قتل کیوں نہ کرے؟۔

ترجمہ:

پیر ولی اپنے گنجے سر کے ساتھ آتا ہے

ہاتھ میں بیکار سی کند کلہاڑی لیے ہوئے

اس کے بے نمک منہ میں یہی بات ہوتی ہے

کہ میں قتل کر دوں گا جواں مرد بیورغ کو

باہؔر کے سنہرے بیٹے کو

ایک مناقشہ شروع ہو جاتا ہے، جھگڑا، بھاگ دوڑ، جھپٹ لپک اور پھر:

نیا مغا جوائیں مڑ شفانتی آں

یعنی، اچھے انسان (مصالحت کو) درمیان میں پڑتے ہیں

مصالحت و مذاکرات کی مداخلت بھری جنگی فضا میں اور پھر وہی ہوتا ہے، جس کی توقع ہے۔ چاکر افواج کے ساتھ پہنچ جاتا ہے:

ترجمہ:

پرندے کوہستانی چوٹیوں پہ سوئے ہوئے ہیں

سورج نکلتا ہے سونے کے برجوں پر

ایک گرد اٹھی دریائے میلھا کے دھانے سے

میر چاکر کی افواج پہنچ گئیں

سیوی کے رِند بیٹے امڈ پڑے

میران اور مرید سب سے آگے ہیں

اور پھر نازک ترین مذاکرات شروع ہو جاتے ہیں۔ عزت و وقار مجروح کرنے کا جرم کتنا بڑا ہے، اس کا مداوا اور کفارہ کیا ہو؟۔ جرم، مستی بھرا جرم، اگر ہر جانہ میں جان لینا ممکن نہ ہو تو کوئی تو راستہ نکالنا ہوتا ہے زندہ معاشروں کو۔

(محبوبہ پہ قرعہ اندازی کرائی گئی)

بیورغ، قرعہ والے مراثی سے:

ترجمہ:

اگر قرعہ میرا لاؤ تو ایک اونٹ بخش دوں گا

اگر نہ لائے تو تمہارا پنجہ کاٹ ڈالوں گا

اور، قرعہ کب کمزور و غلام کا نکلتا ہے۔ قرعہ ہی تو زور آور کو اصلی، اور ایک نمبر بلوچ بناتا ہے۔ قرعہ تو ایک جواز ہے۔ جت اور ڈومب اور مریٹہ کو دوسرے درجے کا شہری قرار دیے رہنے کا۔ چنانچہ یہاں بھی:

ترجمہ:

ہئے او ہے کہ قرعہ میرا نکلا

اُس نے لعل صدو کو زہریلے دشمنوں سے چھین لیا

اور یوں صدو اُس کی ہوگئی۔ پہلے چاکر ایک شہ مرید کو وطن بدر کر چکا تھا۔ حسین عورت اللہ کرے کمزور انسان کی بیوی، بیٹی نہ ہو۔ بُزکشی ہوتی ہے اُس پہ۔ بہرحال اب صدو، بیورغ کی بن چکی تھی۔

ترجمہ:

خاتون کے بلوچی دوپٹے کے بطور

چاکر نے ایک نوجوان اونٹ دے دیا

****

مشکاف والی محبوبہ

بہادر بیورغ کی ایک محبوبہ تھی مشکلاف کے علاقے میں۔ہم نے اس خاتون کا نام تلاش کرنے کی بہت کوششیں کیں مگر شاعری میں اس کا نام نہ ملا۔بس رومانی کہانی پوری کی پوری مل گئی۔

موسم ہے گرمیوں کا، ہم بات کررہے ہیں سبی وڈھا ڈر کے علاقے کی۔جس کے بارے میں عام بات ہے کہ خدا نے جب سبی وڈھا ڈر بنا لیے تو پھر دوزخ بنانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

اس جہنمی گرمی میں مشکاف علاقے کی اُس کی محبوبہ نے بیورغ کو پیغام بھیجا کہ ملن کو آؤ، ضرور، اور آج ہی۔

ترجمہ:

خوش آواز مراثی گھومتے گھامتے آیا
وہ دور نشیں کا پیغام لایا
آجاؤ رات شب خون کی طرح امشب آجاؤ
آجاؤ کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں

اب بھلا بیورغ رکے گا؟۔اُس کے پاس اُس وقت کوئی اور سواری موجود نہیں تھی تو وہ اپنے چھ ماہ کے بہان (گھوڑی کے بچے) پر زین ڈالتا ہے:

ترجمہ:

ہم نے شش ماہ کے اسپ بچے کو سنگھار کیا
اس پر زین کس کے رکھا
اُس کے اوپر نزاکت سے سوار ہوا

میں نے کرامتوں بھرے چاکر کا نام لیا
(کہ اے چاکر!) اِسے آ ہنی پیَر عطا کر
اسے پرندوں جیسے زریں پر عطا کر
میں گھروں سے پرے ہو کر چلا
مُشک عطر والے سحاق کے ڈیرے سے دور

بیورغ ملاہ پہاڑ سے روانہ ہوا۔ وہ اُسی اسپ بچہ پر شوران وسنی کے علاقے آ گیا۔ راستے میں سحاق رند کا گھر آتا تھا۔

ترجمہ:

مُشک والا سحاق جاگ گیا
پکار کر مجھے بلالیا
''تمہاری تیز رفتار گھوڑی کہاں ہے
کہ تم نے چھ ماہ کے اسپ بچے پر زین ڈالا''

واقعی یہ تھی بھی تشویش کی بات۔ مالدار و دولت مند بیورغ کسی ہنگامی حالت کے تحت ہی جو سواری سامنے آئی لے کر نکلا ہوگا۔ اس لیے مضطرب ہونا تو قدرتی بات تھی۔ سوال کے جواب میں بیورغ کیا بہانہ بناتا۔ عاشق، عاشق کا ہمراز ہوتا ہے۔ لہٰذا تکلف کیسا؟۔ چنانچہ:

ترجمہ:

میں نے سحاق کو جواب دیا
میری دور نشیں کا پیغام آیا
شب خون کی طرح اِمشب ہی چلے آؤ

اسحاق نے بیورغ کو اسپ بچہ کی سواری سے منع کیا، کہ شریف آدمی! سبی کی گرمی میں یہ نازک بچہ کہاں اتنی مسافت طے کر سکتا ہے؟۔ کہیں گر کر مر جائے گا اور تمہیں بھی پیا

سامار دے گا۔ لہٰذ میری مہری لے جاؤ:

ترجمہ:

مُشک بار سحاق بولا
سبی دُور، اور دن ہیں گرم
صحرا میں تمہیں پیاس لگ جائے گی
تمہاری سواری کو لُو لگ جائے گی
طویل ہے ندی نالوں والا صحرا
یہ، نازک گھوڑوں کے بس کی بات نہیں
رک جاؤ اور کڑزی نامی میری مہری لے جاؤ
تمہاری گھوڑی یہاں سائے میں بندھی رہے گی

ظاہر ہے جب جوان نے جوان کو اپنے دل کا راز بتلایا تو پھر اُس کا قابلِ قبول مشورہ بھی ماننا پڑے گا اور اُس کی امداد کی پیشکش بھی قبول کرنا ہو گی۔ عاشق، عاشقوں کے کام آتے ہیں بھئی!! خصوصاً عشق کے معاملات میں، وصال کے مواقع پر۔

چنانچہ:

ترجمہ:

ہم ایک سجے ہوئے خیمے میں بیٹھ گئے
اس نے مونڈر نامی جت کو بھیجا
اُس نے اونٹ پہ پا کڑہ باندھ لیا
ہشت رنگی مہار لگا دیا
سرداری جیسی جگہ بنا لی
میں اُس پہ مہذب انداز میں بیٹھ گیا

میں نے کڑآزی کی باگیں سنبھالیں
دور دراز کی منزلیں پھلانگتا ہوا
مہری بارش کے بعد والی زمین پہ خمدار ہوتے ہوئے
مشکاف کے علاقے سے گزرتا ہوں
سرسبز بیلو اور نور واہ ہوتے ہوئے
جتّوں کے مقیمی علاقے تک آیا

یہاں تو ایک میلہ لگا ہوا تھا۔ شتربان (جت) بہت رنگین طبع لوگ ہوتے ہیں۔ اُن کی غربت اور سادہ زندگی میں ہمہ وقت طرب وانبساط کی خوشبو موجود ہوتی ہے۔ منظرنامہ دیکھیے:

ترجمہ:

وہاں عیسیٰ کے نڑ کی لَے ہے
حسینائیں گا رہی تھیں، رقص کر رہی تھیں
شام کا پہلا پہر گزرا
میں نے طاہر نامی جت کو بلوالیا
جو اُن گھروں کا بھیدی ہے
جن میں حسیں چال والی میری محبوبہ رہتی ہے
میں نے اس طاہر کو بھیجا
اور وہ میری محبوبہ کو لے آیا

دو پیاسی ارواح رکھنے والے محبوبوں کے وصال کے مناظر کا تصور تو وہی کرسکتا ہے جو اِس شاہراہ کا راہی رہا ہو...... قرنوں کی چاہتوں کی بغلگیری، ہجر و وصال کی سرحد کے آنسو، ہچکیاں..... مگر یہاں تو ایسا کچھ بھی نہ ہوا۔ محبوبہ نہ بیورغ کو خوش آمدید کہتی ہے، نہ اُس سے فراق کے جہنمی زمانے کے دکھوں پہ آنسو بہاتی ہے اور نہ اِس ملن پہ عیدِ سعید کا کوئی اظہار

یا حرکت کرتی ہے۔ وہ تو ایک اور حسین، اور آرٹسٹک کام کرتی ہے۔ وہ بیورغ کے بجائے سحاق کے اونٹ کے پاس جاتی ہے، اور اُس سے گویا ہوتی ہے:

ترجمہ:

سحاق کی مہری خوش آمدید
کہ تم نے بیورغ کو مجھ تک پہنچایا
بیورغ تو میرا جام محبوب ہے

یہ لفظ "جام" بلوچی کلاسیکل ادب میں دو تین بار ہی استعمال ہوا ہے مگر جس بھرپور انداز میں یہ لفظ کہا گیا اس کا ترجمہ کرنا بہت مشکل ہے۔ ایک جوانمرد بلوچ میں جو جو صفات ہونی چاہئیں اور محبوب کی محبت میں جتنی گہرائی و گیرائی ممکن ہے، اُن سب کا اظہار، یہ ایک لفظ کرتا ہے۔ بہر حال اِس کے معانی کسی ہم سے زیادہ دل جلے سے پوچھ لینا۔ ہم بیورغ اور محبوبہ کے وصل کی بات جاری رکھتے ہیں:

ترجمہ:

میں نے رات کے تین پہر وہاں گزارے
پھر میں نے رخصت چاہی
اجازت خوشی سے نہیں ملتی
صبح صادق ہو چکی ہوتی ہے
چکی پیسنے کی صداؤں سے بستی گونج رہی ہوتی ہے
میں نے مہری کو ایڑھ لگائی
اٹھ جائے سحاق کی مہری
تمہیں لال جیسی محبوبہ کی سرخی نے سایہ کیے رکھا
محبوبہ کی بھیڑوں بکریوں نے

میں نے کڑزی کی مہار سنبھال لی
دوردراز مسافتیں طے کرنے لگا
مہری بارش کے بعد والے راستے پر خمدار ہوتی رہی
دن اچھا خاصا چڑھا تو اس نے مجھے پہنچا دیا
مُشک کے مالک سحاق کی بستی میں

اِدھر نطق و بیان کا مالک، اور سماج و سماجیات کا ترجمان بلوچی کلاسیک، اچانک ایک خوب صورت موڑ دے جاتا ہے پوری کہانی میں۔آپ عش عش کر اٹھیں گے:

ترجمہ:

ڈائن جیسی بڑھیا گھومتی پھرتی آئی
مُشک بار سحاق سے پوچھتی ہے
تمہاری مہری لنگڑا رہی ہے
اس کے چارے کے بچے ہوئے حصے پر جھاگ پڑا ہوا ہے
اس کی ہشت رنگی مہار گیلی ہے
اس نے تو کوہِ مارانی کا سفر کیا ہے
شاریؔ اور شلیؔ کے وصل کے لیے!!

ہائے رقابت، ہائے شک۔ ہائے تبصرہ، ہائے بے دردی۔اور یہ شک جائز بھی تھا کہ اُس زمانے میں ہر نوجوان کی ایک سے زیادہ محبوبائیں ہوا کرتی تھیں۔البتہ یہاں معاملہ اور تھا۔ یہاں تو دو عاشق نوجوانوں کے بیچ امدادِ باہمی کا نازک عمل ہو گیا تھا۔سحاق نے نہ صرف اپنی صفائی پیش کی بلکہ سچ بات بھی اُسے بتادی، بس ذرا سا گھما پھرا کے۔جاگیرداری معاشروں میں عشق کے قصے کبھی مکمل اور بغیر ترمیم کے نہیں ہوتے۔حجاب کے موڑ مڑنے پڑتے ہیں، اقدار کی پاسداری میں بہت سے ٹکڑے حذف کرنے پڑتے ہیں، رواج کئی لعاب

آور حرکات پہ خامشی کی تاریکی مسلط کرتا ہے۔ اس لیے سوچیے بھی مت کہ عشق و عاشقی کے رازوں کے بارے میں سچ ممکن ہے۔ ارے ناممکن تھا، ناممکن ہے، اور ناممکن رہے گا۔

ترجمہ:

مُشک بار سحاق جواب دیتا ہے
مجھ سے یہ بیورغ لے گیا
وہ مجھ سے بغیر اجازت لے گیا
ایک گم شدہ اونٹ ڈھونڈنے
وہ اسے پرسوں لے گیا آج لے آیا

مگر، ذرا سوچیے کہ وہ جہاں دیدہ بڑھیا بے تجربہ تو نہ تھی۔ وہ معاملے کی تہہ تک پہنچی مگر وہ ایک ایسی زبردست بات کہہ گئی جو ایک ضرب المثل بننے کے قابل ہے۔ پتہ نہیں کیوں اب تک دانشوروں کا خیال اس جانب نہ گیا۔ اقوالِ زریں کے باب میں شامل کیے جانے کے قابل، وہ فقرہ یوں ہے: ''حکمران اگر اپنے گم شدہ اونٹ کی تلاش میں ہی سرگرداں رہے تو عوام الناس کا، حکمرانی کا، گورننس کا کیا بنے گا؟''۔

بولی:

ترجمہ:

اب بھلا وہ شخص کیا سرداری چلا سکے گا
جو گم شدہ اُشتریں ڈھونڈتا پھرتا ہے

****

مھرئے موتک

کلاسیکل شاعری میں صدّو نام کی بیورغ کی ایک اور محبوبہ کا تذکرہ بھی ہوتا ہے۔ وہ اِس کی اچانک بیماری اور موت کی خبر سنتا ہے، اُسی اسحاق سے جس نے اس کی ایک اور عشقیہ داستان میں اُس کی نحیف وکمسن سواری (اسپ بچہ) پر اعتراض کر کے اُسے اپنی مہری دی تھی:

ترجمہ:

کل میں اپنی راہ چل رہا تھا
شکار کی راہ پر
جب میں کافی دور آیا
تو معطر سحاق سے مدبھیڑ ہوئی
میں آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا
اور سحاق بھی
ہم نے دل کا درد ایک خشک میوے کے مغز کو چبا کر توڑ دیا
اور میری گھوڑی گوّر کا نامی گھاس چرنے لگی
ہم نے بلوچی حال حوال کیا
حال پہلے سحاق نے دیا
اس نے "سانپ کاٹے دل" سے حال دیا
اور تو تمہارا سارا اڑوس پڑوس ٹھیک ہے
مگر تمہاری ماہ رنگ صدّو سخت بیمار ہے
دردِ زہ میں بیمار ہے
اس کے گھنے بالوں والے سر میں درد ابھرا

حیران کن متاثر کرنے کے بیانیے میں کلاسیک ہمیں بتاتا ہے کہ اِس خبر سے بیورغ پہ کیا گزری؟:

ترجمہ :

میں نے جلی ہوئی روح سے دُہائی دی
کاش تم نہ آتے، کاش ہم نہ ملتے

جی، نزاکت ولطافت کی آخری سرحدوں کو چھوتی ہے بلوچی قدیم شاعری۔ ''کاش تم نہ آتے، کاش ہم نہ ملتے!''۔ میرا دل کرتا ہے کہ انہی دو مصرعوں کو کلائمکس بنا کر قصہ ختم کر دوں۔ مگر قصہ ختم کرنا ہمارے بس میں تھوڑا ہوتا ہے۔ آگے بڑھتے ہیں، اس ضمانت کے ساتھ کہ علم و ادب کی کئی لطیف ترین ٹکڑیاں ابھی ہماری منتظر ہوں گی۔ بیورغ اس خبر پر:

ترجمہ:

مجھے سرتا پیر جیسے آگ لگی ہو
میرا سینہ اور سیاہ جگر پگھل پگھل گئے
میں نے اپنے گائیوں کے رم سے ساٹھ گائیاں پیر کے نام ذبح کرنے کی منت مانی
بھیڑوں کے ریوڑ سے سرخ کانوں والے مینڈھے
ایک ہی لمحے میں سارا ریوڑ پیر کے نام کر دیا
اپنی سیاہ گھوڑی مع اُس کے موچی دوزیدہ سارے سجنوں کے
اپنی تلوار مع اس کے دلّی میں چمڑہ سازی شدہ بیلٹوں کے ساتھ
کارچ اور کٹار مع اُن کے خراسانی میانوں کے
میں اپنی ایک لونڈی آزاد کر دوں گا
اگر میری محبوبہ تندرست ہو جائے
میری خوشبو اِس سخت بیماری سے ٹھیک ہو جائے

دل پھر بھی ٹھنڈا نہ ہوا۔ بے چینی ، اور بے انت غم چولیں مار مار کر اُس کے وابستگی بھرے دل سے ٹکراتے رہے۔ تب:

ترجمہ:

میں جب خیموں کے پاس پہنچا
میں آبادی کے پچھواڑے بیٹھ گیا
جلد ہی وہاں سے آہ وزاری ابھری
حسینہ کو گھر سے باہر لائے
لعل صذو آخری رسومات کے لیے روانہ ہوئی
جتوں کی لعل لڑکیاں جمع ہیں
اس کی سیاہ گُندھی زلفیں اَن گندھی نیچے لٹک رہی ہیں
اس کی کونج جیسی لمبی گردن سے حس نامی زیور اتار دیا گیا
سلائی جیسی ستواں ناک سے سونے کی پلوہ
خوب دیکھ بھال کیے گئے کان کے بندے
مخروطی انگلیوں سے مندریاں
روتی ہے ماں، روتی ہے ساس
روتا ہے خاوند اپنی چھدری بدصورت داڑھی کے ساتھ

میں اب آپ کی روانی کو اِس طرف مبذول کر کے کیوں توڑوں کہ غم کی اِس اوقیانوسی گہرائی میں پھڑ پھڑاتا عاشق یہاں بھی اپنے رقیب (محبوبہ کے خاوند) کی چھدری بدصورت داڑھی کو بیان کرنا نہ بھولا۔ آگے چلیں۔

شاعر محبوبہ کے اِن عزیزوں رشتہ داروں کے رونے کا تذکرہ کرتے کرتے کلائمیکس یوں کرتا ہے:

ترجمہ:

ہم بھی گُنگ بادلوں کی طرح برسے

اپنے دشمنوں سے چہرہ چھپاتے ہوئے

آنسو میری مونچھوں اور داڑھی پر ژالوں کی طرح گرتے رہے

مونچھوں پر اور سُمبل بو داڑھی پہ

سو، فیونرل، آخری رسومات:

ترجمہ:

میری محبوبہ آخری آرام گاہ رواں ہو گئی

میں دُور سے پیچھے پیچھے چلتا رہا

اور پھر؛

ترجمہ:

(میں) اپنے دل کو منتیں کر کے وہاں سے واپس پلٹا!

****

بیورغ وگراں ناز

Bevragh O Granaz

بیورغ وگراں ناز کی داستانِ مہر بلوچی ادب وثقافت کی حسین ترین داستانوں میں سے ایک ہے۔ یہ داستان آج تک نہ تو سیاسی مصلحتوں کے تحت دبائی جاسکی، نہ نام نہاد میدانی علاقوں کے فیوڈل کلچر کی' پاکیزگی' کی ملیچھ چھینٹیں اسے گہنا سکیں اور نہ ہی نئی نسل کے اپنی تہذیب وثقافت سے ناآشنائی اِسے دلوں سے دُھلا سکی۔

پندرہویں صدی کے اواخر اور سولہویں صدی کی پہلی دہائی میں ہرات کے ترک مرزا حسین کی بادشاہت تھی۔ قندھار میں اُس کا والی (گورنر) تھا شجاع الدین ذوالنوں بیگ۔ گراناز، قندھار کے اس ارغون کی صاحبزادی تھی اور بیورغ اُس کے باپ کی قید میں پڑا قیدی۔ یہ غالباً 1495 کا سال تھا۔

اس مہر یہ داستان میں بلوچ ثقافت کی جان ہے۔اس کا ہر ہر موڑ ہماری نفسیاتی ساخت کی سفارت کاری کرتا ہے۔اور میر عبدالرحمن غور کی یہ بات سوفیصد درست ہے کہ "بیورغ وگراناز کی محبت پر مشتمل یہ طویل شعر کے اندر ڈرامہ کے رنگ اس قدر ظاہر ہیں کہ اسے بہت اچھی طرح سٹیج پر پیش کیا جاسکتا ہے"۔

آیئے، قندھار کی جیل میں پڑے بیورغ کے تعارفی اشعار والے اوپننگ سین سے شروع کرتے ہیں:

ترجمہ:

قندھار شہر نہیں شیر کی کچھار ہے

یہ بادشاہوں کا دارالخلافہ ہے

میں میر چاکر کے کرتوتوں کا شکار ہو گیا
میرا سرحاکمی جیلوں میں پڑ گیا
بادشاہوں کی جیلیں، زنجیریں
ترکوں کی تعمیر کردہ جیل خانے میں
حکمرانوں کے دھکے اور جھڑکیاں ہیں

منظر نامہ آپ کے سامنے آ گیا۔ پرائے شہر کی پرائی جیل میں بلوچ اشرافیہ کے اس معزز فرد کی موجودگی سے پریشان نہ ہوں۔ اُس کے ماموں میر چاکر کی کوئی نہ کوئی شرارت بہرحال موجود تھی بیورغ کے قید کرنے میں۔ کہتے ہیں کہ اُس نے اپنے بھانجے بیورغ کی اصلاح، گوشمالی، یا پھر کسی قبائلی جنگ میں اُس کے قتل کیے جانے کے خدشے کے تحت قندہار کے گورنر سے اپنے قاصد کے بطور بھیجے ہوئے بیورغ کو جیل میں رکھنے کی فرمائش کی تھی۔ بس اِس بات کا اضافہ میری طرف سے کہ شاہی محل اسی قید خانے سے متصل ہے، جس میں وہ شہزادی رہتی ہے۔ شاہزادیاں ویسے ہی خوب صورت ہوتی ہیں مگر عشق سے منسوب شاہزادیاں تو پریوں سے بڑھ کر حسین و نازک و پُر ادا ہوتی ہیں۔ اُس کے حسن کی توصیف کے لیے میرا قلم نہیں بیورغ کی آنکھیں نمائندہ اور مناسب رہیں گی۔ قیدی کی نظر شاہزادی پر پڑتی ہے تو اُس کی تو روح قبض ہو جاتی ہے۔ ہوش و حواس کا منہ کھلے کا کھلا رہ جاتا ہے۔ وہ اس تجلی کو یوں بیان کرتا ہے:

ترجمہ:

میں نے سیاہ سانپ جیسی زلفوں والی لڑکی دیکھی
اُس کی رہائش گاہ امیر کی اوپری منزل پہ ہے
ایسی، جسے مجھ سے لوگ دیکھنے کی تمنا میں ہوتے ہیں
لڑکوں سے لے کر پیر مرد اُسے دیکھنے میں ناکام

غیر وطن کی اس قید میں پڑا ایک بلوچ کیا کرے گا۔ نہ اخبار، نہ لائبریری، نہ حق نہ

حقوق، اور نہ جیل مینوئیل۔ ایک بے انت سیاہ یکسانیت۔ عمیق ترین تنہائی۔ وطن کی یادیں نوکیلے پتھروں کی طرح روح کو زخمی کرتی جاتی ہیں۔ یہ قیدی رات کو ہجر کے گیت گاتا ہے:

ترجمہ:

میں رات کو بلند آواز میں گاتا ہوں
مغلوں کے جیل میں
(کہ) خدا کرے رات مریضوں کے لیے نہ آئے
اور دن قید میں بند مردوں کے لیے

یہ شعر باقاعدہ ایک ضرب المثل کے بطور آج تک استعمال ہوتا ہے۔ رات کی طوالت اجڑی روحوں، مہربان دلوں اور تخلیقی اذہان کو مہمیز دیتی جاتی ہے۔ بیورغ آہ وفریاد بھرے ہجر وجدائی کے نغمے گاتا ہے۔ پُرسوز گیت !!۔ فراق کی ایسی دلخراش خوش گلوئی میں وہ پڑوسی دوشیزہ بھلا کیا سو پائے گی۔

ترجمہ:

تڑپتی ہیں ترک عورتیں راتوں کو
آدھی راتوں میں درد بھرے گانے جو گاتا ہوں
دوشیزاؤں کو نیند نہیں آتی
وہ سانپ کی طرح بل کھاتی رہتی ہیں
بخار میں پڑے مریض کی طرح آہیں بھرتی ہیں
محل کی دوشیزائیں ہڑبڑا کر جاگ جاتی ہیں
سر پر باندھنے والی اپنی ریشمی پیٹیوں اور بلند ابروؤں کے ساتھ
وہ میرا خوبصورت قد کاٹھ دیکھتی ہیں
(تو کہتی ہیں) بیورغ تمھیں اپنا حسن نصیب ہو

شہزادی اِس پُر سوز اور مقناطیسی کشش رکھنے والی خوش الحانی پہ مرمٹتی ہے۔ بھر پور جوانی اور بیورغ جیسی وجاہت میں لپٹی خوش الحانی سے تو انسانی وصف جاگ جاتے ہیں، اس سے تو محبت وجود میں آتی ہے۔۔۔ چنانچہ کچھ اشاراتی مذاکرات ہوتے ہیں۔ مُشتاق آنکھوں کے سگنلز کو مخاطب آنکھیں ڈی کوڈ کرتی ہیں۔ اور جوابی سگنل رضامندی و اثبات کے ہوتے ہیں۔ آنکھیں وعدے لیتی ہیں، آنکھیں وعدے کرتی ہیں۔ وعدوں کے ضامن دل بن جاتے ہیں۔۔۔۔۔ دل جو پیرومرشد ہیں، ولی و اولیا ہیں، سنت سادھو ہیں۔ اور بالآخر اس خوش گلوئی کی جگائی ہوئی محبت قیدی کے لیے سفارش بن جاتی ہے؛:

ترجمہ:

خوب صورت رانی نے درخواست کی
اپنے شفیق والد اور بھائیوں سے
یہ کون شخص ہے تمہاری قید میں
اس بلوچ قیدی کو رہا کردو
یہ نیم شب کو ایسی فریادیں گاتا ہے
کہ ہمیں نیند کی شادمانیوں سے نکال دیتا ہے

دس ہزار وجوہات اور ارمانوں میں ملفوف یہ سفارش منظور، حکم جاری اور ہمارا قیدی

بیورغ:

ترجمہ:

اُس محل مالکن کی درخواست پر
میری جان چھُٹی حاکمی جیل سے

مگر یہ قیدی تو بیورغ ہے، عام آدمی نہیں ہے۔ سبی کے رہائشی امیرزادے نے

قندہار میں ریشمی لہراتی زلفیں دیکھی تھیں۔ ایسی بے نظیر حسینہ دیکھ
پھنس کر رہ گیا تھا۔ دل کے بنا انسان کیا ہے، بس ایک کھوکھلا ڈھانچہ۔ ذات کی تکمیل کے لیے، خود کے ٹکڑے اکٹھا کر کے سالم بیورغ بننے کے لیے اس کے لیے لازم ہو گیا تھا کہ وہ اپنا دل واپس حاصل کر لے، اُس زلفوں والی سمیت سالم بیورغ، آدھا بیورغ بنے کیسے بس واپس جاتا؟۔ وہ بھلا اُس کو حاصل، یا پھر اپنا سر دیے بغیر واپس بلوچستان کیسے جاتا؟۔ لمبی زلفیں عہد اور قول کے مُہر لگ جانے سے بیورغ کا شان بن چکی تھیں۔ قول کون توڑ سکتا ہے، عہد شکنی کون کر سکتا ہے؟۔ اُس ماہ رُخ کے باندی دل کی آہیں کون اٹھا سکتا ہے۔ اپنی زبان محلات کی راہداریوں میں کون رہن رہنے دیتا ہے؟۔ ایک آزاد روح کو قیدی بنا کر بیورغ نے اُسے محبت اور وصل نامی حتمی آزادی بھی تو دینی تھی۔ وفا تو تابِ زمانہ ہوتی ہے، ہمیشہ تازہ دم، ہمہ وقت سرسبز۔ 'وفا باسی نہیں ہوتی'۔ لہٰذا گراں ناز کا حصول زندگانی کے ایجنڈے کا اولین نکتہ بنا۔ وہ سیدھا شہر کے لوہار کے پاس جاتا ہے اور تین چار لوہے کی لمبی میخیں بنواتا ہے، کیسی میخیں؟۔۔۔

ترجمہ:

میخیں لوہار نے بنا کر دیں
گھوڑی میں نے محل کے نیچے باندھ لی
کھردرے جو کا ایک کاسہ اسے کھانے کو دیا
اناج کھاؤ اور خاطر جمع رکھو

اب آپ مٹی گارے کے بنے قلعے (محل) کے نیچے چڑھنے کی تیاری سے لے کر محل پہ کامیابی سے چڑھنے تک کے پورے عمل کو شاعری میں دیکھیے۔ سب سے پہلا مرحلہ محل پر چڑھنے کا ہے۔ بیورغ اس منظر نامے اور اس کے پس منظر میں موجود وہاں کی سیاسی ثقافتی زندگی اور اقدار کی تفصیل کو کس خوبصورتی سے بیان کرتا ہے؛

ترجمہ:

جونہی میں محل کے نیچے پہنچ گیا
مجھے پہرے داروں نے پکڑ لیا
میرا ہاتھ بھری ہوئی جیبوں میں چلا گیا
تین چار سونے کی اشرفیاں نکالیں
محبوبہ کے پہریداروں کو دے دیے
اُن کو پیسوں سے راضی کر لیا
وہ پیسے لیتے ہیں اور آنکھیں جھکا دیتے ہیں

ایسا خوب صورت ہے ہمارا کلاسیک۔ اور یہ شاعری آج تک زندہ ہی اس لیے ہے کہ اس میں بلا کی حقیقت پسندی کے ساتھ ایسی آفاقیت ہے کہ عالمگیر حقائق کئی صدیوں تک اُسی طرح ثابت و سالم ہیں۔ کلاسیک ہر دور میں موجود حقیقتوں کا بیانیہ ہے۔ وجہ شاید یہ بھی ہے کہ ہمارا سماج ابھی تک پیداواری رشتوں کے اعتبار سے وہیں فیوڈل ازم میں جی رہا ہے۔ اور اس بیانیہ میں بلا کی رنگینی اور تنوع ہے۔ یہ استعاروں کے جگمگاتے ستاروں بھری شاعری ہے۔ سادہ، زود ہضم اور دل کو لگنے والی شاعری۔ بس ذرا استعجاب کے ساتھ غور کریں کہ پندرہویں سولہویں صدی میں رشوت!!۔

بیورغ ایک ایک بڑی میخ دیوار پر ٹھونکتا ہوا اوپر چڑھتا جاتا ہے۔ آپ اِس شف کیٹر (شب خون مارنے) کی ہم آہنگ حرکات کو موسیقی بھری شاعری میں دیکھیے:

ترجمہ:

میں لوہے کی اِن میخوں سے چمٹ چمٹ کر
محل کے اوپر چڑھتا گیا
چتکبرے سانپ کی طرح لہراتا ہوا

بکرے کے سینگوں کی طرح بل کھاتا ہوا

زامرنامی بیل کی طرح پیچ کھاتا ہوا

یار اِس میں سسپنس ہونا بھی تو ضروری ہے۔ یک رنگی تو یکسانیت پیدا کرتی ہے۔ ''اچانک'' سے واسطہ تو پڑنا ہے ہمارا۔ چنانچہ:

ترجمہ:

اور جس وقت میں محل کے درمیان تک پہنچا

میرے سر کو تیز ہوا کے بگولوں نے آن لیا

میرے جسم پر ناچتے عامل کی طرح لرزہ طاری ہو گیا

میں نے خیالات کو ڈانٹ پلائی

خبردار میرے بہادر سر، چکرانا نہیں

لرز جانے سے تم بازی ہار جاؤ گے

جی، جدو جہد میں غلطان وغرقان روحوں کے لیے پند اور راہنمائی۔ بھئی، دل و دماغ کو بولو کہ کانپیں نہ۔ کہ گوں لڑزغہ بالا ذہ برائینے۔ دلجم ومحکم، مصمم و پیہم۔ منزل ومحبوبہ کانپتے لرزتے دلوں کی قسمت میں نہیں ہوتے۔ لمحہ بہ لمحہ ایمان سنبھالتے ہوئے، دل و دماغ کو بھرپور انداز میں شامل کرتے ہوئے، نگاہیں منزل پہ ٹکاتے ہوئے، پاؤں اُسی جانب بڑھاتے ہوئے چلنا ہے، چلتے رہنا ہے۔

خود کو دلاسے تسلیاں دے دے کر، خود کو جھڑکیاں دے دے کر بیورغ بال آخر محل کی اوپری منزل تک پہنچ جاتا ہے۔ میرے قلم میں طاقت ہوتی تو آگے کے منظر نامے کو بیان کر کے بلوچ کلاسیک کا حق ادا کرتا۔ مگر نہیں، میں ایمان کو حاضر ناظر جان کر اعلان کرتا ہوں کہ میں بیورغ سے زیادہ اثر دار تحریر نہیں لکھ سکتا۔ بیورغ سے بڑا ڈرامہ نگار بلوچی زبان میں آج تک پیدا نہ ہوا۔ اُس شخص کا کمال یہ ہے کہ وہ آپ کو ڈرامے کے ہر سین میں اپنے ساتھ

رکھتا ہے۔ جیسے آپ خود وہ منظر دیکھ رہے ہوں۔ کیا صورت گری ہے، کیا منظر نگاری ہے۔ میں تو اس ڈرامہ نگار کا محض مترجم (اور یہ کوئی چھوٹا مقام تو نہیں!) بن سکتا ہوں:

ترجمہ:

جب میں محل کی اوپری منزل پر پہنچا
میرے شیر جیسے قدموں کی تھراہٹ سے
وہ زنجیرِ زلف محبوبہ بدک گئی
اس نے مخملیں بستر والی چارپائی چھوڑ دی
ایک چادر میں دور کھڑی کانپتی ہے
دور لرزتی ہے اور مجھ سے پوچھتی ہے
"تم کون ہو مجھ تک آنے والے
یا تو چرواہے ہو یا کسان ہو
یا پھر منمناتے بڑبڑاتے پاگلوں میں سے ہو
اے لاابالی بلوچ نوجوان
تمہاری تمہیں تقدیر کھینچ کر یہاں لائی ہے
مجھ پہ چوکیدار چارتھوں میں پھرتے ہیں
دیکھنا وہ تمہارا ضدی سر اڑا دیں گے
اور لے جا کر چوک پر لٹکا دیں گے
تا کہ کل صبح دوست دشمن دیکھ لیں

وکیل و بلیغ اور کلام کا ماہر بیورغ اُس شہزادی کو اُس کے سوالات کا تفصیلی جواب دیتا ہے۔ وہ اُسے اپنے بارے میں بتاتا ہے، اپنے علاقے کے بارے میں بتاتا ہے:

ترجمہ:

نہ میں چرواہا ہوں اور نہ کسان ہوں

نہ میں منمناتا ہوا پاگل ہوں

میں اُن بھوکوں ننگوں سے نہیں ہوں

جو خنجر نکال کر بھیڑ پر حملہ کرتے ہیں

کچا کچا دنبے کی چکی نگل جاتے ہیں

مں تو نصف بسی کا مالک ہوں

میں وہ بہادر بیورغ ہوں

باہر کا سنہرا بیٹا

میں نے محل کے نیچے سے تمہیں قول دیا تھا

میں تو اپنا قول نبھانے آیا ہوں

میری بڑی قوم ہے، رند جس کا نام ہے

چاکر ہے اور ایرانی گھوڑے ہیں

کون میرے ہٹ دھرم سر کو کاٹ سکے گا

اور لے کر جا کر چوک پر لٹکا سکے گا

اب کیا گنجائش رہ گئی بحث مباحثے کی۔ وطن سے دور وطن دوست کی آہ وزاری اور یادوں کی پر درد آواز کی دنیا کے دوست تھے وہ۔ اس قدر ناشناس کب تھے وہ؟۔ شہزادی، بیورغ کو ہر لحاظ سے ایک مکمل نوجوان وجواں مرد پاتی ہے۔ اجڑے ہوئے دل بغیر اگر مگر کے جُڑ گئے۔ تاب لاسکو تو آگے سنو!:

ترجمہ:

پھر سفید چادر اور دوپٹہ آپس میں گھل مل جاتے ہیں
بڑی مونچھیں ہونٹ پیتی ہیں
دونوں محبت بھرے دل سیراب ہوتے ہیں
مروارد بھرے منہ سے میں نے مزے لیے
بھڑ جیسی پتلی کمر سے کم
اور پستانوں اور ہار سے زیادہ تر
میں اچھی انسان سے خوب لطف اندوز ہوا

مردانہ چادر اور زنانہ چُنری کا گھل مل جانا کیسی ترکیب ہے، کیسا استعارہ ہے؟۔ بڑی بڑی مونچھوں کا ہونٹ پینا کبھی سنا ہے؟۔ کمر کی بھِڑ کی کمر جیسی پتلائی!۔۔۔۔۔ زبان واحساسات کا ماسٹر ہے بلوچ کلاسیک۔ اگلا جنم ملے تو قول ہے، پورے کا پورا بلوچ کلاسیک پہ لگادوں گا۔

ترجمہ:

رات کے تین پہر وہاں رہا
چوتھی پہر ملّا کی بانگ کے ساتھ
وہ زیور بھرے بازو سے مجھے جگاتی ہے
اٹھ جا دوست کہ صبح ہو رہی ہے

کہانی کی روانی میں باریکیوں کو کبھی بھلایا نہیں جاتا۔ کلاسیک ہر نئے منظر کو اپنے سیاق وسباق کے ساتھ ادبی حجاب وذوق میں لپیٹ کر بیان کرتا جاتا ہے:

ترجمہ:

میں نے اجازت لی اور گھوڑی کے پاس آیا
گھوڑی (مل) تمہیں جنگل کا شیر ٹکرے کردے

تم رات کو کس قدر زور زور سے ہنہنا رہی تھیں

ہزاروں دوستوں دشمنوں بیچ

دوستو! میں نے بلوچی کلاسیک میں نے پہلی بار کسی جواں مرد کو اپنی گھوڑی کو بدعائیں دیتے دیکھا۔ نوجوان کے دو ہی تو مرگ وزند کے ساتھی ہوتے تھے: گھوڑی اور تلوار۔ انہیں جان کی طرح عزیز رکھا جاتا ہے۔ مگر آج بیورغ جیسا بہادر اپنی گھوڑی کو بددعائیں دینے والا غیر بہادری کا کام کر رہا تھا۔

مگر ایک بات یہ نوٹ کریں کہ وہ اپنے اِس ہمزاد کو اس بات پر نہیں کوس رہا تھا کہ اُس نے دشمن تک اُسے پہنچانے میں کوئی کمزوری سستی دکھائی تھی۔ یا اپنی سبک گامی میں کمی سے اپنے مالک کو شکوہ شکایت کا موقع دیا تھا۔ نہیں نہیں۔ اب گھوڑی اپنے مالک کی دوری میں اپنے جبلت کے ہاتھوں ہنہنائے بھی نہ، یہ کیسے ممکن ہے۔ بہر حال ہم نے بلوچی کلاسیک کا یہ رُخ بھی دیکھا، اولین بار، آخری بار۔

ابھی رکے رہیں۔ ہم آپ کو یہ بھی دکھاتے ہیں کہ بیورغ اپنے دوسرے دست و بازو ،یعنی تلوار کو کس طرح اور کیوں کوستا ہے۔ شاید پرتگالیوں کے خلاف لڑنے والے ہمل کے بعد بیورغ دوسرا شخص ہے جو اپنی تلوار سے گلہ مند ہے۔ ذرا دیکھیے:

ترجمہ:

میں وسیع میدانوں کی طرف نکل آیا

اے خدا زیبروں کا کوئی ریوڑ لا

اور پھر ایک طرف سے میں دوسری طرف سے زیبروں کا ایک جُھنڈ

میں نے گھوڑی اُن کے پیچھے دوڑا دی

میں نے ہوش سنبھالا اور وقت دیکھا

سورج عصر ہونے کا بتا رہا تھا

اب وہ زیبرا

تھک چکا تھا

اُس کی پشت پر پسینہ بہہ رہا تھا

میں نے نیام سے اپنی تلوار نکالی لی

اور زیبرا پہ پھینک دی

بچ نکلا وہ زیبرا

الٹا تلوار سے میری گھوڑی کا چست پیر زخمی ہو گیا

میرا دل عورتوں کی سی فکروں میں ڈوب گیا

اے تلوار! تو شالا کسی اور کی ہو جائے

تو شالا لوہاروں کی کلہاڑی بن جائے

تم شالا چرواہوں کے کندھے کی کلہاڑی بن جائے

بہر حال بیورغ چند روز تک دِن کو شکار کرنے نکلتا اور راتوں کو چوری چھپے محل میں وصلِ یار کرتا۔ پہرداروں سے چھپتے چھپاتے یا انہیں رشوت سے خرید کر۔ مگر تا بہ کئے؟۔ گراں ناز تو ساری صورت حال جانتی تھی۔ ایک بند معاشرے میں اُسے اس سارے واقعے کے سنگین نتائج کا اندازہ ہو گیا۔ ایک ہفتہ وہاں اِس حالت میں گزر چکا تھا کہ:

ترجمہ:

میں ایک ہفتہ وہاں رہا

میں مدھر چال والی دوشیزہ سے لطف اندوز ہوا

تب ایک عقل مند شہزادی نے اپنے دل کی بات بیورغ سے یوں کی:

ترجمہ:

عاقل محبوبہ بولی

اگر تم میں مردانہ جرأت ہے

تو بہتر ہے کہ مجھے اپنے علاقے لے جاؤ
(کیونکہ) اگر بادشاہ کو خبر ہوگئی
تو وہ ہم دونوں کو زندہ سلامت نہیں چھوڑے گا

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں؟۔ بھلا بیورغ میں جرأت کی کوئی کمی تھی؟۔ اس نے فوراً ہی شہزادی کو اپنی گھوڑی کی پشت پر بٹھا کر بلوچستان لے جانے کا فیصلہ کرلیا۔ وطن تو ویسے ہی یادوں کے دل کا مرکزہ ہوتا ہے:

ترجمہ:

وہیں چلتے ہیں جہاں بلوچی دیس ہے
بلوچی دیس مجھے پیارا ہے
قندہار شہر سے میں نے امیرزادی اٹھالی
اٹھا کر میں نے مل نامی گھوڑی کی پشت پر بٹھالیا
گن کر ہم نے پچاس دریا پار کیے
مجھے دشت کے علاقے میں صبح ہوگئی
ہم نے وسیع بولان کا رخ کیا

جب بیورغ اپنی نیوٹران کو لے کر سبی کے قریب پہنچا تو متفکر و دور نگاہ گراں ناز نے اُس سے پوچھا:

ترجمہ:

میں جب سبی کے علاقے پہنچا
تو فارسی زبان میں میری دوست بولی
بیورغ، بہادری کے سردار
آگے موجود اپنے لوگوں کے بارے میں مجھے بتا

کون تیرا دوست، کون ہے دشمن؟

اور کس کی فوج زیادہ اور کس کی کم ہے

بیورغ نے جواب میں تفصیل سے اپنے علاقے کے بارے میں اُسے بتایا۔ اپنے دوستوں اور دشمنوں کے بارے میں بنیادی اور ضروری معلومات اُسے دیں:

ترجمہ:

میں نے گراں ناز کو جواب دیا

چاکر میرا دوست اور گوئہرام دشمن

گراں ناز: اِن دونوں میں سے کس کے پاس زیادہ بڑی فوج ہے

بیورغ: (ترجمہ): چالیس ہزار چاکر کی سپاہ ہے

تیس ہزار میرالی بہادر ہیں

دس ہزار اور لوگ میری آواز پہ پہنچتے ہیں

تیس ہزار گوئہرام کے تیغ بکف ہیں لوگ

تب عقلمند و دانا گراں ناز، داخلی قبائلی مناقشوں سے بالاتر گراں ناز، اپنے باپ کی افواج کی تعداد قوت سے آشنا گراں ناز فیصلہ کن انداز میں اُسے صلاح دیتی ہے:

ترجمہ:

ظہر کے وقت، سہ پہر کے شمے

ہم گاجان کے بڑے شہر پہنچے

وہاں، طاقتور گوئہرام کے پاس

ناگہان و ناگماں آمد کی وجہ تو بتانی پڑتی ہے بدترین دشمن کو۔ اور بیورغ بات زبان کے نیچے چھپاتا نہیں، سیدھا سیدھا اور سادہ سادہ بیان کرتا ہے۔ قبائلی آن کے ساتھ انسانی شان کے ساتھ:

ترجمہ:

میرے پاس بادشاہی مالِ غنیمت ہے
اگر مجھے پناہ دوگے تو تمہارے پاس ٹھہروں گا
اگر پناہ نہ دوگے تو میں زیادہ پرواہ نہیں کرتا

اب ذرا دوسرے بلوچ کی اقدار پرستی دیکھیے۔ اُسے معلوم ہے کہ بیورغ اس کے دشمن قبیلے کا سب سے بہادر شخص ہے۔ اُسے نقصان پہنچانے کا ہر موقع اُسے میسر تھا۔ مگر بلوچیت، تو بلوچیت ہوتی ہے، انسانیت انسانیت ہوتی ہے۔ پناہ مانگنے والے کو کون انکار کرے؟۔ عشاق کے کام کیسے نہ آیا جائے ؟۔ رسم ورواج سے کون روگردانی کرے۔ تن ومال وعزت وجان سب قربان:

ترجمہ:

کہا گوئہرام قوی نے
خوش آمدید، میر بلوچ
اپنی محبوبہ کے ساتھ آرام وچین کے ساتھ
ہر دم تمہیں مسرت وشادمانی نصیب ہو

نہ تکلف نہ تکلیف۔ اس نے پناہ طلب کی، دوسرے نے پناہ دی۔ کوئی لکھا پڑھی نہیں، کوئی کاغذی کاروائی نہیں۔ کوئی گواہ کوئی ضامن نہیں۔ سارے شرط وشرائط بلوچ ویلیو سسٹم میں موجود ہوتے ہیں۔ پناہ دینے والے کو کیا کیا پہاڑ پار کرنے پڑیں گے اور پناہ گیر کو کیا کیا پابندیاں قبول کرنی ہونگی، یہ ساری تفصیل پہلے سے موجود ہے۔ اور ہر بالغ شخص کو اُس کا ایک ایک شق معلوم ہوتا ہے۔ سو ہر ایک فریق اتاہ ذمہ داریوں کے باوجود کمفر ٹیبل!!

عین رسم ورواج کے مطابق اُس نے بیورغ کو صرف خوش آمدید ہی نہ کہا بلکہ گوئہرام نے اُس معزز مہمان کے لیے بلوچی مہمان نوازی کے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے:

ترجمہ:

ایک محل خالی کر کے مجھے دے دیا
پلنگ اور قالین بچھائے گئے
اس نے مجھے امیرانہ جگہ دی
میرے لیے آتی ہیں بھری پراتیں پلاؤ کی
سجی اور گوشت دنبوں کے
شہد وشیر بھرے کٹورے

ظاہر ہے گوئہرام نے ایک بہادر دشمن کی عزت وخدمت میں کوئی کمی نہیں کی جو اُس کے پاس پناہ گزیں ہو کر آیا تھا۔ انواع واقسام کے خوراک کی ڈشیں صبح وشام اِس جوان مرد اور اُس کی محبوبہ کی خدمت میں۔ مگر ترک دوشیزہ گراں ناز ششدر وحیران، کہ بیورغ کھانا نہ خود کھاتا تھا، اور نہ اُسے کھانے دیتا تھا۔ بس، سب کچھ بن کھائے محل کے نیچے گرا دیتا تھا اور کچھ تھال کے پیندے میں چھوڑ دیتا تھا:

ترجمہ:

نہ میں کھاتا تھا نہ میری محبوبہ کھاتی تھی
ہم آدھا حصہ پھینکتے محل کے نیچے
کچھ برتنوں میں چھوڑ دیتے
زیادہ ترانبار کے نیچے ڈالتے

ترک شہزادی کی ساری فراست وعقل مندی اپنی جگہ، مگر بیورغ کے لیے بلوچ روایتوں میں سے حسین ترین باتوں کی پیروی تو شان ووقار کا درجہ رکھتی تھی۔ گراں ناز کی دلچسپ حیرانی تو فطری بات تھی:

ترجمہ:

عاقل محبوبہ نے مجھ سے کہا

اے بیورغ، اے بہادری کے سردار

یہ تمہاری کیا کہانی ہے، یہ کیا ریت و حرکت ہے

مہمانی کی چٹائی پر بھی غصہ و دشمنی نہیں بھلاتے ہو

تب گراں ناز بات کی تہہ تک پہنچی۔ ایسی گہری اور پختہ بات کہ بلوچوں میں موجود ہے۔ قبائلی عصبیت کو محبت جیسی پاک چیز بھی دھو نہیں سکتی۔ بیورغ نے اپنی محبوبہ کے سامنے وضاحت جو کردی:

ترجمہ:

ہم نے خمارِ چشم کو جواب دیا

میں اور گوئہرام اصل میں دشمن ہیں

اگر میں میر گوئہرام کا کھانا اور طعام کھالوں

کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا نمک خوار ہو جاؤں

نمک حرامی تو آنکھوں سے اندھا کر دیتی ہے

اِس دوران غیبی امداد آجاتی ہے۔ بستی کا دکاندار غیر لاشاری ہوتا ہے، یعنی وہ گوئہرام کے قبیلے کا نہیں ہے۔ یعنی دشمن قبیلے کا نہیں ہے۔ وہ نسل کا میمن ہوتا ہے (پندرھویں صدی میں بلوچ معاشرہ اور میمن!!۔ ہے نا دلچسپ بات؟)۔ وہ دکاندار پیشکش کرتا ہے:

ترجمہ:

ایک میمن آتا ہے کہ میں تمہارا دوست ہوں

جو چیز چاہیے لادوں گا

بیورغ کی دشمنی تو لاشاری قبیلہ سے ہے۔ بس، اُس قبیلے کا نمک نہیں کھانا ہے۔ یہ تو غیر

لاشاری ہے، اور پھر دکاندار ہے۔ لہٰذا وہ اُس کی پیشکش قبول کرتا ہے، قیمتاً، آرڈ دیتا ہے کہ:

ترجمہ:

شکر اور شیر لادو میں نوش کروں
ململ کی تھان لاؤ کہ لباس بنالوں

میں، مکالمہ پر مبنی خوبصورت کلاسیکل شاعری میں صرف اس قدر مداخلت کروں گا کہ:

ترجمہ:

تین چار دن تک درزی مصروف رہے
سات ہزار کلدار کا مقروض ہو گیا ہوں

چھوڑیے مقروض عاشق کو، کہ ابھی عشق کے کڑے امتحان سامنے ہیں۔ حال کا منظر نامہ یوں ہے کہ، اسی دوران گوئہرام چاکر کی طرف تیز رفتار قاصد روانہ کرتا ہے اور اُسے حالات کی ساری سنگینی کی تفصیل سناتا ہے؛

ترجمہ:

گوائہرام نے قاصد بھیجا
چاکر کو خبر کر دی اس نے
چاکر دیکھو بیورغ نے گراں بار کر دیا ہے
نہ تو چلّو بھر ہے اور نہ چھوٹی سیلابی ندی
نہ یہ کسی چرواہے یا کمسن لڑکے کا بچگانہ اقدام
یہ تو دور دراز کا طوفانی سیلابی دریا ہے
جیسے سمندری لہریں غصے میں آئیں

یہ کوئی معمولی پیغام تو نہ تھا۔ ایسی اطلاع پہ ظاہر ہے رند قبیلہ نے حرکت میں آنا تھا۔

چنانچہ:

ترجمہ:

تب طلوعِ آفتاب اور ملّا کی اذان کے وقت

سیوی کے رند گھڑ سواروں کی ٹاپیں سنائی دیں

اسی اثنا میں قندہار کا فارسی بان گورنر گراں ناز کی گمشدگی کا سن کر، اور بیورغ کی دیدہ دلیری کی کھوج لگا کر اپنی فوجوں کے ساتھ بیورغ و گراناز کا پیچھا کرتا ہے۔ دن رات ایک کرتا ہوا بال آخر وہ پہنچ جاتا ہے اور پہنچ کر جنگ کے لیے خیمے گاڑتا ہے۔ اور مجرم پیش کرنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

ترجمہ:

بادشاہی فوجیں موج در موج آئیں

پرندے اُن کے نیزوں پر بیٹھتے ہیں

وہ نیند میں بھی بیورغ کا نام بڑبڑاتا ہے

''مجرم پیش کرو، یا پھر جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ!''۔ رند و لاشار بیورغ و گراں ناز تو حوالے نہیں کر سکتے تھے۔ لہٰذا جنگ!۔ اگلی صبح جنگ کا میدان سجنے کا طے ہوا۔

لیکن اگر آپ کا یہ خیال ہے کہ جنگ چھڑ جائے گی تو آپ کا خیال غلط ہے۔ اس لیے کہ ہمارا آپ کا واسطہ بہادر بیورغ سے ہے۔ جہاں دیدہ اور دیدہ ور بیورغ سے۔ وہ تفکر میں پڑ جاتا ہے کہ اب تو خوب مسلح و تیار دو افواج آمنے سامنے ہیں۔ کشتوں کے پشتے لگنے ہیں۔ کتنے لوگ موت کے منہ میں جائیں گے۔ کتنے آدم زاد زخموں اپاہجیوں اور آہوں کراہوں کا شکار ہو جائیں گے۔ دو قوموں کی جنگ میں یتیموں، بیواؤں کی تعداد لاتعداد ہو گی۔ مال مویشی قبضہ ہوں گے، زمین اغیار کے پاؤں تلے دھنسے گی۔

چنانچہ بیورغ، بلوچوں اور ترکوں کی بڑی تباہی سے نجات کا ایک ہی راستہ دیکھتا ہے۔ وہ محض ایک شخص یعنی اپنی ایک حرکت سے سینکڑوں انسانوں کا قتل اور بیوگی، یتیمی اپنی

تصور کی آنکھ سے واضح دیکھتا ہے۔ وہ بہادر، ایک مدبر وفلاسفر کے سے احساس میں ڈوب جاتا ہے۔

تب وہ ایک جوا کھیلتا ہے۔ رات گئے وہ خود تن تنہا چھپتے چھپاتے نکل جاتا ہے، دشمن افواج کے کیمپ کی جانب۔ غیر اہم اور بے محافظ راستوں سے ہوتا ہوا یہ گوریلا گورنر کے کیمپ پہنچ جاتا ہے۔ وہ ایک ایک محافظ کو اپنی تلوار سے خاموش کرتا جاتا ہے اور چھپتا چھُپاتا بالآخر امیر کے اپنے خیمے کے باہر موجود پہرے دار کو بھی قتل کرتا ہے اور خیمے میں داخل ہو جاتا ہے۔ جو ملازم بادشاہ کا جسم دبا رہا ہوتا ہے، بیورغ کمال مہارت اور استادی سے اس کا گلہ بھی کاٹ دیتا ہے۔ اور خود اُس کی جگہ لے کر بادشاہ کا جسم دبانے لگ جاتا ہے۔ یوں، کہ سوئے بادشاہ کو خبر بھی نہیں ہوتی:

ترجمہ:

میں بادشاہ کے خیمے کی طرف بڑھا
ایک بار چوکیدار حرکت میں آئے
جرم کی بات میں نے اپنے سر پر لی
میں نے خوبصورت خراسانی تلوار نکال لی
میں شاہ کے خیمے کی طرف روانہ ہوا
میں نے تلوار سونت لی
آستینیں چڑھا کر میں اس کی چارپائی پر بیٹھ گیا

ترک بادشاہ کو بیورغ سے نفرت اس قدر کہ پہلو بدلتا ہے تو بیورغ کو کوستا ہے۔ اور ہر بار بیورغ جواب دیتا ہے:

'بیورغ مناں'۔ (بیورغ میں ہوں)......

اور یوں بالآخر بادشاہ ہڑبڑا کر جاگ جاتا ہے۔ اپنے خدام اور محافظوں کی پڑی لاشیں دیکھتا ہے اور حیرت واستعجاب سے پوچھتا ہے:

ترجمہ:

گراں شرف بادشاہ جاگ گیا

تو اُس نے عظمت سے پوچھ لیا

تم کون ہوائے خوبرو نوجوان

تم کس گیابان کے شیر ہو

اور اپنی منظر نگار شاعری میں بیورغ ہمیں بتاتا ہے کہ اس نے بن جھجکے واضح انداز میں اپنے جرم کا اعتراف کیا۔ اُس حرکت کی وجہ سے کشت وخون ہونے کو ناجائز کہہ دیا۔ اور یہ کہ 'مجرم میں اکیلا شخص ہوں، معاف کردو تو منتظر ہوں، نہ کرو تو گردن حاضر۔ کشتوں کے پشتے نہیں لگنے چاہییں':

ترجمہ:

میں نے بادشاہ کو جواب دیا

میں عہد وقول کا دھنی وہی بیورغ ہوں

میرے ہاتھوں ایک خطا سرزد ہوئی ہے

میں خود آیا ہوں اگر معاف کردو گے

اگر معاف نہیں کروگے تو میں تمہارے قبضے میں ہوں

شہداد و مہناز

Shahdad O Mahnaz

یہ بہت ہی غور طلب اور دلچسپ بات ہے کہ بلوچ کلاسیکل شاعری میں جتنی بھی خواتین کا ذکر آیا ہے، مثبت انداز میں آیا ہے۔ ہانی لے لیں، گوہر لے لیں، گراناز لے لیں، حتیٰ کہ شلی کو لے لیں، سب کی سب آپ کو مثبت کردار ادا کرتی نظر آتی ہیں۔ یہ بہت ہی ممتاز حقیقت ہے۔

بلوچ کلاسیکل شاعری میں ایک خاتون کا ذکر بہت ہی احترام اور توقیر سے ہوا ہے؛ وہ خاتون مہناز ہے۔ یہ محترمہ بلوچ تاریخ میں عورت کی طرف سے ناانصاف سماج سے ٹکر لینے اور قبائلی نظام کی ناروائیوں سے مزاحمت کرنے کی علامت اور سمبل ہے۔ وہ سولہویں صدی کے بلوچوں کی قراۃ العین طاہرہ جیسی تھی۔ اس کی لازوال جدو جہد کو خوب صورت شاعری کے ذریعے امر کر دیا گیا۔ بلا شبہ قدامت پرست قبائلی نظام کے رسوم ورواج کی اندھیری کھائیوں میں روشنی کا اتنا بڑا مینار، اتنی بڑی ہیروئن وہی مہناز ہو سکتی ہے جس نے عظیم جدو جہد کے تلخ گھونٹ پیے ہوں، جس نے ایک خاموش، مفعول اور خفتہ انسان بن کر خود کو ظلم کی چکی کے حوالے نہ کیا ہو بلکہ بلند آواز سے، برملا اور بلا واسطہ اپنا دفاع کیا ہو۔ بلوچی زبان کے ماتھے پر مہناز کے متعلق شاعری ایک انمول، قیمتی اور نایاب جھلملاتا ہوا زیور ہے۔ یہ شاعری نہ صرف بلوچ کلاسیکل زمانے کی تاریخی، ثقافتی اور سماجی حالتوں کی شاہکار ترجمان ہے بلکہ یہ عورت ذات کی بڑائی، ہمت اور بہادری کا انمول نمونہ بھی ہے۔

محترمہ مہناز اپنے چچا کے بیٹے شہداد کی بیوی تھی، جسے میر چاکر کا بیٹا بتایا جاتا ہے۔ مہناز اُس کی دوسری بیوی تھی۔ مطلوب یہ ہے کہ اُس زمانے میں دو شادیاں کرنا قابلِ قبول تو

تھا مگر ہمیں اُس عہد کے کسی دوسرے شخص کی ایک سے زیِ ... ں
بیوی کی آپس میں بہت محبت تھی اور زندگی بہت حسین اور خوشگوار گزر رہی تھی۔ شہداد کا ایک لنگوٹیا دوست اومر تھا۔ دونوں ہم عمر دوست سارا سارا دن کھیل، شکار اور زمانہ بھر کی گپ شپ میں مصروف رہتے تھے۔ آس پاس کے قبائلی ماحول میں فیوڈل دیہات کے اشراف والی زندگی کی ساری ممکنہ نعمتیں انہیں میسر تھیں۔ یہ دونوں لاابالی جوان تھے۔ بھرپور زندگانی گزارنے والے بھرپور لوگ۔

اسی پرسکون پس منظر میں اچانک غلط فہمی کی قہر آلود دھند شہداد کی آنکھوں کو ڈس دیتی ہے۔ اور اسے اپنی بیگم محترمہ مہناز کی پاک دامنی پر شک ہو جاتا ہے۔ یہ جلد باز خاوند اپنی بیوی پر شبہ کر جاتا ہے کہ خدانخواستہ اُس کے تعلقات اُس کے اپنے جگری یار اومر کے ساتھ ہیں۔ وہ بغیر وجہ بتائے محترمہ مہناز کو ڈانٹتا ہے، غصہ ہوتا ہے۔ اور اسے بری طرح پٹیتا رہتا ہے۔

اس ڈنڈے ماری کا محترمہ مہناز نے بہت برا منایا۔ اُس زمانے میں شاید عورتوں کو مارنا پیٹنا اس قدر مستحسن عمل نہ ہوا ہوگا۔ اس لیے وہ احتجاج میں کہتی ہے:

لٹوں چو مستیں لیڑوا داثیں
چابک چو بارگاھئے تلیں بوراں
چابک پہ کم ذاتیں خطائی آں
گیشتر پہ ٹیھ و مولدی چُکّاں
نہ کہ پہ مہنازہ گلیں جانا

ترجمہ:

تم نے مست اونٹ کی طرح مجھے پیٹا
جیسے شہسوار گھوڑوں کو چابکیں مارتے ہیں
چابک ہوتے ہیں کم ذات لوگوں کے لیے جو گناہ کرتے ہیں

چابک تو غلام اور لونڈیوں کی اولاد کے لیے ہوتے ہیں

نہ کہ مہناز کی پھول جیسی پیٹھ پر برسانے کے لیے

آخری شعر غلام داری سماج کی موجودگی کا پتہ دیتا ہے۔ اُن سے نہ صرف گھریلو کام کاج کروانا دستور تھا بلکہ انہیں ڈنڈوں چابکوں سے مارنے کا رواج بھی موجود تھا۔

اپنی حتمی بے گناہی کے باوجود وہ اپنے محبوب خاوند کی بھسم کر دینے والی بے رخی کا شکار تھی۔ شہداد کی نفرت بھری آنکھیں، اس کا روکھا رویہ، اپنی شریکِ حیات پہ بے اعتباری کا اظہار محترمہ کے لیے جیتے جی جہنم کے عمیق ترین گڑھے کا عذاب بن گئے تھے۔ جہاں محبت ہی ساری کتاب، سارا اظہار، ساری خدائی ہوا کرتی تھی، وہاں اب نفرت کے سیاہ جھنڈے لہرا رہے تھے۔ رویوں نے رویوں کی جگہ لے لی تھی۔...... رویے، کانٹوں بھرے رویے، زہر آلود رویے، نظر انداز کر دینے والے رویے۔ زبانی اظہار کا تو، نہ محبت کی سلطنت میں گزر ہو سکتا ہے اور نہ ہی نفرت کے بے آب دشت میں۔ سلگتی تڑپتی مہناز بالآخر بات کرنے، بات سننے اور بات کی حکمرانی کے قیام کا فیصلہ کر لیتی ہے۔ گفت وشنید اور دلیل ہی شاید نفرت کی ابلیسی منحوس خصوصیت کو سات سمندر پار جلاوطن کر سکے اور اُس کی محبت کی دیوی اُسے واپس کر سکے۔...... اور اگر مذاکرات ممکن نہ ہوں تو ایک غیر مشروط معافی ہی دوستوں اور محبوبوں کا چارٹر ہوا کرتی ہے۔...... اور مہناز ہر دور کے لیے تیار۔

آیئے دونا برابر، غیر مساوی طرفین کے مذاکرات کی تفصیل اور ان کے نتائج کے بارے میں، شیریں سخن ماہناز ہی کی زبانی سنتے ہیں:

ترجمہ:

تم بھی تین چار گھبرو گھڑسواروں کے ساتھ

شکار سے واپس آ رہے تھے

میں بھی تین چار سہیلیوں، ہم جولیوں کے ساتھ

آ کر تمہارے راستے پر بیٹھ گئی

میں نے ایک ہاتھ سے تمہارے موزے چڑھے پیر (معافی کے لیے) پکڑ لیے

دوسرے ہاتھ سے مَل نامی تمہاری گھوڑی کی رنگین چمڑے والی لگام تھام لی

"مجھ سے جو بھی خطا سرزد ہوئی ہو

قادرِ مطلق کے نام پہ معاف کردو

اپنے سلطانی سر کے صدقے معاف کردو

(کہ) معاف کرنا بہت بڑے انسانوں کی صفت ہے

خصوصاً ئی کھیریوں' کی جو حتیٰ کہ سواری کی گھوڑی بھی بخشش میں دے دیتے ہیں

اب اس سے زیادہ جھکنا اور کیا ہوتا ہے؟۔ قادرِ مطلق کے نام پہ معافی مانگنا، پیروں پہ ہاتھ رکھ کر گڑگڑانا، آباؤ اجداد کے وقار کا واسطہ دے کر معافی مانگنا..... بھئی عشق کے یہی دلربا قوانین ہیں۔ اپنی ذات تو کیا اپنی انا تک کو نیست و نابود کرنا۔ ماہناز! تم پاس ہو چکی ہو۔ اب آگے ظرف شہداد کا!!

ترجمہ:

تم نے یہ نہ جانا کہ اچھی انسان ہے

تم نے ایک کافری دھکا مجھے دیا

کہ میں پشت کے بل جا گری

(اور) میری معطر زلفیں خاک آلود ہو گئیں

سر کے بال بلوچ خاتون کے تقدس کی علامت ہوتے ہیں، انہیں خاک آلود کردیا گیا۔ یہی بس نہیں، سُورِ اسرافیل تو ابھی بجنا ہے:

ترجمہ:

تم نے اپنی گراں بہا چادر کے پلُو سے
سونے کے تین چار سکے نکالے
تم نے گن کر مجھے تین طلاق دیں
تم نے یہ اپنے مسرور دل سے دے دیں
میں نے یہ ناکام دل کے ساتھ لے لیں
انہیں لے کر میں نے اپنے دوپٹے کے پلو سے باندھ لیا
(کہ کہیں) میری لاابالیوں میں گم نہ ہو جائیں

یہ تھا حتمی، منطقی اور دلخراش نتیجہ۔ سچ ہے کہ مذاکرات مساوی لوگوں کے درمیان ہی منصفانہ ہو سکتے ہیں۔ مقتدر شخص کے ساتھ مذاکرات کا نتیجہ اُسی کے فیصلے پر عمل کرنے کی واحد صورت میں نکلتا ہے۔ چنانچہ زور آور نے اپنا فیصلہ سنادیا، بہت ہی کھردرے اور بہت ہی نازیبا انداز میں۔

محترمہ مہناز اپنی یہ تذلیل واقعی زندگی بھر بھول نہ پائی۔ ایک معزز، محبوب اور باوقار بلوچ بیوی، اپنے خون، عقیدے اور وقار کی قسم کھا کر اپنی وفا کا یقین دلاتی ہے۔ وفا جو کبھی مشروط نہیں ہوتی، وفا جس کے کبھی مول نہیں لگ سکتے اور وفا جسے کبھی ناپا کبھی تولا اور کبھی گنا نہیں جاسکتا۔ اور پھر بلوچ کی وفا؟ اس کا کوئی انت، کوئی حد، کوئی سرحد اور کوئی افق نہیں ہوتا۔ اور اس اشرف المخلوقاتی لطیف، اور واحد جائیداد کی رکھوالی کرنے بلوچ عورت جس طرح لمحہ بہ لمحہ قربان ہوتی رہتی ہے، یہ اُسی کا حصہ ہے۔

محترمہ ماہناز تمام دنیاوی روایتوں اور پابندیوں کو توڑ کر اپنی سنگی سہیلیوں کے ساتھ اپنے ناراض محبوب شوہر کا راستہ روک کر اس کے دوستوں ساتھیوں کے سامنے اس کے پاؤں

پڑ کر، گڑ گڑا کر، رب کا واسطہ دے کر، نا کردہ گناہ کی معافی مانگنے

اس کا فیوڈل شوہر، بغیر تحقیق وتصدیق کیے اس پر اتنا بڑا الزام لگانے کے بعد، وہیں اس مجمعے میں سرِعام اس کو دھکے دے کر گرا دیتا ہے اور مستی کے ہوش اڑا دینے والے نشے میں بدمست، اُسے طلاق دے دیتا ہے۔ ایسے انسان کو بھول جانا یا اُس کو اُس کے کیے کی سزا نہ دینا یقیناً بڑی بزدلی ہوتی۔ اور مہناز بزدل خاتون ہرگز نہ تھی۔ اس نے مڑ کر لڑنے کا اٹل فیصلہ اپنے دوپٹے کے پلو میں باندھ لیا۔

کچھ ہی عرصہ بعد، جلد باز شہداد پر سے جب نام نہاد غیرت کے بچگانہ فیوڈل جذبات کی دُھند چھٹی اور محترمہ مہناز کے اوپر لگائے جانے والے الزامات جھوٹے لگے تو محبت کا استحقاق مجروح کرنے والا شہداد بہت پشیمان ہوا۔ اس نے خود ہی اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک، اور پرکشش مہناز کو دھکیل کر خود سے علیحدہ کر دیا تھا۔ محترمہ مہناز کی روح کی جڑیں تک خاکستر کردی تھیں۔ اب مہناز کے پاس کھونے کے لیے بچا ہی کیا تھا۔ اُس نے اُسی اومر سے شادی کرلی جس کے ساتھ اسے بدنام کیا گیا تھا۔ (اس کا یہ مطلب ہے کہ اُس زمانے میں طلاق کا رواج موجود تھا جو آج کے قبائلی دور میں نایاب ہو جاتا۔ اسی طرح عورت، یا طلاق یافتہ عورت کو دوبارہ شادی کا اختیار بھی حاصل تھا)۔

اس اقدام سے مہناز نے شہداد کی فرعونیت اور غرور کو گویا مٹی میں ملا دیا۔ اور یہ عمل اُس وقت کے بلوچ سماج کی مروج منفی قدروں اور مرد کی بالادستی کے خلاف جوابی جنگ میں چلایا جانے والا عورت کا پہلا کارتوس تھا۔ جس کے جواب میں لامحالہ سابقہ شوہر نے کھوکھلے سماجی متبرکات کو حرکت میں لانا تھا۔ چنانچہ بپھری ہوئی انا کے مالک، شہداد نے مہناز اور اومر کی شادی کو اپنے سابقہ الزام کے جائز ہونے کا ثبوت بنا ڈالا۔ اس نے کہنا شروع کر دیا کہ اومر سے شادی کر کے گویا مہناز نے خود ہی ثابت کر دیا کہ اومر کے ساتھ اس کے ناجائز تعلقات تھے۔ پشیمانی اور فیوڈل انا میں لپٹا ہوا شہداد اپنے اندر کے زخمی انسان کو یوں بیان کرتا ہے:

ترجمہ:

اے مراثی، میری رندوں والی شاعری کو
اُس ُجہاں گردٗ خاتون تک پہنچا
تم اے مہناز!، اے رندوں کی ملکہ مہناز
کھیت کے ٹوٹے ہوئے بند کی دراڑ کے درمیان میں ٹھہرے بارش کا شیریں تازہ پانی
رند قبیلہ کے چالیس ہزار گھڑ سواروں میں سے
تمہاری نگاہ لنگڑے اومر پر ہی ٹھہر گئی

انتقام دیکھیے، رقابت دیکھیے، نفرت دیکھیے:

ترجمہ:

تمہارا اومرا گر مجھے کہیں ملتا
میں اُس کے شانے کی ہڈی توڑ دیتا
(تا کہ) کرگس اور ریشو (کرگس کی ایک قسم) اس کا جگر کھاتے
گیدڑ اور لومڑ اس کی لاش نوچتے

اومر ہے کون؟ وہ کیسا لگتا ہے؟ مندرجہ ذیل اشعار پڑھیے اور عالمی ادب کنگھال کر دیکھیے کہ رقیب کو اس تذلیل کے ساتھ کسی اور نے بیان کیا ہے کیا؟

ترجمہ:

اومر پہاڑی دروں کے لگڑ بھگڑ جیسا ہے
جسے فصلوں والے کسان بھگا دیتے ہیں
اس کے ہاتھ دلیہ تیار کرنے والے لکڑی کے چمچ جیسے ہیں
پیر بچیوں کی تیار کردہ کھردری چٹائی جیسے

آنکھیں جیسے چٹان پہ پڑے گڑھے ہوں
پیٹ جیسے گھوڑے کی خرجین
سر جیسے دِلی کے ناتجربہ کار کمہاروں کی بنی ہوئی دیگ ہو
جس میں ''کروت'' ہی پکایا جاسکتا ہے
ہر صبح بکریوں کے رم کے ساتھ جاتا ہے
شاموں کو منحوس چال چلتا ہوا لوٹتا ہے
آکر اپنے لنگڑے پاؤں سے پھٹی پرانی چپلیں اتارتا ہے
اور انہیں، تمہارے خیمے کی آگے والی لکڑی سے ٹانگ دیتا ہے
رینگ کر تمہارے خیمے میں داخل ہوتا ہے
ہاتھ تمہارے حسین گریبان میں ڈالتا ہے
گوح جیسے اپنے پنجوں سے تمہاری قمیص کے کشیدہ کیے ہوئے حصے کو پھاڑتا ہے
اور جب کوئی لیلا کہیں دور ممیاتا ہے
تو یہ بزدل تمہاری بانہوں سے خود کو محروم کر دیتا ہے
اپنا ہاتھ تمہاری زلفوں والے سر کے نیچے سے کھینچ دیتا ہے
اور تیرا سر لڑھک کر بڑی آواز کے ساتھ
خیمے کے پتھروں کے فرش سے لگ جاتا ہے
(اور) خون کی دھاریں تیرے گیسوؤں کی مانگ سے بہنے لگتی ہیں

بلوچی میں اس خوبصورت صنف کے بارے میں زیادہ تفصیلی بات کرنے سے کہانی گدلی ہوجائے گی۔ لہٰذا آئیے اِس شاعری کا اثر دیکھتے ہیں۔ اس کے جواب میں وہ بہادر بلوچ خاتون کیا کرتی؟ خاموش رہتی؟۔ اسی پتھر دل، ناقدرے اور جلد باز شہداد کے پاس اس کا منہ بند رکھنے کی دوبارہ درخواست لے جاتی، یا پھر پیروں فقیروں کے پاس شہداد کی زباں بندی کے

تعویز لینے کے لیے چکر کاٹتی پھرتی ؟!!

محترمہ ماہناز نے ان میں سے ایک راہ کو بھی نہیں اپنایا۔اس نے نام نہاد دانش وری کا جواب دانش سے دینے کا فیصلہ کیا۔اُس نے جلی بُھنی شاعری کا جواب شاعری سے دینے کا فیصلہ کرلیا۔شاعری بھی ایسی جودل کی گہرائیوں سے نکلے، پکے اور صاف جذبات میں لپٹی ہوئی آئے۔۔۔،بپھرتی ہوئی شیرنی کی گرج اور زخمی شدہ بھیڑیے کے غصے سے بھری اور کھری شاعری۔

اس نے اس کے الزامات کا بہت خوب صورتی سے جواب دیا۔اُس نے شہداد کی عقل، تدبر اور فراست پہ طنز کے تیر برسائے۔ یہ موخرالذکر انداز بلوچی شاعری میں باقاعدہ ایک صنف بن گئی ہے جسے ''سٹغ'' کہتے ہیں۔اور اس صنف میں محترمہ ماہناز شاید بلوچی کی سب سے ممتاز، مہذب اور مدلّل شاعرہ ہے۔شہداد سے لاکھ درجہ مہذب جواب:

ترجمہ:

اے راہ گیرو! جب تم اس بستی میں سے گزرو
تو میرا سلام وہاں کے جوانوں کو پہنچاؤ
میرا سلام نازک شہداد کو پہنچاؤ
جو چاکر کا لاابالی اور ناترس بیٹا ہے
اے شہداد، اے میرے موتی جیسے کزن
تم اپنے کام دھندے سے رہ گئے ہو
بس بیٹھ کر عورتوں کی غیبت کرتے رہتے ہو
بس بیٹھے کوّوں کی چوکیداری کرتے رہتے ہو

اب ذرا عزت وتوقیر کا موازنہ کرتے دیکھیے:

ترجمہ:

جب میں تمہارے گھر میں تھی تو چٹائیاں بُنتی تھی
اب میرے خیمے کی مینخیں لوہے کی ہیں
میں اب ہر ہفتہ نیا لباس سلاتی ہوں
میرا گھر نرینہ اولاد کے پنگھوڑوں سے بھرا ہوا ہے
اور بچیوں کے گھنے بالوں کی جھالروں سے
اگر تمہیں دولت کی کمی لاحق ہے
تو رند تمہیں مانگنے سے مویشی دیں گے
میں تمہیں اپنا ننھا بیٹا ''نوشک'' بخش دوں گی
یا لمبی سیاہ بالوں والی بیٹی بانڑی
میں انہیں تمہیں بخشوں گی، اگر اومرا اجازت دے

اب آگے دیکھیئے کہ عصمت پہ داغداری کا لزام لگائی ہوئی عورت کس طرح React کرتی ہے۔ تہذیب کا دامن تھامے محترمہ ماہناز، شہداد کی زیادتیوں کا نقشہ خوبصورت انداز میں یوں کھینچتی ہے:

ترجمہ:

تمہاری عقل اس ادھ بھرے مشکیزے کی طرح ہے
جو چرواہوں کے کندھے سے لٹکتا ہے
پھر بھی اس کا ایک کنارا ہمیشہ خشک رہتا ہے

اب ذرا شہداد کی جانب سے اومر کی، کی ہوئی برائیوں کا جواب پڑھیے۔ مہناز کس انداز میں اومر کی توصیف کرتی ہے، ملاحظہ ہو:

ترجمہ:

(شہداد) میرے ہیرے جیسے اومر کو برا نہ کہو

اومر تو اونٹوں میں ایک سانڈ ہے

جو اونٹینوں کے گلے میں گھس آیا

اور (اس نے) نوخیز عورتوں میں سے مہناز کو چن کرا لگ کیا

(اس کی) بھڑ جیسی پتلی کمر کو گلے لگا فرحت پائی

صرف یہیں بس نہیں کرتی مہناز۔ اُس کی توسب سے بڑی پونجی یعنی عصمت کے بارے میں انگلی اٹھائی گئی تھی۔ اُس کی تو روح ہل کر رہ گئی تھی۔ اس نے ایسا جواب دیا کہ آج تک ہر بلوچ دوشیزہ عملاً اسے اپنا ایمان سمجھتی ہے۔ وہ شہداد کو چیلنج کرتے ہوئے کہتی ہے:

ترجمہ:

خیمہ ہلے گا بھی نہیں اگر اس کا اہم ستون مضبوط ہو

منہ جب تک قہقہہ نہ لگائے تو دانت ظاہر نہیں ہوتے

اس عورت کا عزم دیکھنے کے قابل ہے۔ دنیا میں جس بھی عورت پر ناجائز شک کیا جائے گا، اُس کا جواب وہی ہوگا جو مہناز کا تھا:

ترجمہ:

میں بڑے پتوں والی انجیر کا وہ درخت ہوں

جو دشوار گزار چٹانوں کی گہری گھائیوں میں اگا ہوا ہے

تنگ دروں میں، جھیلوں کے کنارے

جنوبی ہوائیں جب ہر طرف سے چلتی ہیں

تو اکثر درختوں کی شاخوں کو ہلا ڈالتی ہیں

مگر میرا سر کوئی بھی ہوا نہ ہلا سکی

میرا اتنا کوئی بھی بارش نہ بھگو سکی

اور اب اس کا عہد، اس کا قول اور اس کا ارادہ دیکھیے، اُس کا عزمِ صمیم دیکھیے:

ترجمہ:

میں نے اپنا گریبان صرف عزت مآب اومر کے لیے باندھ لیا ہے

اس جسم کو صرف قبر دیکھ سکے گی یا پھر اومر

یہ ہے سولہویں صدی کی اس بلوچ شاعرہ کی سرگزشت جس نے سنگین الزامات اور رسوائی کا سامنا کیا، مخالفتوں اور سماجی بندشوں سے نمٹی اور جس کے قدم ماقبل جاگیرداری بنیاد پرست زندگانی اور رسم ورواج کے خوف ناک سماج سے نہ ڈگمگائے۔ محترمہ مہناز عورتوں کی جدوجہد کا روشن ستارہ ہے۔ وہ تن تنہا پورے سماج سے لڑی اور محبت کی قوت سے فتح پائی۔ کہیں مصلحت، مصالحت اور موقع پرستی نہ دکھائی اور مستقبل کی لڑنے والیوں کو جدوجہد کا راستہ دکھایا۔

شَلی و حسن مولانغ

Shali O Hasan Maulanagh

رند کا عہد مکمل طور پر ایک حیرت کدہ تھا۔ اب آپ دیکھیں کہ پورے عالمی کلاسیک میں بھلا آپ کو کوئی کردار ایسا بھی ملے گا جس کی وجہِ شہرت صرف اور صرف محبتیں کرنا ہو؟۔ بھئی کیوپڈ ''محبت کا دیوتا'' کہلاتا ہے۔ ہندوؤں کے ہاں بھی تالاب میں نہانے والیوں کے کپڑے چرا کر درخت پر چڑھنے والا (تا کہ اُن عورتوں کو برہنہ دیکھ سکے) بھی ایک دیوتا ہے۔ بلوچ کے ہاں دیوتا والی بات تو موجود نہیں۔ البتہ بلوچی کلاسیک میں ایسا شخص موجود ہے۔ نہیں نہیں بیورغ نہیں، اس لیے کہ وہ تو اور بھی بہت سی خصلتوں اہلیتوں کی وجہ سے مشہور تھا۔ صرف اور صرف محبتیں کرنے کے لیے شہرت پانے والے مست ولاپرواہ ولاابالی نوجوان کا نام تھا حسن رند۔ کثیر التعداد معاشقوں کی وجہ سے اس کا نام حسن رند کے بجائے حسن 'مولانغ' پڑ گیا اور 'مولانغ' بولتے ہیں ایسے شخص کو جس کے دماغ کا کوئی پیچ ڈھیلا ہو، جو بہت زیادہ نارمل نہ ہو، جو زمانہ سازی نہ کرتا ہو، جو اپنے من کا مالک ہو۔

یہ تین بھائی تھے: حسن، ہارین اور محمد۔

اُدھر شَلی نامی ایک مہیری عورت بہت الھڑ، مست، شوقین اور بے خطر عورت تھی۔ وہ بہت مالدار خاتون تھی۔ اُس نے جب حسن مولانغ کی وجہِ شہرت سنی تو اُسے شاعری میں یوں پیغام بھیجا:

ترجمہ:

دُر جیسی شلی نے کہا

میرا پیغام حسن تک پہنچاؤ

اگر وہ سویا ہو تو جگا کر سناؤ

تم میرے موجی دل میں سما گئے ہو

گرہ بن کر، نکلتے ہی نہیں

حَسن کو حُسن کی چیلنج نما دعوت مل گئی۔ اُس نے مسافت نہ دیکھی، گرمی سردی کا نہ سوچا، رقیب اور دشمن کی پرواہ نہ کی۔ بس حسینہ کا پیغام ہی کافی تھا۔ حسینہ جو اُس نے دیکھی نہ تھی۔ بس اُس کے بارے میں سُن رکھا تھا۔

حسن تیار ہوا تو اس کے بھائیوں نے اس کی منتیں کیں کہ نہ جائے۔ بستی کی دوسری عورتوں نے بھی اسے روکا، اپنی دوستی کی پیشکش کی:

ترجمہ:

وہ ایک شلی ہے تو ہم سو شلی ہیں

شلی ہم سے کس بات میں بہتر ہے

مگر حسن دلیل درخواست کچھ نہیں مانتا، آپے میں جو نہ تھا۔ وہ انہیں یوں جواب دیتا ہے:

ترجمہ:

تم سو شلی ایک طرف، وہ ایک شلی ایک طرف

تم سب سے اچھی ہے پیاری شلی

اب اور کیا کیا جائے؟۔ اُسے تو عشق کا نشہ چڑھ چکا تھا۔ جب سب دلائل ناکام ہوئے تو عورتوں نے اُسے لالچی ہونے کا طعنہ دیا کہ وہ شلی کے مال پہ نگاہ رکھتا ہوگا:

ترجمہ:

اس کے گھر میں چودہ لحافیں ہیں
اس کے نوجوان اونٹ زیادہ ہیں
الگ کر کے چَرتے ہیں
حسن رند کے نام سے الگ چرتے ہیں

مگر حسن مولانغ پر کوئی حربہ کوئی گُر نہیں چلتا۔ وہ سر کی ایک جنبش سے سارے دلائل، سارے حربے مسترد کرتا ہے، اور شلی کو یوں پیغام بھیجتا ہے:

ترجمہ:

میں آؤں گا، میں آؤں گا نی شلی
اَن دیکھی محبوبہ میری
بھائیوں نے رکنے کی بہت سماجت کی
دور کی عورتوں نے طمع بھرے انداز میں
رند عورتوں نے ہار اور سر کی پیشکش کر کے
اے تلوار ساز، میری تلوار تیز کر دو
اے موچی میرے لیے جوتی سی دے
درزی میرے لیے لباس بنا دے
بھائیوں میں سے میں محمد کو ساتھ لوں گا
گھوڑوں میں سے مہلب نامی گھوڑی منتخب کروں
عالی کی چاندی کے دستے والی تلوار کو
میری مہلب مُولہا سے واقف ہے
مول مہیر سے ذرا دور ہے

ہاریں، اے میرے چھوٹے بھائی
میرے مہلب کی باگیں نہ پکڑ
شلی کا پیغام آیا ہے
پیغام اور پیار بھرے سلام
مجھے راہ گیروں نے پہنچائے
مجھے عصر کے وقت ملے
میں تنہا ہوں گا بھی جاؤں گا
لال شلی کو دیکھنے
میں دس ہو کر بھی جاؤں گا
اچھی شلی کو دیکھنے
میں سو ہو کر بھی جاؤں گا
اچھی شلی کو دیکھنے

بلوچی کلاسیک اپنا روایتی موڑ یہاں بھی مڑتی ہے۔ کہانی یوں بڑھتی ہے کہ وہاں علاقے میں ایک اور حسن بھی تھا، جسے حسن موڈُو کہتے تھے۔ وہ شلی پہ عاشق تھا۔ اور بہت عرصے سے اُس کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ مگر شلی اُس سے کوئی التفات نہ رکھتی تھی۔ اُسے اُس سے ہزار گنا اچھا محبوب ملنے کی یقین جو تھی۔ اُس نے اُسے دھتکار دیا تھا اور کہا تھا کہ اگر دوستی کروں گی تو حسن رند سے ہی کروں گی۔

اب جب حسن موڈو کو حسن مولانغ کے سلام و پیام کی تفصیلات معلوم ہوئیں تو وہ وِلّن ایک رات شلی کے گھر مہمان ہوا اور اُسے کہلوا بھیجا کہ ''میں حسن رند (حسن مولانغ) ہوں۔ رات کو آ جانا وصل کے لیے''۔ دلچسپ بات یہ تھی کہ شلی نے نہ حسن رند (مولانغ) کو دیکھا تھا اور نہ حسن موڈو کو۔ تو کس طرح معلوم کرے کہ معاملہ حقیقی ہے اور اس میں کوئی سازش دھوکہ شامل نہیں ہے۔

عقل مند شلی نے مہمانی کے لیے دنبہ ذبح کیا۔ مگر لونڈی سے کہا کہ خود وہاں موجود رہ کر دیکھ لے کہ مہمان گوشت کھاتے کس طرح ہیں؟۔ لونڈی نے واپس آ کر رپورٹ دی کہ حسن نے گوشت تو کھالیا۔ مگر اس کے بعد اس نے ہڈیاں ایک ایک کر کے چبالیں۔ شلی کو اندازہ ہوا کہ حسن رند (مولانغ) یہ حرکت کبھی نہیں کرے گا۔ اس نے لونڈی کو حکم دیا کہ رات کو شلی بن کر حسن کے ساتھ رہے۔ لونڈی نے تعمیل کی اور رات اس کے ساتھ گزار کر صبح سویرے واپس ہوئی۔ جب دن ہوا تو حسن موڈُو نے شلی کو پیغام بھیجا کہ ''تم تو کہتی تھیں کہ صرف حسن رند کے ساتھ دوستی کرو گی۔ رات کو تو میں تھا تمہارے ساتھ۔ اب بتاؤ''؟۔

شلی نے جواب بھیجا ''اگر تم حسن رند (مولانغ) نہ تھے تو میں بھی شلی نہ تھی۔ میں تو رات کو ہی تمہیں پہچان گئی تھی جب تم گوشت کھانے کے بعد کتوں کی طرح ہڈی چبا رہے تھے۔ تم رات کو میرے ساتھ نہیں، میری لونڈی کے ساتھ سوئے تھے''۔

پشیمانی اور ندامت بھرا حسن موڈو سخت غصہ ہوا اور قول دیا کہ وہ حسن رند (مولانغ) کو قتل کر دے گا۔

اب ہوا یوں کہ اُس طرف سے حسن رند (مولانغ) اپنے بھائی محمد کے ساتھ شلی سے ملنے آ رہا تھا اور اس طرف سے شکست خوردہ اور غصے سے بپھرا حسن موڈو جا رہا تھا۔ جنگ چھڑی اور حسن رند اپنے بھائی کے ساتھ قتل ہوا۔ جب شلی تک یہ جانکاہ خبر، پہنچی تو:

ترجمہ:

اوھو اور افسوس کرتی ہوں
وہ مولانغ کی گھوڑی لے گئے
ایسا درد ہے آج میرے دل و دماغ میں
جو جُھلانے سے رفع نہیں ہوتا
جُھلانے سے ٹھنڈا نہیں ہوتا

اس نے ماتم کیا اور مولانغ کے لیے سیغ (سوگ) کر کے بیٹھ گئی۔ اس نے ہارین کو یوں پیغام بھیجا:

ترجمہ:

بادلو میرے درود (سلام و پیام) لے جاؤ
ہارین کی تلوار کو پہنچاؤ
کہیں بھی تمہاری آواز، تمہارے نعرے نہیں؟
بھینس کے نر بچے ثابت ہوئے ہو
مٹی کا ڈھیلا بن کر پانی میں گر گئے ہو
عورتوں کو اگر جنگ کرنے کی اجازت ہوتی
تو شلی سنبھالتی تیر کمان
اور ساری دنیا کا صفایا کرتی
میرے بس میں تو یہی کچھ ہے
کہ خوبصورت گدیلا سوگ میں لپیٹ کر رکھا ہے
بادلو میرے درود لے جاؤ
ہارین کی تلوار تک پہنچاؤ
مولانغ کے چھوٹے بھائی
تم گھر میں کھاتے سوتے ہو
تمہیں مولانغ کی یاد نہیں آتی؟

یہ الفاظ تو نہیں ہیں یہ تو زہر میں بجھے تیر ہیں جو ایک مقتول بھائی کے دل میں پیوست ہو کر انتقام کی آگ کو آکسیجن دیتے ہیں۔ ہارین پہلے بھی کیا کمی کر رہا ہوگا اپنے بھائی کے خون

کا انتقام لینے میں؟۔مگر اب شلی نے آگ پر تیل چھڑک دیا۔اس طعن و تشنیع کا جواب ہارین یوں دیتا ہے:

ترجمہ:

بادلو میرے درود لے جاؤ
لے جا کر شلی کو پہنچاؤ
سنو، اے مہیر کی لڑکی
مولانغ کا سوگ بھول جاؤ
بہت ہی خوب صورت کشیدہ کاری کا لباس سی لو
چیتر کے دس دن گزرنے دو
چندن گھوڑے زین سہہ لینے کے قابل ہو جائیں
تب تمہیں میری خبر پہنچ جائے گی

اور یہی ہوا۔ہارین ساون کے غصیلے بادلوں کی بجلی بن کر دشمن کے نشیمن پہ جا ٹکرایا اور اپنے دونوں بھائیوں، حسن مولانغ اور محمد کے انتقام میں سو آدمی مار ڈالے اور شلی کو پیغام بھیجا (کہانی کا حسن تو شاعری پڑھ کر آپ محسوس کریں گے):

ترجمہ:

بادلو، میرے درود لے جاؤ
لے جا کر شلی کو پہنچا دو
کشیدہ کی ہوئی شال پہنو
خوب صورت پوشاک زیبِ تن کرلو
مولانغ کا سوگ ختم کرلو
میں نے حسن مولانغ کے لیے

ایک انگلی کا ایک آدمی مار دیا

بیس چھوٹے محمد کے انتقام میں

جنگوں سے پوری دنیا تو ختم نہیں کی جا سکتی

ساری دنیا ایک دن میں قتل نہیں کی جا سکتی

(البتہ) صُلح وہی لوگ کر سکتے ہیں

جنہیں خواب میں مولانغ نہ آتا ہو

مولانغ کی تاؤ دار مونچھ

مجھے آدھی رات کو بھی یاد آتی ہیں

سیمک ونتھا

Saimak O Naththaa

بلوچی قدیم ادب میں جن دو چار خواتین نے شاعری کی (یا جن سے منسوب کی گئی) اُن میں سیمک کا لہجہ بالکل جدا ہے۔اس کا غم ہی جدا ہے۔ بلوچ شاعری میں محبت کی نوحہ گری بہت کم دیکھنے میں آتی ہے؛ ماسوائے سیمک کے۔ اسی لیے وہ بہت نازک احساسی کے ساتھ غم واندوہ بھری ایسی حسرت بھری شاعری کرتی ہے کہ یہ پڑھنے والے کو بہت عرصے تک اپنی کیفیت میں لپیٹے رکھتی ہے۔

بلاشبہ یہ شاعری حتمی طور پر داخلیت والی شاعری ہے مگر نئی اور انوکھی تشبیہات و استعارات نے اسے لولاکی بنا ڈالا۔ ایسی تشبیہیں، ایسے استعارے جو مکمل طور پر فطری ہیں، بلوچی ہیں، اور لہٰذا عالمگیر ہیں۔ بلوچ حیرت کے بے کراں سمندر میں ڈوب کر اُسے سنتے ہیں۔

سیمک کی شادی نتھا نامی ایک نوجوان سے ہوئی تھی۔ وہ اُس سے دل و جان سے پیار کرتی تھی۔ مرتی تھی اُس پہ۔ کچھ ہی عرصے میں نتھا ایک قبائلی جنگ میں شمشیروں کی خوراک بن گیا۔ سیمک کے لیے یہ ایک عظیم صدمہ تھا۔ سیمک کو اُس کی یادیں تڑپا دیتی ہیں۔ سیمک نے اُن جلتی یادوں کو الفاظ میں ڈھال دیا۔ ایسے الفاظ جو محبت کی گہرائی و گیرائی کی لامحدودیت بتاتے ہیں، جو رومان کے اعلیٰ ترین احساسات کی بھرپور ترجمانی کرتے ہیں۔

سیمک کی شاعری عشقیہ شاعری کا بے مثال نمونہ ہے۔ بالخصوص بادلوں کے موسم میں۔ بادل کے گاڑھے ایستادہ حصے (اِستین) کو دیکھ کر تو اسے بے ساختہ نتھا یاد آجاتا ہے:

ترجمہ:

دھند میں سے سفید بادل کا ایک ٹکڑا سر اٹھاتا ہے
بلند جیسے ماران کا محکم پہاڑ
یہ سفید کہکر، تو نتھا کے سر کی پگڑی ہے
قوسِ قزح اُس کی گھوڑی کی رنگین لگام ہے
موسلا دھار بارش، تمہارے گھنے لمبے بال ہیں
قطرے، جیسے تمہارے کمر بند میں لگی گولیاں ہوں
چمکتی بجلیاں، میان میں تمہاری آبدار تلوار کی چمک ہیں
گرج، نتھا کی بندوق چلنے کی آواز ہے

کیا تشبیہات ہیں!! اور فطرت کے مظاہر کا کیا ماہرانہ جڑاؤ ہے۔ جس نرالے انداز میں سیمک بادو باراں کی کیفیات بیان کرتی ہے، اُس سے تو انسان مبہوت ہو کے رہ جاتا ہے:

ترجمہ:

دور دراز کے بادلو، تم سے ایک عرض ہے
لُنڈ و اور شانک کو بھگونا تم پر فرض ہے
اُن شہیدوں کی زیارتوں کو بھگو ڈالو
ایک بار بوچھاڑ کر دو قطروں کی
تم زباد خوش بُو پھوار برسا دو
بادلوں کی رم جھم اور گرج چمک میں

ہم آپ کی توجہ ایک بار پھر اُس حسین عجوبے کی طرف موڑتے ہیں جہاں بلوچی شاعری میں آپ بھرپور ڈرامہ اور مکالمہ سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ مکالمے کے لیے اطراف کا انسان ہونا ضروری نہیں، نہ ہی جاندار ہونا۔ بلوچ، فطرت کے ہر

مظہر کو جاندار اور اپنے مقابل کا گردانتا ہے۔ یہاں آپ اس برستی بارش کے پس منظر کے بعد نتھا اور بادلوں کے بیچ مکالمہ کی طرف متوجہ ہوں۔ نتھا جو قبر میں پڑا ہے، بادلوں سے یوں گویا ہوتا ہے :

(اور یہ بلوچ مائتھا لوجی کا ایک بہت بڑا عنصر ہے۔ بے جان جاندار سے گفتگو کرتا ہے، بے جان بے جان سے باتیں کرتا ہے۔ غیر ناطق جانور، غیر ناطق جانور سے سوال جواب کرتا ہے)۔

ترجمہ:

وہ دور دیس سے آئی بارش سے گویا ہوتا ہے :

"تم کس کے پیاسے دل سے آ رہی ہو

تم کس کی آنکھ کے روئے ہوئے آنسو ہو

تم نے کس کی طرف سے کی گئی مِنتیں کرنے پر مجھے بھگویا ہے"

کیسی خوب صورت مکالمہ بازی بلوچی کلاسیک کی امتیازی خصوصیت ہے؟۔ خوب صورت ڈرامہ۔ فلمایا جاسکنے والا ڈرامہ۔ مگر کوئی فلم ہو تو یہ ڈرامہ سٹیج ہو۔ ہم بلوچ تو غزل اور ہائیکو میں آ کر پھنس چکے ہیں۔

اب ذرا نتھا کو بارش کا جواب دیکھیے:

ترجمہ:

دور دیس سے آئی بارش نے جواب دیا؛

ہم سیمک کے پیاسے دل کی طرف سے آئے ہیں

ہم سیمک کی آنکھ کے روئے ہوئے آنسو ہیں

ہم نے سیمک کی طرف سے کی گئی منت سماجت پہ تمہیں بھگو دیا ہے

ہم نے اس عورت کو ویران دیکھا ہے

نتھا، وہ تم پر پاگل ہو گئی ہے
اُس کی رنگت راکھ کی سی ہو گئی ہے

اب ذرا اگلا منظر دیکھیے۔ آپ ہل کر رہ جائیں گے، جب آپ قبر سے باہر نکلتے ہوئے مردہ نتھا سے سیمک کا مکالمہ پڑھتے ہیں۔ شاید عالمی ادب میں بھی آپ کو یہ منظر کہیں اور نہ ملے:

ترجمہ:

دولہا صورتِ نتھا، نکلتا ہے
بڑی مشکل سے تنگ دہنِ قبر سے
''اچھے نہیں ہو ساتھی پہلے کی طرح
قبر کی کلّر اور میل تمھیں لگ گئی
تمہاری بڑی بڑی مونچھیں گرد آلود ہیں
مونچھیں بھی اور گھنی داڑھی بھی
تمہارے زباد بُو گیسو بھی دھول آلود ہیں''

یہ ہے سیمک کی شاعری۔ وہ اٹھتے بیٹھے، سوتے جاگتے اپنے مرحوم محبوب شوہر کی یادوں کی چتا اپنے پیروں تلے جلائے رکھتی ہے۔ اسے ہر مظہر اور ہر شئے میں نتھا دِکھتا ہے۔

آئیے ایک اور منظر نامہ بھی دیکھتے جاتے ہیں۔ ایک نوجوان وحسین بیوہ کب تک آزاد رہنے دی جاتی ہے۔ چنانچہ شادی کے طلب گار مردمکھیوں کی طرح بھنبھناتے آتے ہیں۔ نوجوان لوگ طرح طرح کی ترغیبیں دیتے ہیں:

ترجمہ:

نوجوان اپنی گھوڑیاں سجاتے ہیں
لا کر میرے خیمے کے گرد دوڑاتے ہیں
(وہ) میرے لیے چھینٹ اور چنیاں لاتے ہیں
مجھے خوب صورت پکی سجی دیتے ہیں

سیمک کو بستی کی عورتیں، مرد اور بوڑھے دوسری شادی کی ترغیب دیتے ہیں۔
سیمک ایک شعر میں اس حالت کو یوں بیان کرتی ہے:

ترجمہ:

بڑھیاں مجھے بہت ورغلاتی ہیں
کہ بستی کے جوانوں میں سے کسی ایک کو چن لو

جواب سننا ہے؟ یارا ہے؟ تو سنیے عشق داسی کیا کہتی ہے۔(اب اِس پہ فیوڈل محبت کا ٹھپہ نہ لگائیے، ادب پارہ، فن پارہ ہے، محظوظ ہوئیے!)۔سیمک، عشق کی ماری انہیں کیسے بتائے، نتھا کی یہ باندی انہیں کیا کہے، کیسے انہیں سمجھائے کہ:

ترجمہ:

بستی کے جوان تو سب میرے بھائی ہیں
اور کچھ میرے محترم والد کی جگہ ہیں
میرا سر چُنی کے لیے نہیں ہے خواہش مند
نہ میرے پیر لہڑی کے سلے پاپوش کے لیے
میری آنکھیں بے سرمہ ہی بھلی

سو، ہر ترغیب پاؤں کی ٹھوکر پر۔ ہر دلیل بجیرہِ انکار میں۔عشق انکار ہے، عشق استرداد ہے ،عشق تردید ہے۔عشق ضدِ تسلیم ہے، عشق خلافِ مسّلم ہے......اور حتمی عشق دیکھئے:

ترجمہ:

میں نے اپنا جیغ (گریبان) ایک ارادہ کر کے مقفل کر دیا ہے
کہ اسے یا تو موت کھولے گی یا سورمانتھا

للّاہ و گراں ناز

Lallah O Granaz

للّاہ کلمتی سترہویں صدی کے وسط کا ایک جواں مرد، اور نمائندہ بلوچ تھا۔ باران کی بیٹی گراں ناز اپنے حسن وسلیقے میں یکتا تھی۔ یہ دونوں لڑ کا لڑکی بچپن سے ساتھ کھیلتے ہوئے بڑے ہو گئے۔ باران کے لیے للّاہ جیسے مثالی نوجوان کو اپنا داماد بنانے میں کسی بھی جھجک کی کوئی وجہ موجود نہ تھی۔ چنانچہ رشتہ اور شادی ہو گئی۔ مکان کے زمان میں دونوں میاں بیوی ہنسی خوشی رہنے لگے۔للّاہ کی بہادری جواں مردی کی باتیں مقامی نہ رہیں۔

دوستی اور دشمنی دونوں ہی حادثاتی اور ماجراتی مظاہر ہوتے ہیں۔ایک حادثاتی مظہر باران کا منتظر بھی تھا۔ باران کی لسبیلہ کے ایک خاندان سے دشمنی پیدا ہوئی۔ دشمن نے انہیں جنگ کی ضیافت دے ڈالی۔ باران کے پاس قبیلوی نظام میں اپنے بیٹوں کے ساتھ جا موجود ہونے کے علاوہ کوئی چارہ کہاں تھا۔سر قبیلوی نظام تو اپنی روانی روانی میں، اپنے رومیں آپ کو بہادر بنا تا جاتا ہے۔اُس دریا میں بہادر بننے کی ہر ترکیب کو مزاحمت دینے والے کو بزدل کہا جاتا ہے اور دریا کا اچھال اُسے باہر پھینک دیتا ہے۔

باران موجود ہوا، اُس کا خاندان موجود ہوا۔للّاہ بھی اپنے وفادار نوکر کے ساتھ مسلح ہو کر آمادۂ جنگ سسر کے پہلو میں موجود تھا۔

دشمن کی تعداد زیادہ تھی۔تلخ مقام پر تلخ دن میں تلخ لڑائی کی تلخ تلواریں گردنوں سروں کی کٹائی کرتی رہیں۔ باران اور اس کے بیٹے موت سے ہم کنار ہوئے۔ گراں ناز نے ایک آنسو تک گرنے نہ دیا کہ للّاہ ابھی جنگ کے موت کدے میں موجود تھا۔گراں ناز جانتی تھی کہ

وہ دشمن کو بے خراش قطعاً جانے نہ دے گا۔ اور ہوا بھی ایسا ہی۔ اس کی تلوار، ہواؤں کی بانسری بجاتی سروں کے سُرتال خلق کرتی اُس کے بہادر دل کی سنگت کرتی رہی۔ مگر جنگ تو جنگ ہوتی ہے۔ عمل کی شئے۔ آرزوئے حیات وضع داری کا پیرہن پہنے دشمن کے ہلاکت خیز وجود کو نیست کرنے کے لیے توانائی اور دانائی کا ذرہ ذرہ استعمال کرواتی ہے۔ بے شمار سر لڑھکانے والا للّاہ خود بھی زخموں سے چور ہو گیا۔ مگر، ہوش کی آخری سرحد تک وہ اپنی تلوار کی دھار سے دشمن کا خون نکالتا ہی رہا۔

وفادار نوکر نے بے ہوش گرے ہوئے بہادر مالک کو اُس کی گھوڑی پر لادا اور گھوڑی کا رخ گراں ناز کے گھر کی طرف کر کے اس پر چابک برسائے۔ گراں ناز کا بخت اُڑ گیا۔ وہ شجاعت کی عینکیں پہنے رہی اور زخم زخم للّاہ کو سمجھ نہ پائی۔ بز دلی بہادری دو ہی تو الفاظ ہیں قبیلوی بلوچ لغت میں۔ گراں ناز کے دماغ کے منصف نے مقدمہ سنے بغیر ''بزدل'' کہہ دیا۔ ایک سخت گیر قبائلی معاشرے میں بزدل مرد سے میاں بیوی والا رشتہ خاک چلتا ہے؟۔ یہاں بھی نابینا شدہ گراں ناز نے للّاہ کو قیامت تک باپ اور بھائی کا درجہ دینے کا بے ہودہ اعلان کر دیا۔ للّاہ کو بزدلی کا تمغہ دے کر اُس نے تو اُس کا ہر لمحہ مجروح کر ڈالا تھا۔

ترجمہ: (عطاشاد)

سُن اے للّاہ، اے خواجہِ بھنگ وزعفران
اس تخاطب کی اور ہو گیا، وجہ بیان
بات ہی ایسی ہے کہ ہوں مجبورِ زبان
وہ معطر دستار، وہ ترے یار غار
سرفروشی پہ جن کی ہیں قرباں ناریاں
(کس قدر وہ خوش بخت ہیں، یہ خوش بخت ہیں)

اور ادھر اک میں کہ کبھی نازاں تجھ پہ تھی
دز گہاروں (1) سے فخر سے کہتی تھی یہی
جانِ جانبازاں! سر سیاہ سرافگناں
وہ مرا مردشیر، وہ للّاہ کے جری
ہو شہادت امباز (2) اگر میداں میں کبھی
نیل کردوں فرطِ ناز سے اپنے گُلّ کو
دڑّ (3) مرے کانوں میں نہ لہرائیں پھر کبھی
پھر میری بانہوں میں نہ ہو، باہوبند (4) بھی
توڑ ڈالوں گی ہر کلائی کی مینگلی
پھر مرے پاؤں کو ترستے پادینک (5) ہوں
زینتِ زرجاہ زیاں ہوں زیور مرے
ہو مری چشم پر تصور میں یادگار
وہ تیری عظمت کا قلعہ ہمت کا حصار
ہائے یہ سب کچھ جیسے اک جھوٹا خواب تھا
عمر بھر جو دیکھا کیا جھوٹا خواب تھا
میں نے جو سوچا میں نے جو سمجھا خواب تھا
میں نے جو چاہا، میں نے جو پایا خواب تھا
ایک دن جب حربِ حق و باطل پیش تھا
تیرے ہی ہم راہی، مجھے یہ کہنے لگے
کہ یلیں (6) للّاہ ہو گیا میداں سے فرار
سرفروشوں کو چھوڑ کے گرم کارزار

قوتِ باطل آزما تھی، صرفِ لگام
آتشیں چابک بن گیا تیغِ بے نیام
موزگی (7) پاؤں میں رکابوں کی قید تھی
جانبِ باراں (8) برق کی صورت تھا کوئی
مردِ میداں ہو، اور کرے وہ جاں سے گریز
حق نہیں اس کو کہ اٹھائے وہ آنکھ بھی
دخترانِ کہسار کی جانب بھی کبھی
وہ دومٹی (9) بھائی مرے جانباز و جوان
سامنے تیرے کشتۂ تیغ و تیر تھے
جسم تھے ان کے واڑھی (10) شاگوں کی طرح
خونِ میں غلطاں بر نگلیں ریش (11) اور تھے بروت
رزم کی آتش گاہ میں مردانِ عمل
دامنِ دل کا غم نہیں کھاتے ایک پل
زندگی الجھی ہو جہاں خاک و خون میں
تابنا کانِ حُسن کی یاد آتی نہیں
جب مرے بھائی بسمل قہرِ غیر تھے
میں تجھے یاد آئی، مری صورت چاندسی
دُرّ میرے دز بازی (12) مری اور کل گورگیں
یہ لغوری یہ بزدلی، یہ بے ہمتی!
اہلِ غیرت کے واسطے ہے مرگ مدام
اب مری نظروں میں ہے تو اک سنپولیا

بن کے ''ماں'' پالا تھا جسے میں نے ایک دن
گود میں میری جو بڑھا، جو ورنا (13) ہوا
تُو نہیں وہ تو رشتۂ دل کیسے رہے
لُٹ گیا سرمایہ کو جو تھا جذبات کا
میں پہن کر زیور کبھی تیرے سامنے؟
آؤں گی سج دھج کر کبھی تیرے سامنے؟
یہ اگر ممکن ہے، تو ہے تُو بھائی مرا
یہ اگر ممکن ہے، تو ہے، تُو باوا مرا

ایسے مہلک ہتھیار کا جواب اُسی قدر زہر آلود نہ ہوتا تو آج ہم اُسے اِس دلچسپی سے کیوں پڑھتے؟۔

اب للّاہ کے لیے بھی کوئی مخمصہ کوئی کنفیوژن کوئی غیر فیصلہ گیری نہ تھی۔ پرائی جنگ میں شجاعانہ کود کر اُس نے تیغِ جوہر دار سے ایسی ایسی گردنیں کاٹ دیں کہ جراتِ دل اور قوتِ بازو رشک کرے۔ بزدلی تو کیا وہاں تو سوائے قتل کرنے کے کوئی اور تصور تک نہ تھا۔ پھر بھی؟۔ پھر بھی اُسے خاوند ماننے تک سے انکار ہو؟۔ پس ایک اعلان للّاہ کی طرف سے بھی، کہ اب گراں ناز بھی محبوبہ نہیں، بیوی نہیں بلکہ بہن رہے گی۔ کیا Degradation ہے!! خدا کی پناہ مانگیے اُس کیفیت سے جب بلوچ دوسرے کو Degrade کرتا ہو۔ دونوں محبت کرنے والوں نے باہمی توہین تو ہین میں بلوچی زبان کو ایسی عمدگی عطا کی جسے پڑھ پڑھ کر، سن سن کر چار صدیاں بعد بھی ہم آپ جھوم جانے پر مجبور ہیں۔ آئیے جھومتے ہیں کہ جھومنا مولانا کی سنت ہے:

ترجمہ:

غور سے سنو، اے موتی، اے معطر
میں نے اپنے کام میں کوئی سستی نہیں کی

بہادر اور بزدل کی پہچان آسان ہے
(اس لیے کہ) بہادروں کی جنگوں کی نشانیاں ہوتی ہیں
بزدل شرمندہ گفتار کے ساتھ بے عزت رہتے ہیں
اس لیے کہ وہ اپنی جان بچاتے رہے ہیں
بالیاں پہنے تمہارے بھائیوں کو بچانا چاہا
مگر زیادہ طاقتوروں نے ایسا کرنے نہیں دیا
تین چار چیزوں میں وفا نہیں ہوتی:
عورت، اگر حور کی طرح حسین ہو
کسی نہ کسی سے تو شادی کرے گی
گھوڑی، جس قدر بھی قیمتی ہو
کوئی نہ کوئی تو اُس کی زین پہ بیٹھے گا
اے کلمتوں کی فاختہ
مجھ سے دشمن کے لوگ
اور جنگ دوست مگسی لڑ پڑے
سات بار میں اور میرے گھوڑے نے حملہ کیا
جب تک کہ میں گھوڑے کے ریشمی غلاف سے پھسل گیا
اور گھوڑے کی زریں زین سے گر گیا
ایسا لگا جیسے میں اور سیاہ گھوڑا دشمن کی گھنی صفوں میں تیر رہے ہوں
جس وقت مجھے ہوش آیا
تلوار کا صرف دستہ میرے ہاتھ میں تھا
میری خراسانی ڈھال ٹکڑے ٹکڑے تھی

اسے تلواروں نے ریزہ ریزہ کر دیا
چودہ گھومنے والے تیر میرے جسم کو لگ چکے تھے
تلواروں کے تازہ زخم اُس کے علاوہ ہیں
میرے جسم پر ناخن جتنی جگہ بھی زخم کے بغیر نہیں ہے
اس حالت میں بھی میں نے تلوار تھامی
دل میں آیا کہ دشمن پر تازہ حملہ کر دوں
مگر سیاہ فام غلاموں نے مجھے پکڑا
میرے سر اور بازوؤں سے پکڑ کر
گھوڑے پہ ڈالا اور گھوڑے پر چابک برسائے
بھائی سٹریچر بنا کر مجھے گھر لے گئے
ماں اور بہنوں نے اپنے ہمدرد ہاتھوں سے
بالشت و گدّے اور قالینوں پر رکھا
خون اور پیپ دونوں
ندی کی طرح میرے زخموں سے جاری تھے
غلام اپنے ہمدرد ہاتھوں سے
میرے زخموں پر تیل ڈال رہے تھے
ساتویں دن صبح سویرے
کراہتے گھوڑے کے گرنے کی آواز آئی
اس کا بھیجا باہر نکلا
میرا پتھر جیسا دل اور جگر پانی ہو گئے
اپنے قوی گھوڑے کی موت پر

اری گرانا زتم سے تولکڑی کے تنے اچھے

جنہیں سیلابی پانی دور دراز سے لاتا ہے

اچھی محفلوں میں جلانے کے کام تو آتے ہیں

نہ انہیں ہوا اڑا سکتی ہے اور نہ پانی

بھائی انہیں اپنے بڑے کندھوں پر اٹھالائیں

میرے درد کے ساتھ پوری رات جلتے ہیں

وہ چراغوں کی طرح روشنی دیتے ہیں

جام اسماعیل کے کندھے

لکڑی کے تنے اٹھا اٹھا کر زخمی ہیں

گراں ناز، تم اگر باریک چادر اوڑھے

نوجوان ہرنی نظر آؤ

آ کر میرے بائیں پہلو میں بیٹھ جاؤ

اور میری اوڑھنی کا کونا اٹھادو

اور جب میرے تازہ زخم دیکھو گی

تو خود بول پڑو گی کہ مجنوں تمہیں کیا ہو گیا

للّٰہ او دیوانے تم نے کیوں

خود کو آتشیں نیزوں کا نشانہ بنایا

اگر اس بار مہلک زخموں سے بچ جاؤں

(تو) میں دشمنوں کے لیے ٹھنڈا پانی نہ ہوں گا

اگر گہرے کنوؤں میں کنکر پگھل جاتے ہوں

تو بہادروں کے دلوں سے بھی انتقام ختم ہو جائیں گے

نہ تو پتھر گہرے کنوؤں میں پگھل جاتے ہیں
نہ انتقام بہادروں کے دل سے فراموش ہوتے ہیں
بلوچوں کا انتقام دو صد سال تک
ایک سالہ ہرن کی طرح تر و تازہ رہتا ہے
دو شش ماہ مجھے اپنی قوت دوبارہ پانے میں لگے
دشمنوں کے ساتھ میرا مقابلہ ہے
تمہارے زرد چہرہ اور ضدی بھائیوں کا انتقام لینے
میں تیزی سے گیا اور درہِ مولا کا راستہ روکا
میں نے تمہارے بھائیوں کا بدلہ لے لیا
اور اپنی برف رنگ سفید چادر سے داغ دھو لیا
گراں ناز تم میرے مئے کے ساغر کی بہن کی مانند ہو
محشر کے دن تک

جسم کے زخم تو مندمل ہو ہی جاتے ہیں، مگر دل کے زخم کبھی نہیں بھرتے۔ اور جب جسم کے زخم ٹھیک ہوئے تو للاہ پھر دشمن کے سر پر جا موجود ہوا۔ ناگ اور زہر کی طرح وہ لپٹتا پلٹتا رہا اور دشمن کی تعداد گھٹتا رہا۔ ایسی بہادری علاقے میں نہ کسی نے سنی تھی نہ دیکھی تھی۔ گراں ناز کی پشیمانی اُس وقت تو اور مہلک بن گئی جب اسے پچھلی جنگ میں بھی للہ کی اندھی شجاعت کی حقیقت معلوم ہوئی۔ وہ سرتاپا پگھل گئی مگر قول تو بلوچ کے باڑھ کا خاردار دروازہ ہوتا ہے۔ اور یہ دروازہ گراں ناز نے خود اپنے ہاتھوں سے بند کر دیا تھا۔

دل دل کی کیفیت نہ جانے تو دل نہ کہلائے۔ گراں ناز کی عمیق پشیمانی نے للاہ کو بھی پگھلا دیا۔ عشق میں پشیمانی؟...... بہت بڑی غلطی جو ہو گئی تھی۔

غلطیاں تو غلط فہمیوں کی ماں جائی ہوتی ہیں۔مگر یہاں تو غلط فہمی غلطی بن چکی تھی۔یہی غلطی ایک گناہ میں ڈھل گئی تھی۔گناہ پھول کرتباہیاں لا چکی تھی۔تب، دونوں دل اصل صورت حال سے آگاہ ہو چکے تھے۔آگاہی تو فہم پیدا کرتی ہے اور آگاہی چُپ بیٹھنے کہاں دیتی ہے۔آگاہی تو فیصلے کرواتی ہے، کیے ہوئے فیصلے بدلواتی ہے......آگاہی نور ہے۔

فہمیدہ لوگ بہر حال آس پاس موجود ہوتے ہی ہیں۔بدقسمت ہے وہ شخص (اور وہ قوم) جس کے آس پاس فہمیدہ لوگ نہ ہوں۔اور للّاہ وگراں ناز اِس قدر بدقسمت بھی نہ تھے کہ انسانی مشکل کا حل تلاش کرنے والوں کا کال ہوتا۔سماجی مسائل کے حل اُن کے اپنے اندر موجود ہوتے ہیں۔حل نکل آیا۔پاک روحوں کا پھر ملاپ ہو گیا۔زندگی مسکرانے لگی۔

حواشی:

1- ہجولیوں
2- گلے لگ جانا نصیب ہو
3- کانوں میں زیور
4- بازوبند
5- پازیب، جن میں چھناچھن ہو
6- گھبرو
7- موزے
8- گراں ناز کے والد کا نام
9- ہر ایک بھائی دو دو کے برابر
10- دارتراش
11- گھنی داڑھی اور مونچھیں
12- شوخیاں
13- جوان

کِیّا وصدو

Kiya O Sado

دو ردیس کے دو پیار پنچھی ملے، آنکھیں ایک دوسرے میں سما گئیں۔ اور پھر وقت نے انہیں دور دور پٹخ دیا۔ فراق، جہنمی، موذی، بے انت اور دردناک فراق۔ پیاری صدو اس مکالماتی شاعری کی ابتدا کرتی ہے۔ ہماری مداخلت یہاں دخل در معقولات ہوگی، بلوچی کلاسیک خود کہانی کار ہے، ڈرامہ رائٹر ہے اور دل پذیر ہے۔

ترجمہ:

”اے چہچہاتے خوش نما پرندے
اے سرخ آنکھوں والے حسین پروں والے پرندے
تم دور بیٹھ کر کیا کر رہے ہو؟“

”میں بیٹھا دانہ چگ رہا ہوں
میں کٹی فصل کے بھوسے میں دانے چگ رہا ہوں
موسم بہار کے نوالے کا لطف لے رہا ہوں
ترات نامی جھاڑی کے پھل سے میرا پیٹ نہیں بھرتا
یہ تو چیونٹیوں کے لیے مناسب ہیں “

”ارے تم میرے خیمے کے دروازے پر آؤ

میں تمھیں خوشبودار دانہ کھلاؤں گی

دانہ اپنے دوپٹے پر پھیلا کر تمھیں کھلاؤں گی

تمھیں چاندی کے برتن میں پانی پلاؤں گی

(تیرے لیے) بلند پہاڑی چوٹیاں میں اپنے کندھوں کو بناؤں گی

اور میری زلفیں تمہارا سایہ ہوں گی

جس وقت اڑ جانے کی خواہش ہو

کُوکُو بول کر مجھے اطلاع کر دو

میں تمہاری چونچ کو سونا چڑھا دوں گی

تمہارے پر چاندی کے بنا دوں گی

میں تمھیں اُس علاقے کی نشانیاں بتا دوں گی

ایک جگہ جس کا نام باہُو ہے

اُس کی نچلی سمت

دور دراز سے آنے والا دریا ہے

ایک بہت گہرا کنواں ہے

جس کا پانی بہت میٹھا ہے

وہاں ایک تنے والا درخت ہے

محفل تین قطاروں میں جمتی ہے

ایک قطار میں لڑاکا بیٹھتے ہیں دوسرے میں عام بلوچ

اور پھر بہادر کلمتی

سب بیٹھ کر میٹنگ کرتے ہیں

اُن میں ایک خوش لباس شخص ہے

جو خوش لباسوں کا خوش لباس ہے

کیّاآ تو سیکڑوں میں نمایاں ہے

تیروں بھرے کمر بند نے اس کی کمر پتلی کردی

کندھے بھی کمان اٹھا اٹھا کر

کو کو بولتے ہوئے اس کی دستار پر بیٹھ جا

اُسے دوستوں سے الگ لے جا

میٹھے میٹھے انداز میں اس کے کان میں بتا

تمہاری محبوبہ نے سلام بھیجے ہیں

تم نے تو دو پانچ دنوں میں ملنے کا کہا تھا

(مگر) تین سال اور دو شش ماہ گزر گئے

او کیّاآ، بے قول

نہ آتے ہو نہ نظر آتے ہو

ایک سال عمر والے لیلے مکمل بھیڑ بن گئے ہیں

کم سن شتر بچے جوان ہو چکے ہیں

شادی والے دنبے بوڑھے ہو چکے

پسا ہوا آٹا کیڑوں سے بھر گیا

مہندی پرندے چگ گئے

تمہاری منگیتر کے دانت گرنے لگے

اگر تم نے کوئی اور محبوبہ بنائی ہے تو اُسے موت آئے

اس کی ماں کو سر درد پکڑے

سر درد اور موذی کھانسی

ایک نرم بخار اس پر حملہ کرے

مگر تمہیں شالا کچھ نہ ہو

کہ وہ تو میرا نقصان ہوگا ''

ہم پھر کچھ نہیں بولیں گے، اس لیے کہ بہتر بول نہیں سکتے۔ آیئے بہترین شاعری پڑھیں کہ پیغام سن کر کیّا پہ کیا گزرتی ہے:

ترجمہ:

صدّو کے پیغام آئے ہیں

راہ گیروں کے ہاتھ

موچی مجھے پاپوش سی دو

درزی میرے لیے لباس

میں نے اونٹوں کے رم سے چلنگ نامی مہاری منگوائی

تین دن صبح سے رات تک لگا کر

میں نے چلنگ کو، رم سے علیحدہ کر دیا

ایک اچھی ندی میں اسے نہلایا

میں نے آہستہ سے اُسے بٹھا دیا

اُس کی پشت کو رومال سے صاف کیا

میں نے پھول جڑے مہار کو

روپہلی نکیل کے ساتھ باندھ دیا

لڑکیوں نے اس پہ پاکھڑا رکھا

اُس کے نیچے باہو کی روئی سے بنا گدّا

میں سبزی مائل چلنگ پر بیٹھ گیا

آنا کڑوندی کے قریب

تیز رفتار مہاری کے ہونٹ گیت گانے کے انداز میں زیروبم ہوئے

اس کے قدم رقص کرنے لگے

ایک ساعت بھی نہ گزری

(کہ) میں نے بدبخت سارون وادی عبور کرلی

آنا کڑا میں داخل ہوا اور کم رقبے والی نگورو وادی میں

وہاں اَور نامی وادی میں اور "شنکانی در" نامی جگہ

دور سے آنے والی کارواٹ ندی

زیر نامی پہاڑ اور بگّانی پٹ نامی میدان

میں کوہِ کُمبی بائیں طرف رکھ کر سفر کرتا رہا

میں لک نامی درے پہنچا

کلمتیوں نے راستہ روک رکھا تھا

"احتیاط سے چلنگ، احتیاط سے"

چلنگ لڑکھڑا گیا اور دوبارہ سنبھل گیا

میں نے غصے سے اس کو چابک ماردی

مہاری جھک کر اس سے گزر گیا

باہو سے لے کر زرخیز بیلہ تک

اُس کے دو پڑاؤ کی مسافت بنی

اور پھر...... فردوسِ بریں، صدو کا گھر!!۔ کیّا کے لیے سکون کا گوشہ، راحت کا مقام۔ وہ محبوبہ کو یوں مخاطب کرتا ہے:

ترجمہ:

سو رہی ہو یا جاگ رہی ہو میری محبوبہ؟
اٹھ جاؤ میری محترمہ صدو!
سوئی ہوئی ہے سنگین پری صدو!
اپنے خوب صورت خیمے میں سو رہی ہے
میں چھپ چھپ کر آیا ہوں
اپنی قدح جیسی آنکھیں کھول!

تصور کیا جا سکتا ہے کہ جس محبوب کے لیے آپ برسوں انتظار کی تڑپ میں مبتلا رہیں، وہ اچانک آئے اور پہلو میں کھڑے ہو کر آپ کو نیند سے جگا دے.. تو آپ بھلا عیدالاضحیٰ کس کو کہیں گے!!:

ترجمہ:

کیّا، بہادر اور بے پرواہ تمہاری غیر متوقع آمد
اگر تم مجھے قبل از وقت اطلاع کر دیتے
(تو) میں میمن (دکاندار) منگواتی
سو چاندی کی اشرفیوں کی چیزیں خریدتی
بستی کی لڑکیوں کو بلواتی
مسک اور عطر چھڑکتی جاتی
سہیلیوں میں بانٹ دیتی
اپنی زلفوں پہ چھڑکتی
اپنا چہرہ چراغوں کی طرح روشن کرتی

محبوب کا جواب ہمیں معلوم ہے۔ ایسے فردوسی موقع پر ہر عاشق یہی کہتا ہے جو کیّا نے کہا تھا:

ترجمہ:

مجھے مسک و عطر نہیں چاہییں
مجھے تو تمہاری روح چاہیے
تمہاری روح اور تمہارا سڈول جسم
صرف تم ہی میری خواہش ہو

دونوں کی شادی ہو جاتی ہے۔ وقت مسرت و انبساط کا یونٹ بن جاتا ہے۔ چاندنی موسیقی بن جاتی ہے اور ستارے اُن کے لیے رقاص بن جاتے ہیں۔ فطرت کے سارے نکتے یک نکتہ ہو جاتے ہیں۔ گویا دھرتی بنی ہی اُس جوڑی کے لیے ہو۔

مگر...... غم تو خوشی کا ازلی ابدی ویری ہوتا ہے۔ کیّا سفر و حضر کے مردانہ کام میں گم، یہاں بیماری اس کی زندگی صدو کا گلا گھونٹ لیتی ہے۔ بس آخری گھڑی پہ پہنچ پاتا ہے، محض ماتم کرنے، محض مرثیہ کہنے!!

ترجمہ:

کل میں کیچ کی دل آرام وادی میں سے سفر کر رہا تھا
میں مولا کے دہانے آ رہا تھا
میرے پاس انار تھا اور خوشبودار الائچی
سامنے سے سحاق آ رہا تھا
میں نے الائچی آمیز منہ سے پوچھا،
''خوش آمدید سحاق، خیر خیریت؟''

”احباب کے بارے نہ پوچھو پریشان ہو جاؤ گے
لعل جیسی صدو بیمار پڑ گئی اور بے چینی میں چیختی رہتی ہے
باہو کے قریب پڑی کراہتی ہے
دردِ زِہ میں مبتلا ہے
اگر بیٹا ہو جائے تو اس کے بہادر و مضبوط ہاتھ ہوں گے
اگر بیٹی ہو جائے تو اس کا چاند سا چہرہ ہو گا
چاند چہرہ اور مانگ پہ سورج“

میں نے دوست سے زبردستی رخصت لی
میں نے چلنگ پر ڈنڈے برسانے شروع کیے،
”اے چلنگ، خدا کرے تمہیں غیر معمولی قوت و رفتار ملے
دوست کے آخری دیدار سے مجھے محروم نہ کر“
میں تیزی سے خیموں کے جھنڈ میں گیا
محبوبہ کی لمبی کراہیں آرہی تھیں
اگر نہ مرو اور اس بار بچ جاؤ
تو میں ہر سال فربہ جانور قربان کیا کروں گا
تمہارے سر درد دور کرنے بھورے رنگ کا دنبہ ذبح کروں گا
غلام آزاد کرالاؤں گا
(مگر) یاسمین کا پھول مرجھانے لگا
وہ پکے ہوئے لیموں کی طرح گر گئی
خدا اپنی اچھی بخشش واپس لے گیا
وہ اسے بندگاہ ندی لے گئے (غسل دینے)

وہ اس کے گلے سے ہار اور زیور اتارتے ہیں
اس کے ہاتھوں سے چوڑیاں اور چاندی کے زیور اتارتے ہیں
انگلیوں سے مندریاں
ستواں ناک کے زیور اتارتے ہیں
پیروں سے سانپ سر جیسے پازیب
پھر میری محبوبہ کو زمین پہ لٹایا
اسے سفید کپڑے میں لپیٹ دیا
بھائیوں نے محبت بھرے کندھوں پر اٹھالیا
اور دور میدان کے کونے تک لے گئے
اُس کے لیے ایک تنگ دہانے والی قبر کھود دی
لعل کو اس کے اندر لٹا دیا
اُس کے اوپر مٹی اور گارا ڈال دیا
بھائی ماتمی چبوترے پہ آئے
محبوبہ کی ماں روتی ہے، محبوبہ کے عزیز روتے ہیں
محبوبہ کی عزیز سہلیاں روتی ہیں
میں بھی اندر اندر رویا
آنسو میرے برف رنگ (سفید) چادر پر گرتے ہیں
رات میرے دانا خدا نے صبح کر دی
سیٹھوں کی ماہ رخ بیٹیاں باہر آتی ہیں
وہ اپنے ہار زیور، صاف کرتی ہیں اور بادام رنگ کے دوپٹے جھٹکتی ہیں
رنگین دوپٹے سر پر ڈالتی ہیں
مگر ان میں موجود نہیں لعل جیسی صدو

شیرین ودوستین

Shereen O Dostain

میر محمد اکبر قلندررانڑیں، میر محمد خان پیر دادانڑیں اور حاجی بختیار خان سومرانڑیں کا خیال تھا کہ یہ ہمایوں کا دور تھا۔ سردار خان بلوچ اُسے اکبر بادشاہ کا دور قرار دیتا ہے۔ اُس کی فوجوں نے بستی پر حملہ کردیا اور لال خان کی بیٹی شیریں کے محبوب اور منگیتر، دوستین رند کو گرفتار کر کے ہڑند کے مقام پر قید کرلیا۔ دوستیں جو ابھی نوجوانی میں داخل ہورہا تھا۔ بلوچ، گھڑسوار تو ہوتے ہی ہیں۔ لہٰذا حاکم نے دوستین کو اپنے بہان (گھوڑے کے بچے) کو تربیت دینے پر مامور کیا۔ اِدھر :

ترجمہ:

زنگی ہے میرا ابڑا
گوئہرام ہے میرا پکا دوست
سوگند ہے تری داڑھی کی
نئ نئ مونچھوں کے بالوں کی
سوگ میں ہے زیبرا کُش سیاہ
پانی نہیں پیتا چٹانوں کا
گھاس وسبزہ سندھ کا
چاہتا ہے محبوبہ کا خانہ بدوشی ٹھکانہ
چاہتا ہے خود مختار چراگاہیں

پٹوخ کا بہتا پانی
مارواڑ کا جوَ چاہتا ہے کھردرا
آرام سے سونے نہیں دیتا
خراسان سے ایک آدمی آیا
خرجین تلخ بھنگ کا
سربار قندھاری عطر ہیں
رندوں کے پیغاموں کے ساتھ
رندوں اور اُن کی خوبصورت گھوڑیوں کی
پکے سلام شیرین کے
کونارو پہ بادل برسے
دشت کا دامن اور منگوچر
سنی کا سرسبز علاقہ
ہزار امیدوں کا نیساؤ
ڈور کے پرخمار تالاب پہ لہریں
ٹیڑھی جیسے کماد کے ڈنٹھل ہوں
گوئن کے پتوں کی طرح لرزتے ہیں
مال داروں کو نقل مکانی سوجھی
بھیڑپال سحاق کے بیٹوں کو
مالکنوں نے مال سامان باندھ لیا
گواچیوں پہ لاد دیے
بانڑی کے دروں اور ناغاہو

اونٹوں کو بٹھایا
اور حسینائیں
حسینائیں خمار آنکھوں کے ساتھ
بھیڑیں خوشبودار گھاس سے شکم سیر ہوں
بلندی پہ گل لالہ کے حسین پھولوں سے
رِند سرسبز گندم سے
چرواہے پیز اور پونچ سے
مہری گوئن اور پوتاخوں سے
شیرین کے خیمے میں سیر نشستہ
نرمک کے زرخیزیوں
پکارتی ہے دِلسر دائی کو

وہ بال دھونے والا میٹ (صابن) اٹھاتی ہے
اور بارش کے تازہ شیریں پانی تک جاتی ہے
وہ اپنے بال کنگھی کرتی ہے، تیل لگاتی ہے
وہ اپنے گھنے بال دھوتی ہے
اور اپنے خیمے کو لوٹ آتی ہے
اور اُسے چاروں طرف سے بند کر دیتی ہے
خوب صورت چٹائی بچھاتی ہے
جھول کا ایک کونا اٹھاتی ہے
پھر تھیلے میں سے
نقرئی آئینہ نکال لیتی ہے

اسے اپنے سڈول زانوؤں پر رکھتی ہے
اس میں اپنا چہرہ دیکھتی ہے
اس کی خمار آنکھیں آبدیدہ ہوتی ہیں
آنسو تیز برسات کی طرح گرتے ہیں اور
سینے کے ابھاروں کو گیلا کرتے ہیں

اس کی سہیلیاں آتی ہیں اور اس سے کہتی ہیں:

ترجمہ:

اس کی قریبی سہیلیاں آتی ہیں
یہ خوب صورت لڑکیاں تعداد میں چالیس ہیں
وہ آتی ہیں اور اس کے پاس بیٹھ جاتی ہیں
اس کے دوپٹے کا پلو ہٹا لیتی ہیں
اس کے دل کا احوال پوچھتی ہیں
ارے بہن! کیوں تیری زلفیں دھندلائی ہوئی ہیں
تمہارا سرخ مامک (زیور) نیلا ہے
تمہارے گیسو گرد آلود ہیں
تمہاری قدح جیسی بڑی بڑی آنکھیں اشک بار ہیں

تب وہ اپنے زخمی دل کا زار زار حال بتاتی ہے:

ترجمہ:

وہ روتی ہے اور انہیں دھکیل دیتی ہے
دور ہٹو، اچھی لڑکیو

رہنے دو میری زلفوں کو دھندلائی

رہنے دو میرے گیسوؤں کو گرد آلود

میری قدح جیسی بڑی آنکھوں کو اشک بار رہنے دو

میرے کاغذ جیسے پتلے ہونٹوں کو نیلا پڑنے دو

جو شخص مجھے پیارا تھا

ترکوں نے اسے جادو کر دیا

وہ ہر طرح کی بدعاؤں کا شکار رہوا

مجھے تمہاری دوستی نہیں چاہیے

مجھے اس شخص کی دوستی حاصل تھی

جسے ترک دور لے گئے

مشہور شہر ہڑندیں

ایک عرصہ انتظار ہوتا ہے، مگر دوستین نہیں آتا۔ مجبوراً لال خان اپنی بیٹی کی منگنی کر دیتا ہے۔ اس نئے منگیتر کا نام بھی دوستین ہوتا ہے اور وہ بھی شیرین کے حسن کا پرستار ہوتا ہے۔ اسی دوران عید قریب آجاتی ہے۔ اُسی دن کے لیے تو دوستین نے شیریں کو کہلا بھیجا تھا کہ وہ مغلوں کی جیل توڑ کر اُس کے پاس ضرور پہنچے گا۔ شیریں منتظر ہے کہ:

ترجمہ:

خوب صورت ٹولی بنا کر رواں ہوتی ہیں رندلڑکیاں

پھول چُننے رواں ہوتی ہیں

وہ میٹھی آوازیں نکالتی آتی ہیں

نیک نیت کے ساتھ

خوش بودار بوٹی مئور توڑتے ہوئے

وہ گل لالہ چُنتی ہیں

کچھ کو خوب صورت سینے پہ سجا لیتی ہیں

کچھ کو زلفوں کے خوشوں کی چوٹیوں پر

کچھ محبوب کی نیت سے

ایک میری خاطر

اس نے توڑ لیا اور چُن کر اپنی مٹھی میں رکھ لیا

تا کہ میں اپنے دشمنوں سے محفوظ رہوں

اپنی سہیلیوں سے کہتی ہے

خدا کی درگاہ پہ دعا کے لیے ہاتھ اٹھالو

خدا ملک دوستین کو لے آئے

جو قول وعہد کا پابند ہے

اِس دوستین کو نہیں، پہلے والے دوستین کو

اور پھر عید آ جاتی ہے۔ حاکم کی زیرِ تربیت گھوڑی جوان ہو جاتی ہے اور عید کے جشن پہ گھڑ دوڑ کے لیے تیار۔ حاکم نے دوستین سے بہت پہلے قول لیا تھا کہ وہ فرار نہیں ہوگا۔ اِس بلوچ نوجوان نے اسے قول دیا تھا کہ وہ اس کی اجازت کے بغیر کبھی نہ جائے گا۔ جب گھڑ دوڑ کے لیے سوار تیار ہوئے تو دوستین نے حاکم سے کہا، ''سائیں موکل ایں'' (جناب اجازت ہے؟)۔ اس نے کہا، ''ہاں''۔ تب دوستین نے کہا، ''حاکم میں نے تمھیں قول دیا تھا کہ تمہاری اجازت کے بغیر نہیں جاؤں گا۔ اب تم نے ہاں کہہ دی ہے، اب میں اپنے وطن جا رہا ہوں''۔ یہ کہہ کر دوستین نے اپنی ہی تربیت دی ہوئی نوجوان گھوڑی کو ایڑ لگادی اور یہ جا وہ جا۔ ترک گھڑ سواروں نے اُس کا پیچھا کیا مگر تھک ہار کر اور اپنے گھوڑوں کی موت پہ بھی اسے پکڑ نہ سکے۔ (ابھی بھی مری علاقے میں ''گھوڑا ڈھنڈ'' نامی جھیل موجود ہے، جہاں ترکوں کے گھوڑے تھک کر گر گئے تھے اور اُن کی موت واقع ہوئی تھی)۔

دوستین اپنی محبوبہ کے وصال کی امید میں منزلیں طے کرتا جب بستی کے قریب پہنچتا ہے تو وہاں ایک چرواہا لڑکا اپنی بھیڑیں چرا رہا ہوتا ہے اور وہ رو رہا ہے۔ دوستین نے وجہ پوچھتی تو لڑکے نے کہا، ''میرے بھائی دوستین کی منگیتر شیرین کی منگنی دوستین نامی ایک اور نوجوان سے ہو چکی ہے اور آج اُن کی شادی ہے۔ میں اپنے قیدی بھائی کے لیے رو رہا ہوں''۔

دوستین نے اسے تسلی دی اور شادی کی تقریب میں پہنچا۔ وہاں رندوں سے اُس نے خود کو ڈومب (گلوکار) بتایا۔ رندوں کی فرمائش پہ اس نے وہی گانا گایا جو شیریں اور وہ مل کر بچپن میں گایا کرتے تھے۔ شیرین نے گانے کے بول پہچان لیے۔ وہ خوشی سے چلاّئی......:

''یہ ڈومب نہیں ہے، دوستین ہے''۔

تب لوگوں نے بھی اسے پہچان لیا۔ اُس سے اُس کی سرگزشت سنی۔ تب دوسرے دوستین نے بلوچی شان میں شادی کا سارا جشن اصل دوستین کے حوالے کر دیا اور خود شیرین سے دست بردار ہو گیا۔

دونوں میں بہادر کون تھا؟ اچھا انسان کون تھا؟ آپ اس کا جواب سوچیے، میں دعا میں شامل ہو جاتا ہوں:

ترجمہ:

گھوڑی شیر جیسی چھلانگیں لگاتی
دور دراز منزلوں پہ جانا
لاؤ اپنے اشراف مالکوں کو
باہم ملاؤ خوب صورت انسانوں کو
ماں باپ کی محبتوں میں
میٹھے بھائیوں کے سامنے بٹھانا
ملک دوستیں کو نصیب رہیں
محبوبہ کا دیدار اس کی خوراک رہے!

حمّل وماہ گنج

Hammal O Mahganj

زیرِنظر داستان میں حمّل رند ہیرو ہے۔ ہیرو، کسی خطے میں عوامی شباہت ووجاہت اور اُن کے شعور کا ترجمان ہوتا ہے۔ یہ بتانا برمحل ہوگا کہ حمّل کا زمانہ وہاں جوانی وجواں مردی، رقص وسرود، بہادری وشمشیرزنی، گھڑسواری وشکار اور دلبرباؤں محبوباؤں سے وابستگی کا دور تھا۔حمّل رند بھی محبت میں دھنسا ہوا نوجوان تھا۔اُس کا محبت نامہ بلوچ کلاسیکل ادب میں ایک ایسا دلکش ٹکڑا ہے جو آپ کو بہت دیر تک اپنی گرویدگی کے رسے سے باندھے رکھتا ہے۔

محبوبہ کے ساتھ وصل وملاقات ہوئی۔ جب اجازت کا وقت آیا،تو محبوبہ نے حمّل سے پوچھا، اب جارہے ہو تو پھر کب آ ؤ گے؟۔ اس نے کہا ساتویں دن پھر آؤں گا۔ سات دن سے مدت جب بڑھنے لگی اور حمّل کے آنے کے آثار نہ دیکھے تو محبوبہ بے چین ہوگئی۔ بے قرار گھڑیاں کم بخت گزرتی کہاں ہیں؟۔ ہر پل بے کراں پہاڑ بن گیا، ہر لمحہ ابدیت ہر منظر ہر رنگ وحشت بن گیا اور ہر گُل منہ چڑانے والا ویری بن گیا۔ وہ دزگِند (دست گِند) یعنی پامسٹ بڑھیا کے پاس گئی، اس سے کہا:

ترجمہ:

(وہ کہہ گیا تھا کہ)

'میں ساتویں دن آجاؤں گا'

مگر سات، کیا چودہ دن گزر گئے

نہ خود آیا نہ کوئی رازدان بھیجا

نہ ہی اس کے سرسبز سلام آئے

جاؤں گی دست شناس بڑھیا کے پاس

اے دائی! جلدی جلدی میرا ہاتھ دیکھ

دیکھ میرا ہاتھ اور بتا

حمّل نے آمد میں دیر کیوں کر دی؟''

بڑھیا نے اس کا ہاتھ دیکھا۔ ارے ہاتھ تو ایسا بے برگ و ویراں جیسے قحط سالی میں کو لپور کا دشتِ بے دولت ہو۔ اب وہ کیا کہتی؟ ظاہر ہے اُس نے اپنے علم کے مطابق چلنا تھا۔ مگر وہاں تو حتمی طور پر صرف "No" لکھا تھا...... اور ایک ناامید انسان کی ناامیدی مزید بڑھانا کتنا اذیت ناک فعل ہوتا ہے؟۔ لہٰذا پامسٹ خاتون نے بغیر کسی اگر مگر کے کہہ ہی دیا:

ترجمہ:

(تمہارے ہاتھ پہ) نہ تو تمہارا محبوب نظر آ رہا ہے

اور نہ ہی اُس کی آمد نظر آ رہی ہے

ممکن ہے اُس نے بستی میں کسی دوسری سے دوستی کر لی ہو

(یا) وہ پیسے کے معاملات میں الجھ گیا ہوگا

(یا) مویشی کی تجارت میں مصروف ہو گیا ہوگا

یا اُس کا دل خاندانی معاملات میں لگ گیا ہوگا

یا پھر اُس کی پیاری گھوڑی لاغر اور کمزور ہو گئی ہوگی

محبوب کا مقررہ وقت (درائی) پر نہ آنا تو بہت تشویش ناک ہوتا ہے۔ حمّل کا طے کردہ روز موجود نہ ہونا حادثہ سے خالی نہ تھا۔ خدشات نے خدشات میں اضافہ کر دیا۔ بے بسی بددعاؤں تک گھسیٹ لائی اور محبوبہ نے بددعا دے ہی ڈالی:

ترجمہ:

اس سے دوستی کرنے والی عورت کو خدا کرے ناگ ڈس لے
خدا کرے اس کا ہاتھ سوداگری والے مویشی کے لین دین کے قابل نہ رہے
اس کا دل شالا خاندانی معاملات سے اچاٹ ہو جائے
اس کی لاغر اور کمزور گھوڑی خدا کرے مردار ہو جائے

مگر یہ سب وسوسے صحیح نہ تھے۔ محبوبہ کے سارے خدشات غلط تھے۔ پامسٹ کی ساری تعلیم و معلومات غلط تھیں۔ بھلا عاشق کبھی گھریلو بن سکتا ہے؟' مینڈھوں کی تجارت میں مصروف ہوسکتا ہے؟۔ ناممکن! حمّل کو تو ایک اور مسئلہ درپیش ہوا، جس نے اُسے کسی کام کا نہ چھوڑا تھا۔ وہ جکڑ چکا تھا:

ترجمہ:

خدا خود جانتا ہے مشکلات نے مجھے روکا
زیادہ ترمون سونی بادلوں بارشوں نے
سیلابی دریا تو شیر ہیں (محبت بھرے دلوں کے) بیچ میں غرّاتے ہوئے
معمولی نالے نہیں کہ ان کا چکر کاٹ کر آؤں
مختصر ندی تو ہے نہیں کہ اسے پھلانگ کر گزروں
یہ وہ عظیم الشان سوری دریا ہے
جسے گھوڑے غلہ کے زور سے پار کرسکیں
یا عاشق، نوجوانی والی دلاوری سے

محبوبہ سے ملنے کو بے تاب یہ نوجوان عاشق عجیب ترکیبیں کرتا ہے۔ وہ اپنی گھوڑی سے یوں کہتا ہے:

ترجمہ:

چَر لے، اے میری گھوڑی قندھاری جَو نوش کر
محبوبہ کے پیغام خوب ذہن نشین کر لے

دنیا میں ہر حمّل اپنی محبوبہ سے ملنے کی تیاری کرتا ہے۔ ذرا اِس عاشق کی تیاری تو دیکھیے؛

ترجمہ:

اسلحہ سے مسلح ہو کر میں مل (نامی اپنی گھوڑی) کو تیار کرتا ہوں
چادر سے اُس کی پشت صاف کرتا ہوں
اس کی ہاتھی جیسی پشت پر زین رکھتا ہوں
پھر زین کے بیلٹ کو محبوب کے ارادے سے باندھتا ہوں
(میں نے) اس کے شیر جیسے نیشوں میں لگام ڈال دی

اور پھر وصلِ یار کے لیے سفر' مسافرت۔ حمل اور اُس کی گھوڑی، اور اُن دونوں کی وہی جانی پہچانی راہیں:

ترجمہ:

سبزہ زاروں میں سے گنگناتے ہوئے گزرتا ہوں
قبائل کے لیے سردار اچھے ہوتے ہیں
میرے پیر سفید رکابوں میں
میرا ایک ہاتھ مل کے سُرمگیں باگ پہ ہے
دوسرا ہاتھ اپنی بڑی بڑی مونچھوں پہ

گھوڑی ٹاپوں کی آوازیں پیدا کرتی جاتی ہے، میں سنتا جاتا ہوں
ہم دونوں دنیا کو بھولتے جاتے ہیں

اب آئیے ہم ایک ایسے فیصلے تک پہنچ جاتے ہیں جو فیصلہ پوری دنیا کا ہر عاشق نوجوان کرتا ہے، مگر اِس قدر حسین پیرائے میں اِس کا بیان کرنا شاید ہم نے نہ دیکھا ہو:

ترجمہ:

مل اور محبوبہ مجھے ایک ہی دل سے پیارے ہیں
مل ذرا کم اور محبوبہ ذرا زیادہ
محبوبہ تو راتوں کے وصل کے لیے ہے
مل عقابی اڑان کے لیے
وہ (مل) تو میرے دکھوں کا ستم اٹھانے والی ہے
مل مر جائے تو محبوبہ کی بلائیں لے
میں مر جاؤں تو بن پوچھے بہشتی ہوں

محبت کی راہ میں مر جانے والے سے بھلا کیا سوال کیا جواب! ارے وہ تو بن پوچھے بہشتی!!...... چنانچہ یہ دونوں من موجی مست و رقصاں محوِ سفر ہیں۔ کوئی غم نہیں کوئی فکر نہیں۔نظریں، سماعتیں، سوچیں سب وصلِ یار پہ مرکوز۔اچانک:

ترجمہ:

جب میں سنّی کے درے کے دہانے تک آیا
(تو) ہرن گردن گھوڑی بدک گئی
اُس کی دُم اور اس سے بندھی بیلٹ نیچے ہوئے

اس کا سر ہرات میں بنی لگام کے ساتھ
پیچھے ہٹتی جاتی ہے، آگے نہیں بڑھتی
میں نے اپنی سرخ آنکھوں کے ساتھ غور سے دیکھا
میرے سامنے کوئی کالی چیز ابھرنے لگی
میں نے سوچا کھیت کے ٹوٹے ہوئے منڈیر کی سیاہی ہے
یا کھیتوں میں سے کاٹے گئے درخت کا تنا ہوگا
یا پھر، وہ گایوں کو تلاش کرتا کوئی جمالی ہوگا
جو اپنی گمشدہ گائیاں تلاش کر رہا ہوگا
یا پھٹی چادر والا کوئی چرواہا ہوگا
یہ نہ جانا کہ یہ تو بدمست شیر ہے
(جو) آ کر میری راہ پہ کھڑا ہو گیا
اور ہمارے انتظار میں ہے

اب ذرا دیکھئے شیر اور انسان کا مکالمہ۔ جی ہاں، دیکھیے کہ شیر کیا کرتا ہے، یہ دیکھیے کہ شیر کے مقابل وہ جواں مرد کیا کرتا ہے:

ترجمہ:

چیلنج میں نے کیا، نعرہ شیر نے لگایا
اُس کی چنگھاڑ سبز درختوں کو جھنجوڑ ڈالتی تھی
اس زور سے کہ اُن پہ لگے میوے گر جاتے ہیں
"آ، بزدل، گھوڑی سے ہاتھ دھو بیٹھو گے
توبرا اور اپنی مشکیزہ لیے واپس گھر جاؤ گے

(بھگوڑے پن کی سزائیں) عورتیں چپیت مار مار کر اندھا کر دیں
ننگے پیر، چھالوں بھرے
یا تمھیں بغیر گدے کی چٹائی پر بٹھا دیں گی''

حمّل اب سمجھ جاتا ہے کہ وہ محبوبہ کے چوکیداروں سے مڈبھیڑ ہونے سے قبل ہی سر کی بازی لگانے کی صورتِ حال سے دوچار ہے۔ ارے یہ تو شیر ہے جو اُسے ڈوئیل کا چیلنج بھی دے بیٹھا۔

حمّل تو ہیرو ہے، وہ میرے تیرے جیسا جواب تو نہ دے گا۔ اس نے تو غیر معمولی بات کرنی تھی، سو وہ غیر معمولی انداز میں جواب دیتا ہے:

ترجمہ:

''ارے نہیں، اے شیر کے نادان بچے، نہیں
میں تو بروں اور مشکیزہ لے کر بھاگنے والا شخص نہیں ہوں
نہ ہی عورتیں چپیت مار کر اندھا کر دیں'
نہ چھالوں بھرے ننگے پیروں کے ساتھ'
وہ مجھے بغیر گدے کے چٹائی پر بٹھا لیں گی
میں تو اُس ہوت کا چھوٹا بھائی ہوں
جو نیلگوں تلواریں ڈھب سے چلاتا ہے
اور جس نے ایک ہی وار میں دو دو شیر کاٹ ڈالے تھے

اس واقعے کے نشاں کلچاث (ڈیرہ غازی خان میں گورشانڑیوں کا علاقہ) کے درے میں موجود ہیں۔

اور پھر حمّل حملہ کرتا ہے۔ وہ تو اشرف المخلوقات ہے، اس کے پاس دماغ ہے، ہاتھ ہیں۔ اوزاروں میں گھوڑی ہے، تلوار ہے، تیر کمان ہے۔ شیر بے چارہ تو محض درندہ ہے، بقیہ بالا چیزیں اس کے نصیب میں کہاں؟!

ترجمہ:

ہم نے وسیع چادر بچھادی
پتلا کمر بند اُس پہ خالی کردیا
جگر بُر خنجر نکالا، اُس پہ رکھا
جو بھی سانپ جیسی میری کمان سے ہوسکا
حمل کی ماہر نشانہ بازی والے تیر
سب کے سب شیر نے سینے پہ سہے
شیر رُکا نہیں اور گرتا پڑتا آتا ہے
مگر وہ پہلے کی طرح چست نہیں رہا
النڑ لوہار کی آبدار بنائی ہوئی تلوار مجھے
بھائیوں، بھتیجوں جیسی تسلیاں دیتی ہے
"گھبراہٹ میں ہاتھ نہ کانپیں، دل نہ گھبراجائے
ایک بار مجھے زنجیر جیسی چیز پر چلادے
اُس کی گردن ایک ٹوٹی ہوئی بید کے سرے کی طرح دور پھینک دوں گی
لیلے باندھنے کی جگہ تک جاگرے گی
تم نہ چلاؤ تو تم طعنے سہو
میں نے نہ اڑادی تو میں طعنے سہوں"

خدا کی قدرت حمل اور شیر کی اِس جاری خونریز جنگ کی خبر محبوبہ کی بستی تک پہنچتی ہے اور نادان خبر رساں نے محبوبہ کو بتا دیا کہ حمل اور شیر کے بیچ جنگ جاری ہے:

ترجمہ:

بیر کھانے والے غریبوں نے خبر پہنچادی
گایوں اور بھیڑ بکریوں کے چرواہوں نے
(محبوبہ کی) بستی کے بے خبروں کو
کہ حمل اور شیر کے بیچ جنگ چھڑی ہوئی ہے
یہ معلوم نہیں کہ فتح کس کی ہوئی
ہمل کی سیاہ گھوڑی، لاوارث، چراگاہوں میں ہے
اس کی باگ پیٹھ پہ یونہی لٹک رہی ہے

گھوڑی بن مالک کے' ڈھیلی لگام کے ساتھ گھومتی ہو تو صاف ظاہر ہے کہ مالک زندہ نہیں ہے۔ماتم کروانے والا مظہر۔اب تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہ خبر سن کر حمل کی محبوبہ کی کیا حالت ہوئی ہوگی:

ترجمہ:

بستی کی خوش خراموں میں سے، ایک اچھی عورت کُرلاتی ہے (ماتم کرتی ہے)
اپنے مہندی والے ہاتھ بلند کرتی ہے
اور اپنی نازک رانوں پہ مارتی جاتی ہے
"ہائے مجھ پہ، ہائے میرے عورت پن پہ
حمل کو میں نے مہلک مصیبت میں ڈال دیا ہے"

لیکن راز داں چھوٹی بہن منظر نامہ میں نمودار ہوتی ہے۔ وہ اسے دلاسہ دیتی ہے اور یقین دلاتی ہے کہ:

ترجمہ:

اس کی چھوٹی بہن اسے تسلی دیتی ہے
کہ ''عاشق نوجوان اور شکار کرنے والے شیر
دونوں ایک دوسرے کے دائمی دشمن ہیں
حمل آئے گا، اُسے خدا لائے گا''

حمّل بالآخر شیر کو مار دیتا ہے اور اس خدشے سے کہ کوئی اور بزدل اسے مارنے کا دعویٰ نہ کر بیٹھے، وہ اس کا داہنا پنجہ کاٹتا ہے اور گھوڑی کی زین سے باندھ کر ساتھ لیتا ہے:

ترجمہ:

میں نے شیر کا دایاں پنجہ کاٹ لیا
اُسے مل کی زین کے ساتھ مضبوط باندھ لیا
ایسا نہ ہو کہ کوئی اور جواں مرد اپنا منہ ٹیڑھا کر دے
اور مونچھوں کے نیچے سے مسکرا کر کہہ دے
''کہ حمل کو تو گھوڑی کی سبک رفتاری نے شیر سے بچا لیا
گُڑ خور کم سن گھوڑی کی تیز رفتاری نے''
میں کاٹ کر لایا شیر کا داہنا پنجہ
لا کر تمہارے بیٹے کے پنگھوڑے پہ ٹانگ دیا

شیر سے مقابلہ کرنا، خنجر و تلوار سے اسے مار ڈالنا اور نشانی کے بطور پنجہ کاٹ کر محبوبہ کے بچے کے پنگھوڑے پر ٹانگ دینا بہادری، جواں مردی اور محبت کی انتہا ہوتی ہے۔

......اور پھر سروں کی بازی لگانے والا محبوب اپنی محبوبہ کے پاس۔ کیا شان دار استقبال ہوا ہوگا۔ کیا بے مثال وصل ہوگا!......اور پھر واپسی کا سفر۔

ترجمہ:

ہم جلدی واپس ہوئے، میرے پیروں کے حالیہ نشان موجود تھے
(میں نے دیکھا) مردہ شیر کیچڑ میں اوندھا پڑا تھا
ہونٹوں پہ چیونٹیاں جمع ہیں
شیر اب مزید سوری نامی ندی کے بارہ سنگھے نہیں کھائے گا
نہ ہی سندھ کی سفید دموں والی گائیوں کو
اور نہ ہی خوب صورت ہرنیاں

عزّت و مہرک

Izzat O Mehrak

عزّت اللہ، جسے عرفِ عام میں عزت کہا گیا ہے، پنجگور کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوا۔ اس کے کلام سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ میر للہ کے اس قابلِ فخر بیٹے نے عربی، فارسی زبانوں کا درس بھی لیا تھا۔ خاندانی طور پر عزت اللہ سنار کے پیشے سے وابستہ رہا، مگر جب عشق کی جوالا بھڑک اٹھی تو کام کا یہ آدمی کلی طور پر شاعری کے حوالے ہو کر رہ گیا۔ البتہ سوزِ دل کا چارہ کرنے کے لیے بہت سے ملکوں اور علاقوں کی سیاحت کا ذکر اس کے کلام میں ملتا ہے۔

میں حق کا متلاشی ہوں

دینِ مصطفی پر قائم ہوں

میں کہ عزت بنِ للہ ہوں

شئے مرید کی طرح آتشِ عشق میں جل رہا ہوں

کشکول و عصا لیے کابل کے فقرا کی طرح

گداگری کرتا ہوا ہر شہر گھوما

مگر مہرک کو نہ پایا

پنجگور سے جیونی اور وہاں سے کابل اور غزنی، گنداواہ اور علاقہ مری

سرباز سے پیردان اور وہاں سے سیستان تک

مگر مہرک نہ ملی

یہ اشعار اس زمانے کے ہیں جب عزت اپنی محبوبہ مہرک کو کھو چکا تھا، اور درٗ در گدائی

کرتا ہوا ملک ملک گھومتا تھا کہ سوزِ دروں کچھ کم ہو۔ عزت اللہ بلوچستان کے مشہور و معروف شاعر ملا فاضل کا ہم نشین اور چاکر و شاگرد تھا۔ ملا فاضل رند کا مسکن اگرچہ مند مکران میں پیشن کا قصبہ تھا، مگر وہ ایران کی سیر و سیاحت کے دوران پیردان نامی شہر سے گزرا تو میر سامک نام کے ایک متمول گھرانے میں مہمان بنا۔ یہاں اس نے مہر خاتون دیکھی، جس کے حسن کا چرچا پورے علاقے میں تھا۔ ملا فاضل چوں کہ عمر رسیدہ تھے، اور چہرہ مہرہ بھی اس قابل نہ تھا کہ وہ مہر خاتون کے قرب کے آرزومند ہوتے۔ جب وہ اپنے علاقے میں آئے تو مہر خاتون کی خوب صورتی پہ اشعار موزوں کیے۔ یہ اشعار سن کر عزت اللہ کا آرام و سکون ختم ہو گیا۔ وہ ایرانی بلوچستان کے شہر پیردان کو روانہ ہوا۔

پیردان میں وہ ایک تاجر کے بھیس میں وارد ہوا تاکہ وہ میر سامک کی اکلوتی بیٹی کا دیدار کر سکے، جو اپنے چچا زاد سے منسوب تھی۔ عزت، مہر خاتون کے باپ کا مہمان بنا تاکہ مہر خاتون یعنی مہرک کو آسانی سے دیکھ سکے۔ اس کی یہ کوشش کامیاب ہوئی اور دونوں محب و محبوب باہم آشنا ہوئے۔ تب عزت نے مہرک کے رشتے کے لیے نامہ و پیام کا سلسلہ شروع کیا۔ پہلے تو مہرک کے والد سامک نے اسے اہمیت نہیں دی۔ جب اصرار بڑھ گیا تو میر سامک نے عزت سے رشتہ اس شرط پر قبول کیا کہ وہ جس قدر مال و متاع طلب کرے گا، عزت کو فراہم کرنا ہوگا۔ کہتے ہیں کہ میر سامک نے دس جواں سال غلام اور کنیزیں، سو بھیڑیں، سات گائیں، پانچ ہزار نقدی، بہت سے جوڑے کپڑوں کے، زیورات اور شادی کا خرچ طلب کیا، جسے عزت نے منظور کیا اور یہ مہلت مانگی کہ وہ اپنے علاقے پہنچ کر اس کا انتظام کرے گا۔ میر سامک نے اسے یہ مہلت دے دی۔

عزت پنجگور لوٹ کر آ گیا، اور مال و متاع کی جمع آوری میں مصروف ہو گیا۔ داستان گو بتاتے ہیں کہ میر سامک کی نیت میں فتور تھا۔ وہ عزت کو دھوکہ دے کر برباد کرنا چاہتا تھا مگر ہوا کچھ اور ہی۔

مہرک اپنی سہیلیوں کے ساتھ ندی پر بال دھونے گئی تھی کہ اسی اثنا میں ایک قافلہ پیردان آرہا تھا۔ قافلہ جب قریب آیا تو ساری لڑکیاں چوکڑیاں بھرتی ہوئی بھاگ کھڑی ہوئیں۔ مہرک وہاں سے اٹھ نہ سکی کہ بال دھورہی تھی۔ جب قافلے کے غیر مردوں کی آوازیں قریب ہوئیں تو مہرک نے اپنے بال کھول کر چھوڑ دیے، جس کے باعث وہ مکمل ڈھک کر رہ گئی۔ دور سے وہ بالوں کا ایک جھاڑ نظر آنے لگی۔ قافلے میں ایک شخص ایسا تھا کہ قریب آ کر اس جھاڑ میں سے خوبرو دوشیزہ کو تلاش کرنے لگا۔ جب اس نے مہرک کا چاند سا چہرہ دیکھا تو لاشعوری طور پر اس کے منہ سے 'واہ' کی آواز نکلی۔ روایت ہے کہ اس نے نظر مہرک کو کھا گئی۔ مہرک گھر پہنچی تو پہلے اسے تیز بخار رہا۔ پھر چیچک نکل آئی۔ ہفتوں بیمار رہ کر وہ چل بسی۔ اس کا والد سامک اس کے غم میں دیوانہ ہو کر اس کی قبر کا مجاور بن بیٹھا۔

عزت، اس افتاد سے بے خبر میر سامک کی طلب کردہ دولت جمع کر کے پیردان پہنچا۔ راستے میں وہ قبر نظر آئی، جہاں مہرک دفن تھی اور اس کا باپ مجاور بنا بیٹھا تھا۔ صورت حال کا علم ہونے پر، عزت پہ گویا بجلی گر پڑی۔ اس نے اپنی تمام مال و متاع لٹا دی اور درویشی اختیار کر کے شہر شہر، قریہ قریہ نکل پڑا۔ اور باقی عمر مہرک کی یاد میں نغمے گاتا رہا۔

اس کی تمام تر شاعری کا مرکز و محور مہرک ہی ہے۔

ترجمہ:

جھونپڑے کی نازک اندام پری\
چاند سورج کی تمثال\
میں تیری مدحت کرتا ہوں\
کاش تو مجھے میزبانی کا شرف بخشے\
میں دل و جاں نثار کر دوں\
اور تجھے آنکھوں پہ بٹھا لوں

شبِ رفتہ ہر چند میں محوِ خواب تھا

مگر خواب میں بھی دل بیدار تھا

میری جان اور میرا جگر جل رہا ہے

یہ دنیا تہس نہس ہو جائے

میں دورانِ خواب

اپنی مشک بو مہرک کا طلب گار ہوں

جی چاہتا ہے کہ اس کی خوشبو سے

مخمور رہوں

مجھے اپنی محبوبہ کی ناگہانی موت کا

شدید صدمہ ہے

اور یہ صدمہ مجھے محشر تک یاد رہے گا

یہ جانتے ہوئے بھی کہ

موت خدا کی طرف سے مقرر ہے

میں ہر صبح درودِ اکبر کا ورد کرتا ہوں

میرا دل بلبل کی طرح مبتلائے فغاں ہے

خدا تعالیٰ کی ستائش کے بعد

نعتِ رسولِ اکرم زبان پر ہے

چار یار کو سلام پیش کرتا ہوں

میرا دل بادہ امامین عام مقام کی یاد میں محو رہتا ہے

میں کہ ایک بندۂ عاصی ہوں

شاید سلطان مجھ پر رحم کرے
میں نے دیکھا ہے کہ نیلی اندام
جو شمس کو بھی ماند کر دے
اور ستارۂ صبح کے وجود کو بھی شرمائے
وہ خوشبوؤں سے اپنی زلفیں معطر کرنے والی
اور مشک وعود سے بالوں کو سنوارنے والی
اس دل ربا کے دونوں ابروؤں کے نیچے
آنکھوں کے دو چراغ
وہ اپنی لطیف خرامی اور اداؤں سے
بازرِ ہند کے جلوؤں کو شرماتی ہے
وہ جو اپنی پوشاک کو کافورِ چین سے مزین کرتی ہے
یہ کفر کہلائے گا کہ مہرجان کی عشوہ گری کو
ایمان والوں کے لیے امیرِ غارت کہوں
جب بھی وہ ہار سنگھار کر کے نکلتی ہے
آہوئے تتار کی طرح مجھ سے رم خوردہ ہے
میں تو مست، مئے پرست ہوں
دلبر کر مجھ سے کیا غرض
تنگ دست ہوں، اس لیے وہ مجھ سے دور رہتی ہے
گل اگر بلبل کے نصیب میں ہو تو
وہ شاہوں کی ہمسری نہ کرے
عزت، بلبل کی طرح فغاں بر لب ہے

کامیابی اللہ کے ہاتھ میں ہے
وہی سب کچھ کرسکتا ہے

آؤ میرے عزیز دوستو
میرا دل ایک قصہ بیان کرتا ہے
روز میرا وجود مبتلائے غم ہے
خداوندِ کردگار سے فریاد کناں ہے
نعتِ رسول آخرزماں
آپ پر سو درود اور سو سلام
یہ خدا تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ ہے
خاک سے نور پیدا کرتا ہے
میں نے جس دن سے گل اندام کو دیکھا ہے
صبر و قرار کھو بیٹھا ہوں
میں ایک مجنوں کہ جس کا کوئی سر پرست نہیں
جب کہ مہرک خود کو لیلیٰ کرتی ہے
میں ہوں فرہادِ سرگشتہ
مہرک خود کو شیرین سمجھتی ہے
میں ہوں شئے مرید
مہرک، حانی ہوئی ہے

مست وسمو

Mast O Sammo

مست وسمو کی داستانِ عشق، نسبتاً جدید بلوچی کلاسیک میں شمار ہوتی ہے۔ اس داستان کا اکثر حصہ خود مست توکلی کی دل پزیر شاعری میں موجود ہے۔ مست توکلی کی یہ شاعری بلوچستان کے پہاڑوں، قصبوں اور قریوں میں آج بھی نہایت مقبول و معروف ہے۔

کوہِ سلیمان کے قرب میں واقع کوہلومری قبائل کا گڑھ رہا ہے۔ اسی قبیلے کی لوہانی شاخ کے محمدانی درکانی صف میں مست توکلی کی ولادت ۱۸۳۱ء میں لال خان کے ہاں مانڑک بند نامی قصبے میں ہوئی۔ اس کا چھٹی کا نام سہراب خان رکھا گیا۔ لیکن چوں کہ سردار گھرانے میں ایک بزرگ کا نام سردار خان تھا، اس لیے قبائلی رواج کے مطابق احتراماً اسے توکلی کے ساتھ بدل دیا گیا۔ بعدازاں سمو کے عشق میں غرقابی نے 'مست' کا لاحقہ لگوا کر اسے مست توکلی بنا دیا۔

مست ایک ناخواندہ دیہاتی تھا۔ مسیں بھیگیں تو کسبِ معاش کے لیے رائج رسوم کے تحت اس نے بکریاں چرانا شروع کیں۔ بکریوں کے ان ریوڑ کے ساتھ کبھی وہ 'بیہو'، کبھی جاندران کی چوٹیوں اور کبھی **بھٹنڑ** کی چراگاہ میں جا پہنچتا۔ اس دوران اوائل عمری میں ہی اس نے شعر موزوں کرنا شروع کر دیے تھے۔ اسی لیے اس کے کلام میں ان کہساروں اور وادیوں کا تذکرہ کثرت سے ملتا ہے۔ حتیٰ کہ ایسے ہی پہاڑی مقام پہ وہ موسیٰ کی طرح دیدارِ یار کا شکار ہوا اور عشق کا مستقل روگ لگا بیٹھا۔ اس واقعہ کا تفصیلی تذکرہ بھی ہمیں اس کے اپنے کلام میں ملتا ہے:

ترجمہ:

پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ

کوہِ درا بھانی پر موسلا دھار بارش ہوئی

رعد کی گرج چمک اور بادلوں کی گڑ گڑاہٹ میں

بارش سے بچنے کے لیے، ایک اوٹ کی تلاش میں

دُور ایک بستی کے چند گھر نظر آئے

سوچا، چلو اس خیمے کی طرف، جہاں حوروں کا مسکن ہے

ہتھیار بھی بھیگنے سے بچ جائیں گے

بادل لہرا لہرا کر رقص کر رہے تھے

(وہاں پہنچا تو دیکھا)

طوفانِ بادو باراں سے

خیمے کی طنابیں اکھڑ اکھڑ رہی تھیں

ہوا اور تیز بوندوں نے اس کی اوڑھنی اڑائی

سینے کے پھولوں نے روح میں ہلچل مچائی

میری آنکھوں نے یہ نظارہ دیکھا

جیسے نرگس بہم ٹکرائیں

چہرہ دن کی طرح روشن اور تاب ناک

زلفیں کالی ناگن کی طرح کنڈلی مارے

میرا دل اسی روز سے جنوں آشنا ہوا

ہر چیز سے بیزار، صرف اسی کی مدہوشی میں

ان اشعار میں اس نے وہ سارا واقعہ مذکور کر دیا ہے، جس نے اسے توکلی سے مست بنا دیا ہے۔ روایت ہے کہ توکلی اپنے معمول کے مطابق بکریوں کے ریوڑ ہانک رہا تھا کہ کوہِ دربھانی پر گھیرے بادل گھر آئے۔ شکار کا شائق توکلی تند و تیز ہوا کے تھپیڑوں میں گھر کر رہ گیا۔ وہ بارش سے بچنے کے لیے پناہ گاہ کی تلاش میں قرب و جوار کا جائزہ لے رہا تھا۔ دور ایک بلوچی خیمہ نظر آیا۔ توکلی اس خیمے کی جانب روانہ ہوا۔ خیمے کے قریب پہنچا تو دیکھا کہ باد و باران سے خیمہ زمیں بوس ہونے کو ہے۔ خیمے میں اس وقت صرف خاتونِ خانہ سمو تھی، جو خیمے کو گرنے سے بچانے کے لیے لکڑیوں کو تھامے ہوئے تھی۔ اس جدو جہد میں سمو کی اوڑھنی ہوا اڑا کر دور لے گئی۔ سمو کی ایک جھلک نے توکلی پر قیامت ڈھا دی۔ دو نین، نرگسی نینوں سے ملے۔ دو بے قرار آنکھوں نے اس چہرے کا نظارہ کیا جو دیے کی طرح روشن و تاباں تھا۔ ناگن جیسی زلف لہرائی، سینے کے پھولوں نے مست کی روح میں ہلچل مچا دی۔ اس کے جنوں آشنا دل نے سمو کی محبت کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا۔ اس کے بعد پھر توکلی، توکلی نہ رہا، مست بن گیا۔ اور قریہ قریہ سمو کے حسن کے ترانے گاتا رہا۔

ایک قبائلی سماج میں کسی عورت سے تعلق کا اظہار وہ بھی شاعری میں جو آناً فاناً چہار سو پھیل جائے، سمو کے خاندان اور سسرال کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔ سمو ایک شادی شدہ باعزت پاک دامن خاتون تھی، اس لیے پہلے سردار کے ہاں شکایت کی گئی۔ سردار، مست کی حالت سے خوب آشنا تھا، اس لیے اس نے مست اور سمو کو ایک دوسرے کے سامنے بٹھا کر یہ ثابت کیا کہ مست کسی عورت کا عاشق نہیں بلکہ سمو ایک تشبیہ یا استعارے کا نام ہے، کیوں کہ سمو کو سامنے پاتے ہی مست ایک چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔

لیکن قبیلے کے کچھ شر پسند لوگ باز نہ آئے۔ انھوں نے طے کیا کہ مست کو سمو کے دیدار کا چکمہ دے کر پہاڑ کی بلندی پر لے جایا جائے اور وہاں سے نیچے پھینک دیا جائے۔ پھروئی قبیلے کے گدا نامی شخص نے یہ رزیل حرکت کی۔ مست کو پہاڑ کی اونچی چوٹی پر لے کر جا

کر وہاں سے دھکیل دیا۔ روایت ہے کہ مست کاغذ کے پرزے کی طرح اڑتا ہوا زمین پر آیا۔ اسے ہلکی سی خراش بھی نہ آئی۔

ایک اور حلقے نے امتحان کی غرض سے ایک آبرو باختہ عورت موراں سے ساز باز کر کے اسے تنہا مست کی خواب گاہ میں پہنچا دیا۔ بعد ازاں اس عورت نے حلفیہ بیان دیا کہ تمام تر کوشش کے باوجود مست نے اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔ مست نے خود اس واقعہ کا تذکرہ اپنے کلام میں بھی کیا ہے؛

ترجمہ:

منزلِ مقصود پر پہنچنے کی غرض سے ایک راہ پر ہو لیے
کچھی کے ایک آباد شہر سے گزرا
جی میں آیا کہ ڈیرہ کے بازار کی سیر کی جائے
طوائفوں میں موراں کی بڑی شہرت ہے
وہ چودھویں کے چاند کی طرح نمودار ہوئی
مون سون کے بادلوں کی طرح رقصاں آئی
زلفیں خوشبو میں بسائے ہوئے
عطر اور کستوری سے مہکتی ہوئی
اپنے حسین سراپے کے ساتھ آ کر کہتی ہے؛
'میں تمہاری ہوں، صرف تمہاری اور کسی کی نہیں نی
محبت خدا کی دین ہے جو اس کی بارگاہ سے مرحمت ہوتی ہے
ڈیرہ کی ایسی آبرو باختہ عورتوں کے لیے
میں سمو سے کیا ہوا عہد نہیں توڑوں گا

اس کے بعد علاقہ بھر میں مست اور سمو کے عشق کی داستان مشہور ہو گئی۔ علاقے کے باسیوں نے انھیں عاشق صادق تسلیم کر لیا۔ پھر انھیں کبھی کسی نے تنگ نہ کیا۔

سمو کی محبت میں توکلی سندھ کے صحرا میں، کچھی اور ڈیرہ غازی خان میں مارا مارا پھرتا رہا۔ بزرگوں، پیروں اور اولیائے کرام کے مزارات پہ حاضری دی اور ان کا تذکرہ اپنے کلام میں نہایت احترام سے کیا۔ وہ انھیں اپنا پیر و مرشد قرار دیتے ہوئے راہِ عشق میں ان کی رہنمائی کا دعویٰ کرتا ہے۔

ترجمہ:

اب میں لڑکھڑا نہیں سکتا

کہ عشاقِ باصفا نے میری رہنمائی کی ہے

جام درک اور شئے مرید نے راہ سجھائی ہے

پیر سہری اور لعل شہباز نے کرامت عطا کی ہے

ملتان کے سارے بزرگ، تمام کے تمام

حضرت بہا الحق میری مدد پر ہیں

مست کے چھ بھائی تھے۔ ماسوائے ایک کے، سب کے سب قبائلی جنگوں میں کام آئے۔ خود مست توکلی کو مری بگٹی کے درمیان ایک معرکے میں شامل ہونے کا اتفاق ہوا مگر وہ خون ریزی سے یہ کہہ کر ہاتھ کھینچ آیا کہ،

ترجمہ:

جنگ اور خون ریزی کی باتیں اچھی نہیں ہوتیں

کون اپنے پیاروں کو برباد کرنا چاہے گا

مست کا ایک بھائی پیرک جنگ میں کام آنے سے بچ رہا۔ اس نے محبوبہ بیوی کی ناگہانی وفات کے صدمے سے محبت کے مارے خودکشی کر لی۔ وہ سرینda بجانے کا ماہر تھا۔

مست نے اسے اپنے کلام میں یوں خراج پیش کیا؛

ترجمہ:

تمہارے ہاتھ کے سرینڈے کو میں پہاڑ کی چوٹی پر رکھوں گا

(کہ) ملائک اسے بجائیں اور طیور رقص کریں

سمو کی ناگہانی موت نے مست کو دنیا و مافیا سے بے گانہ کر دیا۔ مست کے دل سے، سمو کی موت کا صدمہ عمر بھر نہ نکل سکا۔ سمو کی وفات کے بعد اس کے خیمے سے گزرتے ہوئے مست نے سمو کو یوں یاد کیا؛

ترجمہ:

پرسوں تھدڑی کی پہاڑی سے میرا گزر ہوا

جہاں سمو کے خیمے کی باقیات بکھری ہوئی تھیں

موت برحق ہے، میں اس پہ دکھی نہیں

میں نے پتھروں سے استفسار کیا

پتھر کیا جواب دیں گے، ان کی زبان کہاں ہے

پتھر اپنی مالکن کی عدم موجودگی میں کیا بول سکتے ہیں

سمو، تیرا غم بیٹوں کی طرح جان لیوا ہے

سمو کی وفات کے بعد مست بیس سال تک زندہ رہا۔ یہ سارا عرصہ سمو اس کی زندگی اور کلام کا محور و مرکز رہی۔ مست کا سارا کلام، سمو کے تذکرے اور اس کی تعریف سے بھرا پڑا ہے۔

ترجمہ:

سمو کیا ہے؟

میرا محبوب کوہِ جاندران پر اگے ہوئے لیموں کا پیڑ ہے

وہ دشوار گزار گھاٹیوں میں، چٹانوں کے سائے میں
نشوونما پاتا رہا
وہ ابرِ بہار کے خدوخال لیے ہوئے ہے
ہوا کا لہراتا ہوا خوش گوار جھونکا ہے
اس کے پتے محبوب کے چہرے کی طرح طلائی ہیں
محبوب نزہت گاہِ شاہی میں کھلا ہوا پھول ہے
کجاوے لدے ہوئے اونٹوں کی قطاریں
حسینوں کو لیے رواں ہیں
ان پر شہزادیاں، رنگارنگ ملبوس اور گہنوں
سے لدی ہوئی ہیں
میرا دل ان تہہ بہ تہہ زلفوں میں اسیر نہیں
یہ خرام صرف سمو جیسی کبوتری کا حصہ ہے
جس کے گیسوؤں کی خوشبو، لونگ اور عطر
اے سبز پرندے، قاصد بن کر جا
محبوب کی پہچان یہ ہے؛
آنکھوں میں سرخ ڈورے
ستواں ناک، سمو کے چہرے کا حسن
اس کونج کے گلے میں
تہرے تعویز ہیں
اے پرندے! وہاں جا
جہاں چاندنی دھند میں مستور ہے

اس محبوب کی دل نواز یادیں
ہوا کے جھونکوں کی طرح دل فریب ہیں

...☆...

سمو میرا ایک لعلِ درخشاں ہے
جس کے انگ انگ میں کوئی عیب نہیں
صانع قدرت نے اسے موزوں اور متناسب بنایا ہے
خم و پیچ کاری گر نے تیشہء حکمت سے درست کیے ہیں
میری محبوبہ قوسِ قزح کی طرح بادلوں سے جھانکتی ہے
یا وہ چودھویں کا چاند ہے
جو کوہ سار کی پشت سے طلوع ہو کر
آسمان پر چھا جاتا ہے،
اور ہر طرف چاندنی پھیل جاتی ہے

...☆...

سمو، کوہِ زین کے پیپل کا ایک درخت ہے
سمو، درختوں کا میوۂ نورس ہے
سمو، ایک شیشہ ہے مئے ناب کا
سمو، سنگلاخ چٹانوں کی ایک ہرنی ہے
سمو، انار کا گلِ سرخ ہے
سمو، تاریکیوں میں دِیا ہے

...☆...

سمو، حوروں کے جھرمٹ میں
طوبیٰ کے سائے تلے جلوہ افروز ہے

نور کے پیالوں میں آبِ کوثر پی رہی ہے

اور نور کا ایک پیالہ، مست کے لیے جدا رکھا ہوا ہے

...☆...

سندھ سے کونجوں کی واپسی کا موسم ہے

کونجوں کی کرلاہٹ گونج رہی ہے

لیکن یہ میٹھے بول ہمارے دردِ دل کا علاج نہیں

ہمارے غم کا علاج تو سمو کی شیریں مسکراہٹ ہے

کونجیں لوٹ رہی ہیں، میں بھی اب لوٹتا ہوں

کونجوں کی قطاریں، میں بھی شامل ہو گیا

کونجیں محوِ پرواز اور میں پاپیادہ

کونجیں خراسان کو جائیں گی، میں سیوی میں ٹھہروں گا

کیوں کہ میرا دل سمو سے ملنے کے لیے بے قرار ہے

...☆...

رات میں نے سمو کو شاداں کو فرحاں دیکھا

دلہن کی طرح حسین لباس میں ملبوس

سرمے کی ہزاروں اقسام سے آنکھیں سنوارے

اس کے نقوشِ قدم سے، لال تاخ کی خوشبو چھوٹ رہی ہے

(اس نے کہا) دیوانے اٹھ کر آجا

یہ سر یر سرخِ زیبا اور پُرنور آنکھیں، تجھ پہ نثار کروں گی!

سسی پنوں

Sassi Punnu

سسی پنوں کا قصہ سندھ، بلوچستان اور پنجاب میں یکساں طور پر موجود ہے۔ حیرت یہ ہے کہ اس قصے کے مرکزی کردار کے بلوچ ہونے کے باوجود بلوچی میں سب سے کم مواد اسی قصے سے متعلق ملتا ہے۔ بلوچی کلاسیک میں اس قصے کے ضمن میں صرف ایک ہی نظم ملتی ہے۔ البتہ اس قصے کا تذکرہ بلوچوں کے ہاں عام ہے۔

آئیے پہلے اس رومانوی داستان سے رجوع کرتے ہیں:

عام قصہ کچھ یوں ہے کہ سسی ایک متمول ہندو گھرانے میں پیدا ہوئی۔ والدین نے رواج کے مطابق اس کا مستقبل جانچنے کے لیے جوتشیوں سے رجوع کیا۔ جوتشیوں نے اپنے علم کے مطابق اس کی جنم کنڈلی معلوم کی اور پھر مایوسی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ یہ لڑکی جوان ہو کر کسی مسلمان کے عشق میں مبتلا ہو گی۔ والدین یہ سن کر نہایت مایوس و غم زدہ ہوئے۔ سنگ دل باپ نے معصوم بچی کی زندگی کے خاتمے کا تہیہ کر لیا۔ ماں کا دل پسیج گیا۔ اس نے کسی طرح شوہر کو منا کر معصوم جان کو قتل کرنے کی بجائے ایک صندوق میں ڈال کر سمندر کی لہروں کے حوالے کر دیا۔ ساتھ ہی جواہرات بھی رکھ دیے تاکہ اگر کسی کے ہاتھ لگے تو اس کی مناسب پرورش کر سکے۔

یہ صندوق بھنبھور کے علاقے میں ایک بے اولاد دھوبی کے ہاتھ لگا۔ دھوبی کی جیسے خدا نے سن لی۔ اس نے بچی کو سینے سے لگا لیا، اور خوب نازو نعم سے اس کی پرورش کی۔ سسی جوان ہوئی تو علاقے بھر میں اس کے حسن کی دھوم تھی۔

اُدھر کیچ مکران کے بادشاہ کا چھوٹا بیٹا پنوں بغرضِ سیاحت دوستوں کے ساتھ سسی کے دیس میں پہنچا۔ جہاں سسی مٹی کے مٹکے بنا کر بیچا کرتی تھی۔ دوستوں کی وساطت سے سسی کے حسن کا چرچا پنوں تک پہنچا تو وہ اس کی ایک جھلک دیکھنے کے بہانے مٹکے خریدنے آ پہنچا۔ جہاں ایک ہی نظر میں وہ سسی کا دیوانہ ہو گیا۔ سسی بھی دھیرے دھیرے پنوں کو چاہنے لگی۔ وصل کی کوئی راہ نہ پا کر کیچ مکران کے شہزادے پنوں نے، سسی کے باپ کے ہاں دھوبی بن کر نوکری کر لی۔ شہزادہ بھلا کپڑے دھونا کیا جانتا۔ اس نے ترکیب یہ نکالی کہ کپڑوں کے ہر جوڑے کے ساتھ ایک اشرفی رکھ دیتا۔ یوں گاہک بجائے ناراض ہونے کے اس کی دُھلائی کی تعریف کرنے لگے۔ یوں پنوں نے سسی کے باپ کے دل میں جگہ بنا لی۔ اور پھر ایک دن دوستوں کے توسط سے رشتے کی بات کی۔ سسی کے باپ نے ذرا سی پس و پیش کے بعد یہ رشتہ قبول کر لیا اور دونوں کا نکاح طے پایا۔

اُدھر شہزادے کی کوئی خبر نہ پا کر باپ نے باقی بیٹوں کو پنوں کی تلاش میں روانہ کیا۔ بھائی اس تلاش کرتے کرتے بھنبھور آ پہنچے۔ انھوں نے پنوں کو واپسی پہ راضی کرنے کی کوشش کی لیکن دیوانہ کسی طور راضی نہ ہوا۔ تب بہانے سے انھوں نے دونوں کو بے ہوشی کی دوا کھلا دی اور پھر رات کو سسی کو بے ہوش چھوڑ کر، اسی بے ہوشی کے عالم میں پنوں کو اونٹ سے باندھ کر عازمِ کیچ ہوئے۔

صبح جب سسی بیدار ہوئی اور اسے حقیقتِ حال کا علم ہوا تو وہ پا پیادہ پنوں کی تلاش میں مکران چل دی۔ راستے کی صعوبتوں نے اسے نیم جان کر دیا۔ راستے میں ایک چرواہے کی اس پہ نظر پڑی۔ چرواہے نے جو صحرا میں ایسی ماہ لقا دیکھی تو اس کی نیت میں فتور آیا۔ سسی نے کوئی راہ نہ پا کر خدا سے اپنی عزت کا پردہ رکھنے کی دعا مانگی۔ روایت ہے کہ زمین شق ہو گئی اور سسی اس میں سما گئی۔

اُدھر پنوں کو ہوش آیا تو وہ تڑپ اٹھا۔ بھائیوں سے لڑ جھگڑ کر واپس بھنبھور کی جانب

روانہ ہوا۔ راستے میں اسی چرواہے کی زبانی سسی کے زمین میں سما جانے کا واقعہ سن کر پنوں نے بھی دعا مانگی۔ زمین ایک مرتبہ پھر شق ہوئی۔ پنوں بھی اس میں سما گیا اور یوں عاشق و محبوب دائمی وصل سے آشنا ہوئے۔

یہ کہانی سندھ بلوچستان میں یکساں طور پر مشہور ہے۔ البتہ اس کے ماخذ سے متعلق مختلف روایتیں موجود ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سسی ایک ہندو راجہ کی بیٹی تھی۔ بعض بھاول پور کے شہر 'بٹا واھن' کو سسی کے والد کی سکونت بتاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ سسی کے والد کا نام 'ناؤں مل' اور والدہ کا نام 'موندر' تھا۔ بعض روایتوں میں اسے 'متر' بھی بتایا ہے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ سسی کے والدین سیہون شریف میں رہتے تھے اور سسی کی بہائی ہوئی صندوق بھنبھور میں محمد نامی دھوبی کے ہاتھ لگی۔

اس لوک داستان پہ سب سے زیادہ شاہ عبدالطیف بھٹائی نے شاعری کی ہے۔ ان کے کلام کا ایک بڑا حصہ اسی داستان سے متعلق ہے۔ علاوہ ازیں سچل سرمست، بابا بلھے شاہ، سلطان باہو اور بابا فرید نے بھی اس داستان کو موضوع بنایا ہے۔

بلوچی لوک ادب میں اس بابت صرف ایک نظم ملتی ہے، جسے لالا ہتورام نے اپنے تالیف 'تاریخِ بلوچستان' میں مذکور کیا ہے۔ نظم کا بیانیہ عمومی قصے سے خاصا مختلف بھی ہے۔ ذیل میں اس نظم کا اردو ترجمہ درج ہے:

ترجمہ:

پنوں کے باپ، عالی نے اس سے کہا،

'میں تمہارا رشتہ طے کرنا چاہتا ہوں'

پنوں نے باپ سے کہا،

'پہلے میرا ثانی تلاش کریں

مکران میں ایسی حسینہ کہاں

البتہ دور دراز علاقوں میں (ہو سکتی ہے)'

تب پنوں کے وکیل نے کہا،

'مجھے ایک سو گھڑ سوار دیجیے، میں جا کر

دور دراز علاقوں کا دورہ کروں گا'

چنانچہ اسے ایک سو چیدہ چیدہ سوار دیے گئے

وہ اصفہان سے لاڑ تک گھومتا رہا

شاداب قندہار میں آیا

دور دراز کے تمام علاقے چھان مارے

وہاں سے 'باغات کی سرزمین' سندھ آیا

ایک شہر کے سامنے ڈیرے ڈالے

یعنی بھنبھور کے شہر میں خیمے نصب کیے

وہاں اسے زیورات سے لدی ہوئی سسی نظر آئی

وہ جو سبک رفتار تھی اور باوقار

پوچھا، کس کی بیٹی ہے؟

شہر والوں نے بتایا، اس کی نہ ماں ہے نہ باپ

ایک دھوبی کپڑے دھونے گیا تھا

وہاں اسے زیورات سے لدی ہوئی سسی مل گئی

جو ایک صندوق میں محوِ خواب تھی

دھوبی نے بیوی سے کہا، خدا نے ہمیں اولاد عطا کر دی ہے

اسے آنکھوں کی طرح عزیز رکھو

لوگوں نے اس کے رشتے کے لیے تگ ودو کی
لیکن اس بے لحاظ دھوبی نے سب کو انکار کر دیا

پنوں کا وکیل دھوبی سے ملا
اسے بتایا کہ میرا ایک آقا ہے
پنوں کے نام سے مشہور ہے
تمہاری بیٹی کے قابل ہے
دھوبی نے کہا، مجھے کوئی عذر نہیں
وکیل (بابیو) وہاں سے روانہ ہوا
وہ شاداب کیچ جا پہنچا
پنوں کو سارا ماجرا سنایا
بھنبھور میں ایک دوشیزہ ہے
اس ماہ پیکر کا نام سسی ہے
یہی حسینہ تیرے نکاح کے قابل ہے
ایک سو بار بردار اونٹوں کا کارواں لیے
پنوں وہاں سے چلا
ان اونٹوں پر کپڑے اور زیورات لدے تھے
سو نامور اشخاص بھی ساتھ تھے
سو کنیزیں ساتھ لیں
تین سو نیزہ برداروں کے علاوہ
ایک ہزار عمدہ سپاہی لے کر

منگنی کی نیت کر کے چلا

(اور) باغوں کی سرزمین سندھ جا پہنچا

شہر کے سامنے خیمے نصب کیے

بھنبھور میں ڈیرے ڈال دیے

مشک وعنبر آٹے میں گوندھ کر

(اس نے) اونٹوں کو کھلایا

رات بھر ان کے منہ باندھ رکھے

خدا نے جب صبح کا چہرہ دکھایا

اونٹوں کے منہ کھول دیے گئے

تب اونٹوں نے جگالی کرنا شروع کر دیے

ہر سو مشک وعنبر کی خوشبو پھیل گئی

جو بھی اس راہ سے گزرا

خوشبو نے اس کا دماغ معطر کر دیا

حتیٰ کہ یہ خوشبو پورے شہر میں پھیل گئی

سسی نے اپنی سہیلیوں سے کہا،

'میں نے عہد کیا ہے کہ میں اس شخص سے بیاہ کروں گی نی

پنوں کا وکیل (بابیو) منگنی کا پیغام لے کر گیا

دھوبی نے منگنی قبول کر لی

کہنے لگا، 'مجھے کوئی عذر نہیں

بے شک تم بڑے ہی دولت مند ہو

مگر ایک مرتبہ شہر بھر کے کپڑے دھونے ہوں گے

جب کہ تم رہو گے بھی یہیں پر نی

شہر بھر کے کپڑے جمع کر کے

پنوں دریا کے کنارے گیا

سارے کپڑے درست کیے

پھر ہر ایک کپڑے کے ساتھ اشرفی باندھی

اور کپڑے مالکوں کے حوالے کر دیے

انھوں نے جب کپڑے کھول کے دیکھے

پلو میں بندھی ہوئی اشرفیاں پائیں

تو ہوت پنوں کو پسند کیا

شادی کے شادیانے بج گئے

ایک ماہ تک شادی کے شادیانے بجتے رہے

تب پنوں کے وکیل (بابیو) نے وہاں سے کوچ کیا

وہ شاداب کیچ پہنچ گیا

(اس طرح) ایک برس بیت گیا

(پنوں کے) باپ نے کیچ سے خط لکھا

'اے جواں مرد پنوں، تم واپس کیوں نہ آئے

میں تمہارے فراق میں نڈھال ہو رہا ہوں

اور تم اپنی ماہ پیکر کے ساتھ خوش ہو

اس لعل و یاقوت کے پہلو میں

جو چندے آفتاب، چندے ماہتاب ہے

(یہاں) کھجوریں پک چکی ہیں
موصل کی لمبی لمبی کھجوریں'
(پنوں کے بھائی) کیانی نے کہا،
جو لباسِ شاہانہ کا مالک تھا:
(کہ) 'میں اس جوان کو سندھ سے لاؤں گا'
فوراً سانڈنی تیار کی گئی
اس پر رخت اور کجاوہ باندھ دیا گیا
خوش خوش لذت اور چھنر نواب، ہوئے پا بہ رکاب
ترک و احتشام سے کجاوں میں بیٹھے
باغوں کی سرزمین سندھ پہنچے

بھنبھور کے شہر میں پہنچ کر خیمے نصب کیے
سسی اور پنوں کو دعوت دی
دعوت میں یاروں نے خوب شراب لنڈھائی
شراب کے نشے میں دھت ہوئے
جب انھوں نے سسی کو مدہوش پایا
پنوں کو سانڈنی پر لاد کر چلے
رات بھر سفر کرتے رہے
نہایت تیز رفتاری سے چلتے رہے

یہاں جب سسی کو ہوش آیا
پنوں کو نہ پا کر نہایت غمگین ہوئی

'اہلِ مکران نے یہ کیا کیا؟

پنوں کے علاوہ میرا دوست کون ہے؟

پنوں کے علاوہ میرا کوئی ہم دم نہیں'

رات گزری، صبح ہوئی

سسی کے دل میں محبت نے جوش مارا

وہ اونٹوں کے قدموں کے نشان پر چل پڑی

وہ بجلی کی سی سرعت پہ چلی

اس طرح پا پیادہ تین منزلیں طے کیں

پیروں کے تلوے آبلہ، جسم نڈھال

ایک چرواہے کی اس پر نظر پڑی

وہ اس کی طرف لپکا

اس ماہ لقا نے کہا، 'رک جاؤ!

جاؤ، میرے لیے ایک کٹورہ دودھ لاؤ

تین منزلوں سے میں بھوکی ہوں

پیاس سے میرا تالو خشک ہو رہا ہے'

چرواہا دوڑ کر گیا

اور سسی نے دعا کی،

'یا الٰہی، میری رکھوالی فرما

تو ہی فریاد رس، تو ہی ماں باپ ہے

مجھے اس کے ہاتھ میں نہ دے

یہ بے وقوف، ملعون اور گنوار ہے'

زمین شق ہوئی
سسی اس میں سما گئی
جب چرواہا آیا
وہ حیران رہ گیا، کیا اسے زمین نگل گئی؟

دوسری طرف جب پنوں ہوش میں آیا
وہ بہت ہی خفا ہوا، وہ دوڑ پڑا
باغوں کی زمین، سندھ کی جانب چل دیا
راستے میں اسے پہاڑی چرواہے نے دیکھ لیا
وہ زمین کھود کھود کر مٹی نکال رہا تھا
پنوں نے پوچھا، 'یہ تم کیا کر رہے ہو؟'
چرواہا بولا، 'اس سمت سے ایک عورت آئی تھی
وہ چندے آفتاب، چندے ماہتاب تھی
ہر چند کہ اس کے حور شمائل پر نہ تھے
نہ ہی وہ گھوڑے پر سوار تھی
کوئی خادم بھی ساتھ نہیں تھا
میں نے چاہا کہ نیلوفر کو پکڑ لوں
زمین شق ہوئی، وہ ماہ لقا سما گئی
میں اس کے دوپٹے کی نشانی پر کھود رہا ہوں
تا کہ اس گوہرِ نایاب کو حاصل کر لوں
اس کی صورت، کاش کہ تم نے دیکھی ہوتی'

(تب) پنوں نے بھی دعا کی،

'یاالٰہی، میری جان تجھ پر نثار

مجھے میرے محبوب سے جدا نہ کر'

پنوں کی دعا مقبول ہوئی

زمین شق ہوئی، پنوں اس میں سما گیا

اور سسی کو اپنی آغوش میں لے لیا

وہ اپنے محبوب کی ہم راہی میں گیا

بانھوں میں بانھیں ڈال کر

دونوں کی مرادیں بر آئیں

اور وہ سب سے بے نیاز ہوئے

لوک موسیقی اور شاعری

موسیقی

بلاشبہ موسیقی تمام اقوام اور بالخصوص بلوچ معاشرے میں اونچا مقام رکھتی ہے۔ یہ محض گانے کی ساتھی کی حیثیت سے، اور رقص کے لیے آہنگ پیدا کرنے کے لیے ہی نہیں بجائی جاتی بلکہ یہ تو نفسیاتی بیماریوں کے علاج کے بطور بھی استعمال ہوتی ہے، اور خوب استعمال ہوتی ہے۔موسیقی، رقص، اور گانے رومانس، ہیروازم اور آزادی کی محبت کے اظہار کے ثقافتی ذرائع ہیں ہی۔

آیئے ذرا اُس موسیقی اور اُس کے آلات کا مختصر تذکرہ کرتے چلیں جس کے بغیر بلوچی شاعری، بلوچی کلچر اور بلوچ کی زندگانی کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔

موسیقی اور موسیقی کے آلات دراصل اس شاعری کے ساتھی ہوتے ہیں جس میں بہادروں کے قصے بیان ہوتے ہیں، حسن وزیبائی کے مجسمے تراشے جاتے ہیں، وفا کی کہانیاں دہرائی جاتی ہیں، جفا کی دل سوز تفصیلیں ہوتی ہیں، نازک رفیقوں کی جلا ڈالنے والی جدائی ہوتی ہے،سورماؤں کی موت پہ آنسو بہائے جاتے ہیں، اور مرشد ومحبوبہ کی توصیف ہوتی ہے۔

بغو (Bagho)

یہ واضح طور پر چرواہے کا 'ساز' ہے۔ گلے سے خوش الحانی کے ساتھ 'دستانغ' کی مطابقت میں آواز نکالی جاتی ہے اور ہاتھ کی انگلیوں کے سرے سے نرخرے کے اوپر بہت آہنگ اور موسیقیت سے سٹرائیک کیا جاتا ہے۔ بغو میں گلہ، دہن اور انگلیوں کی سنگت شامل ہوتی ہے۔ بیابان ہو، پہاڑ ہوں، مویشیوں کی بجتی گھنٹیاں ہوں، پھوال کا بغو ہو اور اس کی باز گشت ہو تو سمجھیے آپ بلوچستان میں ہیں۔

شفیلی (Shafeely)

ہمارے چرواہے کی بانسری ہوتی ہے۔مگر بلوچ کی شفیلی بیرونی دنیا کی بانسری سے فرق رکھتی ہے۔ یہ پانی کی عام جھاڑی 'کوندر' (سرکنڈے) سے چاقوں سے کاٹ تراش کر بنائی جاتی ہے۔اس کی لمبائی 'سرکاری' بانسری سے ذرا کم ہوتی ہے۔اسے نڑ کی طرح سر کی طرف سے پھونک مار کر بجایا جاتا ہے، نہ کہ بانسری کی طرح درمیان کی کسی سوراخ میں پھونک مار کر۔

ڈؤو (Dau)

یہ نڑ سے باریک ومختصر مگر شفیلی سے لمبا اور موٹا ہوتا ہے۔اس کی آواز بہت اچھی ہوتی ہے۔اس کے ساتھ سرّی گا بھی سکتا ہے۔ڈؤو بھی لوگ مقامی طور پر بناتے ہیں۔یہ دستانغ کا انسٹرومنٹ ہوتا ہے۔

نڑ (Narh)

موسیقی کے اِس آلے کو شہروں سے خریدا جاتا ہے۔اس لیے کہ یہ صرف پچ کے مقام پر پیدا ہونے والے کوندر سے بنایا جاتا ہے۔جس کی لمبائی پونا گز اور قطر آدھ انچ ہوتا ہے۔کپڑے کے رنگین پوش کے اندر چرب کردہ نڑ چرواہے کے شوق کی تکمیل کا زبردست وسیلہ ہوتا ہے۔بس صرف سُرّی کی کمی ہے جو کہ اس کے ساتھ ساتھ گائے۔اب یا تو کوئی دوسرا چرواہا ملے جسے سُرگانا آتا ہو، یا پھر کوئی مہمان مسافر ایسا ملے جو سرگانا جانتا ہو، تو پھر تو جنگل میں منگل ہوجاتا ہے۔بلوچستان کا پہاڑی وطن، دورہ افتادہ آبادیاں...... یہاں میلہ تو کبھی کبھی نصیب ہوتا ہے۔مگر جب ہوتا ہے تو پھر جم کے ہوتا ہے۔

نڑ سر محض دل خوش کرنے، وقت گزاری کرنے اور محظوظ ہونے کے لیے نہیں ہوتا۔ یہ پورے بلوچ سماج کا احاطہ کیے رہتا ہے۔ یہ ہمیں سامراج دشمنی کی داستانیں سناتا ہے، مناظرِ فطرت سے لطف اندوز کرتا ہے، جنگ وننگ کی خبریں سناتا ہے، حسن ومہر کے گیت عطا کرتا ہے، ہماری مائتھالوجی سے ہماری زبان وثقافت کی بنیادیں دکھاتا ہے، حرب وطرب کا سامان کرتا ہے، توصیف وطعن کی روایتیں تعمیر کرتا ہے۔

اس کے موضوعات 'دستانغ' کہلاتے ہیں۔ ہر دستانغ بجانے گانے کا طرز الگ ہوتا ہے۔ ابھی حال تک بلوچستان میں جو استاد اور نامور ناڑی پیدا ہوئے اُن میں مینگلا اور بجار مشہور ترین رہے۔

بین (Been)

اسے سندھی میں الغوزہ کہتے ہیں۔ اور بلوچستان کے کچھ علاقوں میں اسے 'دونلی' بھی کہا جاتا ہے۔ یہ شاید سریندا کے بعد سارے بلوچی سازوں میں سے میٹھی اور شیرین ترین ہوتی ہے۔ باید ہے کہ یہ بچوں اور بڑوں کو سکھایا جائے تا کہ بلوچستان کا یہ زبردست میلوڈی والا ساز بلوچستان کے کوہ ودمن کا زیور بنا رہے۔

اس پر سُر کے ساتھ دستانغ گائے جاتے ہیں۔ سُر کے اسے الگ بھی بجایا جاتا ہے۔ دُھن بھی ضروری نہیں کہ دستانغ والی ہوں۔ کچھ ایسی دُھنیں بھی اس پہ بجائے جاتی ہیں جن کے ساتھ شاعری گائی نہیں جاتی۔ انہیں ''لہرو'' کہتے ہیں۔

شینزار (Shenzaar)

یہ تو ہر انسان کے لیے سب سے سستا اور زیادہ بجنے والا ساز ہے۔ یہاں آلۂ موسیقی خود آپ کے اپنے ہونٹ ہوتے ہیں۔ آپ اپنے پھونک کو کنٹرول والے انداز میں ہونٹوں کو

سکیڑ کر ایک بنے سوراخ میں سے گزارتے ہیں۔ جو آواز نکلتی ہے اُسے موسیقی میں ڈھالنے کے لیے نچلے جبڑے اور زبان کو بہت ہی استادانہ طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔

چرواہا تو مزدور ہے۔اس کی محنت ہی اسے زندہ رکھتی ہے...اس کے وجود کو بھی، اوراس کے دل اور روح کو بھی۔محنت انسان کو خود مجبور کرتی ہے کہ اپنی روح اور فن کی ہمیشہ آبیاری کرتا رہے۔اوراگر چرواہے کی کوئی محبوبہ بھی ہوتو اس کے منہ کو روس اور امریکہ بھی سیٹی بجانے سے نہ روک سکیں۔

دمبیرو (طنبورہ) (Dambeerav)

یہ بہت خال خال نظر آنے اور استعمال ہونے والا میوزیکل انسٹرومنٹ ہے۔اب تو اس کے مخصوص فنکار اور گھرانے بن چکے ہیں۔اسے بجانا ہر آدمی کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس قدیم انسٹرومنٹ میں سُر کی طرح آواز بھاری اور موٹی کر کے گانا نہیں پڑتا۔ بلکہ عام گانے کی طرح گانا ہوتا ہے۔مشرقی بلوچستان میں اس کا استعمال بہت ہوتا ہے۔اب یہ ہر چرواہے کا ساز نہیں رہا بلکہ اب یہ مخصوص اور تربیت یافتہ فنکاروں سے مخصوص ہو چکا ہے۔ یہ ساز پرپغ نامی درخت سے بنایا جاتا ہے۔

سریندا (سروز) (Sareenda)

یہ بہت ہی میٹھا اور پرسوز ساز ہے۔قدیم بلوچی میں اسے شاغ بھی کہتے ہیں۔ یہ وسطی ایشیائی جمہوریاؤں کے علاوہ ایران، پاکستان اور افغانستان کے تمام بلوچوں میں یکساں مقبول ہے۔ یہ بلوچستان میں بہت مقبول ساز ہے۔انگریزوں کا وائلن اس سے ملتا جلتا ساز ہے۔ پرپغ نامی لکڑی سے بنا ہوتا ہے۔اس میں پانچ تار ہوتے ہیں جن کے نیچے پانچ مزید تار ہوتے ہیں۔اسے چھوٹے چھوٹے منکے، آئینہ کی ٹکڑیاں چپکا کر بہت خوب صورت بنایا جاتا ہے۔ یہ

بھی خاص فنکار لوگوں کے ہاتھ میں بولتا ہے۔ آرٹسٹ آلتی پالتی مار کر بیٹھتا ہے، سرینداا پنی گود میں رکھتا ہے اور سامعین کی طرف رُخ کر کے اسے بجاتا ہے۔ دائیں ہاتھ میں لمبی تاریں کمان میں سجائے سروزی اُس سے آوازیں نکلواتا ہے اور اوپر کے حصے میں بائیں ہاتھ کی انگلیوں سے وہ اُس کی ٹائمنگ اور دھن ترتیب دیتا ہے، بہت باریکی سے، بہت حاضر دماغی سے۔ کچھ سازندے (سروزی) تو سریندا بجاتے بجاتے ساتھ میں گاتے بھی ہیں مگر بلوچستان کے کچھ حصوں میں گانے والا (سُری) الگ ہوتا ہے اور سروزی الگ۔ حضرت مست توکلی کا بھائی پیرک سریندا بجانے میں ماہر تھا۔ زہرو، تنگو اور سچو بگٹی اوجِ کمال تک پہنچے فنکار رہے سریندا کے۔

چنگ (Chang)

چنگ بھی بلوچستان کے تقریباً ہر علاقے میں بجایا جاتا ہے۔ یہ نوجوانوں کی جیب میں سما جانے والا ساز ہے اور قیمت میں بھی ان کی پہنچ میں ہوتا ہے۔

بنجو (Benjo)

بنجو تو آج کے دور میں تاج محمد تاجل کے نام کے ساتھ گویا لازم وملزوم ہے۔ مری قبیلے میں وڈیرہ سہراب خان سومرانڑیں بہت خوبصورت بنجو بجاتا تھا۔ بہت سے لوگ بالخصوص میوزیکل گروپس اس کی طرف متوجہ ہونے لگے ہیں۔

شاعری

قدیم اور فوک بلوچی شاعری تحریر کی سہولت سے محروم رہی ہے اور لوگوں نے اپنے سینوں (سروں) میں اِن شعروں کو محفوظ کر لیا اور اگلی نسل تک منتقل کر دیا۔ یہ طریقہ ہمیشہ اِن خطرات سے پُر ہوتا ہے کہ شاعری مکمل یا پھر جزوی طور پر گم ہو جائے، یا اُس میں اتنے اضافے اور تحریفیں ہوں کہ اُس کا چہرہ بگڑ جاتا ہے۔

ہماری شاعری طویل شاعری ہوتی تھی۔ یہ جنگی واقعات کا بیانیہ تھے، ہماری قومی تاریخ کا سرچشمہ بھی اور محققوں کے لیے منبع بھی۔ یہ طویل بیانیہ والے شعر بھاری کوہستانی چشموں کی طرح نکلتے ہیں اور بہتے چلے جاتے ہیں۔ ان کی زبان بہت رواں، شیریں اور چُست ہے۔ منظر نگاری اپنے کمال کو پہنچتی ہے۔ اس میں بہت خوب صورت ڈرامہ نگاری موجود ہے۔ ہماری شاعری قافیہ، ردیف کی پابندی سے مبرا ہے مگر بحر کی پابندی ہر جگہ موجود ہے۔ بلوچی کے یہ بیلیڈ بے مثال ہیں۔ بلوچی کلاسیکل شاعری کا حجم اور ذخیرہ حد سے زیادہ بڑا ہے۔ بہت کم زبانوں کی قدیم شاعری اس قدر امیر ہے۔ یہی حال ہماری فوک شاعری کا بھی ہے۔

جیسے کہ ذکر ہو چکا ہے کہ عوام الناس نے ہماری شاعری کو اپنے سینوں کے مضبوط قلعوں میں محفوظ رکھ کر گم ہونے سے بچا لیا۔ پھر کچھ لوگ اسی ایک کام کے سپیشلسٹ ہوئے کہ اس شاعری کو یاد رکھیں اور بلوچوں کی محفلوں تقریبوں میں سامعین کے سامنے اپنے مخصوص انداز میں پیش کریں۔ ایسے لوگ مغربی بلوچستان میں 'پہلوان' کہلاتے تھے۔ یہ ایک ادارہ ہوتا تھا جسے اب نئے زمانے کی 'ترقی' نے برباد کر ڈالا۔ جی ہاں ریڈیو نے، ٹی وی نے۔ مشرقی بلوچستان میں 'پہلوان' کا باقاعدہ ادارہ تو موجود نہیں ہے، البتہ معمر لوگوں کو یہ سب کچھ یاد رہتا ہے اور وہ اُسے ہر جگہ سنانے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں دکھاتے۔

اس شاعری نے بلوچ قوم کی فطرت اور قومی کردار کو ایک عظیم خصوصیت عطا کر دی اور قوم کے مزاج اور نفسیات پر بڑا اثر ڈالا۔ بلوچ قوم نے اپنی ساخت کے تاریخی عمل میں صدیوں سے اپنے داخلی اور خارجی بدخواہوں سے جنگ کر کے خود کو زندہ رکھا اور اور اِن جنگوں یا پھر، رومانی داستانوں کو آج تک زندہ رکھا ہوا ہے۔

بیسویں صدی سے پہلے سو فیصد، اور اس کے بعد بھی بڑی حد تک بلوچی شاعری میں موجودہ اصناف (غزل، نظم، رباعی، نیٹ، ہائیکو) ناپید تھیں۔ اور یہ شاعری قلم کاغذ پہ کانٹ چھانٹ والی بھی نہ تھی۔ تین تین چار چار سو مصرعوں پر مشتمل طویل شاعری۔ خودگل خان یہی شاعری کرتا تھا۔ اس کے خیال میں بلوچی:

''شاعری سیکھنے کی چیز نہیں ہوتی کیونکہ یہ کوئی ہنر یا حرفہ نہیں۔ شاعر کو کسی اُستاد کی ضرورت نہیں ہوتی... شاعری ایک خداداد ملکہ، ایک لاہوتی استعداد اور ایک ایسی اِلہامی کیفیت ہوتی ہے جسے ہم وَحی نہیں تو وَحی کے مترادف کہہ سکتے ہیں جو شاعر کے دِل پر نزول کرتی ہے اور اس کی زبان سے بے ساختہ الفاظ ایک مترنم، روانی، وزن اور ترتیب کے ساتھ پھوٹ پڑتے ہیں''۔

بلوچی میں ردیف و قافیے والی شاعری بعد کی عالمانہ ایجاد ہیں۔ ورنہ تو ہماری خوب صورت شاعری اِن کی پابند نہیں ہوتی تھی اور نہ ہی ہماری شاعری کو علم العروض سیکھنا پڑتا تھا۔

ہماری گیدی (فوک) شاعری میں ایک دریائے معانی پوشیدہ ہے۔ مناظرِ فطرت ہوں یا فطرت میں موجود انسانی دوست دشمن، قبائلی معاملات ہوں یا طبقاتی حقائق و جدوجہد، ہماری فوک شاعری بہت امیر اور متنوع ہے۔ بلوچی فوک شاعری کے مالک خواندہ نہ تھے، مگر اُن کے حقیقی شاعر ہونے سے کون انکار کر سکتا ہے۔

شاعری بلوچ کی قدیم ترین ثقافتی تخلیق اور روایت رہی ہے۔ شاعری سننا، یاد رکھنا اور اکٹھ و اجتماعات میں سنانا ایک بہت ہی خوبصورت اور باوقار معمول ہے۔ اس کے علاوہ چیدہ

چیدہ اور چنیدہ چنیدہ مصرعے تو روزمرہ گفتگو میں ہر خاص و عام بلوچ استعمال کرتا رہتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں دنیا کی دیگر زبانوں کی طرح عام بلوچی بول چال بھی ضرب الامثال اور شعروں مصرعوں سے مزین ادبی بول چال ہوتی ہے۔

ہماری فوک شاعری نہ صرف شتربان کے طویل سفر کا ساتھی ہوتی ہے بلکہ یہ تو قالین ساز اور دری بُننے والے مرد و زن کے خشک و یکساں کام کو رنگین بناتی ہے، اُسے مہمیز دیتی ہے۔ یہ شاعری ہماری لینڈ سکیپ کی توصیف ہے، ماحولیاتی حسن وسکون کا اظہار ہے، بارشوں کا انتظار ہے، سرسبزی کی دعا ہے۔ بلوچ فوک شاعری بادلوں کے اجتماع کا رواں تبصرہ ہے، عرشی قطرہ پاشی کے ایک ایک لمحے اور پینترے کا تذکرہ ہے، آسمانی رنگت کے بدلنے، اس کے صوتی و بصری کرشموں کی دفتر نویسی ہے، اور بارشوں کے بعد نم زمین کی بھینی خوشبو سے لے کر، سبزہ پھوٹنے سے لے کر اس کے پھول ہونے تک اور اس سبزہ سے ماحولیاتی حسن اور مویشی بانی تک کے ہر ایک پہلو کا بیانیہ ہوتی ہے۔ یہ ہمارے نسلی شجرے کا ریکارڈ بھی ہے۔

شاعری ہماری آبادیوں کی آبادکاری کی تاریخ کی کتاب بھی ہے۔ انسانوں کے باہمی تعاون، امداد اور اجتماعی محنت کی ثنا خواں ہے۔ ہماری آباد زراعت اور تجارت کی زباں ہے۔ ہماری آبادیوں کی ثقافتی زندگی ہے۔ اگر چرواہوں اور خانہ بدوشوں نے شاعری کی تو آباد مراکز نے اس شاعری کو محفوظ رکھا، اسے شائستہ بنایا اور اس کی حوصلہ افزائی کی۔

بلوچ شاعری تو میراث ہے چرواہے کی۔ یہ بات بغیر کسی شک کے کہی جاسکتی ہے کہ جاں فشاں اور دریدہ پاپوش و پوشاک چرواہا ہی شعر کہتا ہے، وہی اُسے گاتا ہے، اور وہی اُسے یاد اور محفوظ رکھتا ہے۔ اس کی شاعری انتہائی متاثر کن، نیچرل اور بلاواسطہ ہوتی ہے۔ اس میں کوئی ٹیڑھا ترچھا پن، اگر مگر، چکنا چپڑا پن اور دروغ دغا نہیں ہوتا۔ انتہائی عمیق اور جاندار شاعری ہوتی ہے ہماری۔ جو ہماری رنگینیٔ خیال کی عکاس ہوتی ہے۔

ہر قبیلے کا اپنا شاعر چلا آ رہا ہے۔ وہ امن کے زمانے میں فطرت کی ستائش، ماضی کی

اچھی یادوں کی شاعری کرتا ہے۔ اور جنگ کے زمانوں میں وہ اپنے لوگوں کی بہادری، اور دشمن کی بزدلی کمزوری کے علاوہ جنگ میں بہادری دکھانے والے اپنے افراد کا نام لے لے کر ان کی توصیف کرتا ہے، میدانِ جنگ میں کام آنے والے سور ماؤں کی تعریفیں کرتا جاتا ہے، اور بزدلوں کو برا بھلا کہتا ہے، وہ جنگ کے لیے اپنی صفوں میں لوگوں کو بہادری دکھانے کے لیے اکساتا ہے۔ بہت سے محققین اس بات پر غلطی پر ہیں جب وہ کہتے ہیں کہ قبیلے کا شاعر اپنے سور ماؤں کے شانہ بشانہ لڑتا ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ ہم اپنے شاعر کی اس قدر عزت کرتے ہیں کہ اُسے، سردار کو، اور ہُدّ و دار کو بندوق، تیر کمان اور تلوار کی حد سے دور بٹھاتے ہیں۔ ان میں ایک تو ہمارا جنگی کمانڈر ہوتا ہے جس کا سلامت رہنا ضروری ہوتا ہے۔ دوسرا دشمن کے خلاف اپنی کرامت کا استعمال کرتا ہے۔ اور دژمن کے تیغ اپنی ولایت کے ذریعے بند کرلیتا ہے، اس لیے اس کا زندہ رہنا بھی ضروری ہے۔ اور تیسرا ہمارا جنگی نامہ نگار ہوتا ہے، جس کی سلامتی ضروری ہوتی ہے۔

ہمارے جنگی شاعر کی شاعری مارشل ٹیون والی ہوتی ہے۔ ایسی، جسے نڑ سُر میں گایا جا سکے۔ مگر اسے ہلکا نہیں ہونا چاہیے۔ دشمن کو برا تو کہے مگر اس کی بے توقیری نہ کرے۔ کچھ بھی ہو، ایک دوسرے کی لاشیں گراتے ہوئے دشمن قبیلوں کا شاعر نفرت سے مغلوب ہو کر گری ہوئی بات کبھی نہیں کرے گا۔ یہ جنگی وقار کا، اخلاقیات کا کوڈ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ شاعر بات کا بتنگڑ نہیں بنائے گا۔ وہ خواہ مخواہ کسی کی تعریف نہیں کرے گا کہ جنگ کے میدان کا سپاہی جان ہتھیلی پر رکھ کر لڑتا ہو اور آپ اس کا بغیر کسی وجہ کے کسی سے کم تذکرہ کریں تو کون برداشت کرتا ہے۔ سچ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے شاعری کرو کہ بلوچ نہ سستی تعریف کرے گا نہ ہلکے پن والی تنقید۔ اِس مؤرخ (شاعر) کو پتہ تھا کہ اُس وقت پورے دو قبیلے تاریخ بنا (بگاڑ) رہے ہیں، مبالغہ کرے گا تو اعتبار کھو دے گا۔ اور قبائلی دنیا میں اعتبار کھو دینا بہت بڑا گناہ ہوتا ہے۔ قبائلی دنیا میں ویسے بھی لوگ لفظ کو بہت چھان کر بولتے ہیں اور بہت چھان کر سنتے ہیں، کہ بقول سارتر

''لفظ بھرا ہوا پستول ہوتا ہے''۔

محترم عطا شاد کی دنیا و دین کے سوداگروں نی سے یہ شکایت شاید درست ہو کہ وہ، ''بھکاری کو پیر کہتے ہیں مگر شاعر کو ولی نہیں کہتے ''۔مگر بلوچ عوام الناس کی بابت ایسی کوئی بات نہیں۔ بلوچ کے ہاں شاعر ولی ہوتا ہے۔اُس کی تکریم ہر حال میں ضروری ہوتی ہے۔ بالخصوص جب وہ شاعری سنا رہا ہوتا ہے تو لوگ اسے کرامت و وجد و الہام کا دریا سمجھتے ہیں اور بہت ہی ادب سے الہامی کلام جان کراُسے سنتے ہیں۔آہ آہ، واہ واہ، ہمارے ہاں بہت معیوب ،گستاخی اور ہلکاپن سمجھا جاتا ہے۔

بلوچستان کا معروض یکتا قسم کا ادب تخلیق کرواتا رہا ہے۔ یہ بارانی اور خشکابہ وطن ہے۔ بارشیں ہوں تو ہم دنیا کے رنگین ترین تخلیقی لوگ بن جاتے ہیں۔ بارشیں نہ ہوں تو ہماری شاعری کا پورا لہجہ دھیرے دھیرے غم کی سیاہ چادر تانتی جاتی ہے۔ ہمارے وطن کے مختلف علاقوں حتیٰ کہ خود انسانوں کے نام بارش، بادل اور پانی کی نسبت سے رکھے جاتے ہیں۔اور ہمارے ادب کا تو فیصلہ کن حصہ بادل و برسات کی آمد ورفت کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔محنتی کسان طویل مدت تک بارش نہ ہونے کے سبب محبوب بلوچستان کو چھوڑ کر ہزاروں کی تعداد میں محنت مزدوری کرنے کے لیے سندھ چلا جاتا ہے۔اور یار، یاروں سے الگ ہوجاتے ہیں۔ وصل، مٹھائی، نڑسر، عطر، سرمستی سب کالعدم ہو جاتے ہیں۔زندگی تکلیف دِہ سکوت کی بھٹی میں گھر جاتی ہے اور ٹھنڈی آہیں اور سوکھے ہونٹ ہمارے عوام کا مقدر بن جاتے ہیں:

اللہ ہیر کی ہوراں دے
پُر کس اوٹھاں شیریناں
گڑ دیں مڑ ماں دیریناں
بھا گیا یاں مزں لیٹریناں
زالاں گھمرو چیڑ یناں

کوڑی روشڑو کم ایناں

(کہ) من تو پروشا گالی بوں

درائیا بروں حالی ہوں

ترجمہ:

اے اللہ! خیر کی بارشیں برسا/ میٹھے پانی کے تالاب بھر دے/ دور دراز جانے والے پردیسیوں کو واپس لا/ مویشی رکھنے والے بڑے بڑے مالداروں کو/ ہار سنگھار کی ہوئی عورتوں کو واپس لا/ یہ دنیا چند روزہ ہے / محبوب کے ساتھ وصال نصیب ہو/ اور ہم وصال کے موقع پر دل کی باتوں کا تبادلہ کریں

بلوچی شاعری کے عشقیہ حصے میں عورت کے لیے قابلِ احترام برابری کے جذبات نظر آتے ہیں۔ محبت کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ جب ایک بار استوار ہوتی ہے تو پھر کوئی دشمنی، کوئی شکوہ، شکایت، کوئی تعصب اور کوئی اونچ نیچ نہیں رہتی۔ سارے رنج، غم، قبائلی منافرتیں اور مرد کی برتری ختم ہو جاتی ہے۔ عشق وہ واحد کام ہے جو عورت اور مرد کو برابری عطا کرتا ہے۔ دونوں دوستوں کے درمیان ہر عمل، اختیاری ہے۔ کوئی جبر، کوئی زور اور ناروائی نہیں ہے۔ یہ وہ واحد صالح عمل ہے جس کے اندر کوئی خودغرضی نہیں ہوتی۔ محبوب کو کوئی تکلیف، کوئی ایذا نہ پہنچے، دل و جان دوست کے لیے قربان۔ قبائلی نظام کی جڑیں کھوکھلی کر دیتی ہے، محبت کی شاعری۔

آئیے عظیم امریکی فوک سنگر پیِٹی سیگر کا تذکرہ کرتے ہیں۔ اُس کو امریکہ کے ظلمت وسیاہ دور یعنی میکھارتھی دور میں بلیک لسٹ کیا گیا تھا۔ اس نے بالاخر پابندی توڑ دی اور ایک شو میں نمودار رہوا۔

ایک انٹرویو کرنے والے نے پیٹی سے سوال کیا" : کیا اب فوک میوزک ختم نہیں ہوا؟۔ کیا ایسا نہیں ہے کہ لوگ پرانے فیشن کی موسیقی سے باہر آئے ہیں؟''

جب پیٹی نے ہنسنا بند کیا تو بولنے لگا : ''فوک میوزک اور موت؟ ارے نہیں، کبھی نہیں۔فوک میوزک کا کیا مطلب ہے؟folks(عوام،لوگ) کی موسیقی، عوام کی موسیقی۔کبھی، اپنے بنانے والے لوگوں کی طرح یہ بھی انڈر گراؤنڈ ہونے پر مجبور ہو جاتی ہے، اُسے چھپا دیا جاتا ہے، اور کچھ عرصہ کے لیے بھلا دیا جاتا ہے۔مگر عوام کی طرح، یہ واپس آ جاتی ہے۔ جب عوام کھڑے ہو جاتے ہیں اور انصاف کے حق میں بات کرتے ہیں تو فوک، فوک شاعری، اور فوک موسیقی بناتے ہیں۔لوگوں کی طرح، فوک کی طرح، فوک شاعری اور فوک موسیقی کبھی نہیں مرے گی۔''

شعری اصناف

ایک قبیلے، یا پورے بلوچ کی تاریخ ،نسب وشجرہ اور کلچر کو ہماری شاعری نے محفوظ کرر کھا ہے۔ چونکہ یہ ہماری تاریخ کا منبع وسرچشمہ ہے اسی لیے بلوچ خود کو اپنی شاعری کے ساتھ ہی جوڑے رکھتے ہیں۔بلوچی فوک شاعری میں بشمول دستانغ کے سب اصناف ساز کے بغیر بھی گائی سنائی جاسکتی ہیں۔ گو یا انفرادی طور پر انہیں کہا اور گنگنا یا جاتا ہے۔اسی لیے تو یہ مقبولِ عام ہیں۔مگر اب ہماری فوک اصناف کو معدومیت کا بہت خطرہ لاحق ہو چلا ہے۔آج کی ساری اخباری ، رسالوی اور ریڈیو ٹی وی والی شاعری ہماری اپنی اصناف میں نہیں ہو رہی۔ سب لوگ درآمد شدہ غزل ونظم وقطعہ کی جگالی کرتے پھرتے ہیں۔ بڑے پیمانے کی ایک تحریک چاہیے بلوچی کی اپنی اصناف میں شاعری کرنے کے لیے۔

فوک شاعری کی بہت ہی خوبصورت اور تعداد میں کثیر اصناف ، یہ ہیں:

1-لولی

لولی بلوچی ادب میں بہت قدیم طرز ہے۔ ماں اپنے بچے کو گوانزغ (پنگھوڑے)، شاغ یا سری بند میں جھُلاتے ہوئے پیار بھری آواز سے لولی گاتی ہے۔ یہ شاعری بچے کے مستقبل کے لیے دعائیں اور اچھے اوصاف پیدا ہونے کی خواہش سے بھری ہوتی ہے۔اس میں بچے کی سلامتی اور اس کی درازی عمر کی تمنا ہوتی ہے۔

یہ قدیم ترین صنف ماں کی ہوتی تھی اور اس لیے اسے اچھی طرح سے یاد بھی رکھا گیا۔ ماں لوری ہے،لوری ماں ہے۔لوری کو بلوچی میں لولی کہتے ہیں۔ماں پنگھوڑے میں اپنے بچے

یا کبھی بچی کے لیے گاتی ہے۔ بچہ جو رات کو سونے نہیں دیتا۔ ماں گاتی بھی تقریباً اُسی وقت ہے جب ساری دنیا سوئی ہوتی ہے۔ لہٰذا تخلیق کے لیے مکمل تنہائی ،مکمل سکوت...... ماں لوری گاتی جاتی ہے اور نئی لوری بناتی جاتی ہے۔ دل کے ارمان، اپنی سماجی مادی معاشی حالت، بچے کے لیے خواہشات کی تفصیل، اس کے لیے دعائیں......ایک بھرپور شاعری ہوا کرتی ہے یہ۔

لولی کا طرز تو تقریباً ایک ہی رہا مگر اس کے بول، مصرعے اور خیالات وسعت پاتے رہے۔ ماں پنگھوڑے کے قریب گا گا کر بچے کو جھلاتی رہتی ہے۔ ماں لولی بن جاتی ہے، اسی آواز میں تو ماں کے دل کی آواز ہوتی ہے۔ ماں، جس کا کوئی نعم البدل نہیں...جو ایک بار ہی ملتی ہے، اکیلی ہی ملتی ہے۔ اُس کی ہمسری کرنے والا پورے لولاک میں کوئی نہیں ہوتا۔

دنیا میں ہر جگہ ہمدردی اور مہر کا سمندر، یعنی ماں موجود ہے۔ اور جہاں ماں ہو وہاں بچے کے لیے اس کا احساس اور محبت بھی موجود ہوتی ہے۔ ہر ماں چاہتی ہے کہ اس کا بیٹا لڑائیوں میں بڑے بڑے سورماؤں کا مقابلہ کرنے میدان میں اترے۔ وہ نیک ہو، بات کا پکا ہو۔ وہ یہ ساری دعا، یہ ساری تربیتی باتیں بہت آرام دہ اور ہلکے ہلکے جھولوں کے دوران میٹھی اور نرم آواز سے اُسے بتاتی جاتی ہے۔ گو کہ لولی محفل و دیوان کی صنف نہیں ہے مگر بلوچی ادب میں سمی و دودا کی داستان میں لولی کے بلند و ارفع نمونے ملتے ہیں۔

لولی کی زبان بہت سادہ و شیریں ہوتی ہے۔ اس میں قبائلی سماج کے مظاہر مثلاً غیرت، بہادری اور جنگ وغیرہ کی بڑی تکرار ہوتی ہے۔ مائیں اپنے شیر خوار بچوں کو خودداری، خود اعتمادی اور ننگ وغیرت کا سبق دیتی رہتی ہیں۔ یہ گیت بچوں کو سلاتے وقت سنایا جاتا ہے...... میوزک میں سو جانا۔ گو کہ مائیں بچے اور بچی دونوں کو لولی سناتی ہیں مگر حتمی طور پر لولی کے سارے الفاظ بیٹے کو ہی مخاطب کرتے ہیں۔ عورت کی اپنی بے قدری، استحصال، دکھ درد میں اس کا نجات دِھندہ تو بیٹا ہوتا ہے یا بھائی، اس لیے وہ سارے ارمان بیٹے کے لیے کرتی

ہے۔اوراپنے سارے دکھ اورآپ بیتی اسی لولی میں بیان کرتی ہے۔

"لولی "(لوری) عورتوں کی اپنی مخصوص اور ملکیتی فیلڈ ہے۔مرد کبھی بھی لولی نہیں سناتا اپنی اولاد کو۔لولی کی شاعر بھی عورت اور گلوکار بھی عورت ہوتی ہے۔

2- نازینک

سوئے ہوئے بچے کو جگانے کی موسیقی (شاعری) ہوتی ہے۔اس کی فیکٹری بھی ماں کا دل ہوتا ہے۔وہ گا گا کر بچے کو جگاتی ہے۔بلوچ بچے کے مزے تو دیکھو، سلاؤ بھی گا گا کر اور جگاؤ بھی گا گا کر۔ماں تم کیا انوکھی ہستی ہو!!

3-ڈیہی

ڈیہی بہت خوبصورت اور بہت مقبول صنف ہے جسے ہر عام وخاص، پیر و جواں، عاشق وغیر جانب داراور مرد وزن کہتے بھی ہیں اور گاتے بھی ہیں۔یہ جدائی کی تانگ، انتظار کی مہلک کیفیات، اور میل و وصل کے جلا ڈالنے والے، مگر سکون آوز لمحوں کے جذبات کے اظہار کی بے مثل صورت ہوتی ہے۔اس کے گانے کے لیے نہ موقع محل کی ضرورت ہوتی ہے، نہ اجازت و پروانہ کی حاجت ہوتی ہے۔نہ وقت و موسم کی قید اور نہ تنہائی و محفل کی بندش۔یہ مویشی کی چراگاہ میں بھی اپنی آمد کرسکتی ہے اور کاروانوں میں اونٹ پر ہچکولے کھاتے ہوئے بھی اس کا نزول ہوسکتا ہے۔یہ محفلوں کی زینت بھی بن سکتی ہے اور بیت بازی کی طرح مقابلوں میں بھی موجوں کی صورت اپنی آمد کرتی ہے۔کٹھن چٹانوں کی بازگشت میں بھی ڈیہی گونج سکتی ہے اور رات کے پچھلے پہر گھپ خاموشی میں بھی ہل چلاتا کسان ڈیہی 'کھینچ' سکتا ہے۔دورافتادہ ندی نالوں میں لکڑیاں چنتی عورتیں بھی نرم لَے میں ڈیہی کرتی ہیں اور میٹھے پانی کے تالابوں میں پانی بھرتی خواتین بھی اسے 'ٹی چہک' سکتی ہیں۔الغرض ڈیہی ہر شخص کی رسائی والی صنف ہے۔یہ شاید بلوچی شاعری میں ابدتک

قائم رہنے والی صنف ہے، اس لیے کہ اس میں ماضی بھی موجود ہوسکتا ہے، حال کی نیرنگیاں بھی شامل کی جاسکتی ہیں، اور روشن مستقبل کی تعمیر کے عزائم بھی ہو سکتے ہیں۔ بلاشبہ یہ نوجوان کے امروز کی نقیب بھی ہے اور معمر کے دیروز کی گہری و لمبی آہ بھی۔

ڈیہی کی لے بہت ممتاز ہے۔ اکثر ڈیہی ایسی ہوتی ہے کہ اس کا پہلا مصرع بے معنی ہوتا ہے، ساری بات دوسرے مصرعے میں کہی جاتی ہے۔ ہائیکو کے دیوانے دانش ور، خا کروبی کر کے ڈیہی کے اندر سے بھی ناگاسا کی نکالنے کی کوشش کرتے ہیں مگر ڈیہی تو صرف ڈیہی ہے۔ اسے ڈیہی ہی رہنا ہے۔ ہائیکو اس کے پاؤں کی خاک کے برابر بھی نہیں۔

عطا شاد کی پیروی کرتے ہوئے ہمارے بہت سے دانش ور کہتے ہیں کہ ڈیہی' ڈیھ سے نکلی ہے، جس کا مطلب 'وطن' ہے۔ مگر سچی بات یہ ہے کہ یہ تصور درست نہیں ہے۔ ڈیہی کے اندر وطن کا کوئی خاص تذکرہ نہیں ہوتا۔ بلکہ ڈیہی ہر طرح کے نازک جذبات کے اظہار کی قالب ہوتی ہے۔ کھیتر انڑ اور پشتون وطن کو 'ڈیھ' نہیں کہتے، مگر اُن کے ہاں بھی ڈیہی موجود ہوتی ہے۔ وہ ڈیہی کو 'ڈی ہو' کہتے ہیں جس لفظ کا کہ وطن سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے ڈیہی اور ڈیہہ کو زبردستی باہم نتھی نہیں کیا جاسکتا۔

4-لیلڑی

''لے لڑی''، بلوچ شعر و میوزک میں بہت ہی مقبول صنف ہے۔ اسے موسیقی میں بھی گایا جاتا ہے۔ اس صنف کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ اس میں لفظ لیلڑی بہت تکرار سے گائی جاتی ہے۔ اسی لیے اس کا نام ہی لیلڑی پڑ گیا ہے۔ ارے بھائی، لیلیٰ سے بھی کوئی خوب صورت لفظ ہوسکتا ہے۔ بلوچ کس قدر خوب صورت انسان ہوتا ہے۔ وہ 'سندھ' جیسی خوب صورت سرزمین کو مزید دلکش بنانے کے لیے 'سندھڑی' کہہ ڈالتا ہے اور لفظ لیلیٰ میں نزاکت و کشش میں لطیف اضافہ کے لیے 'لیلڑی' میں بدلتا ہے۔

یہ گانے میں بہت تیز صنف ہوتی ہے۔اس کے ہر مصرعے کا مطلب جدا ہوتا ہے، مگر وزن اور قافیہ برابر ہوتے ہیں۔ یہ مہر ومحبت کی ترجمان ہوتی ہے۔ یہ بلوچی کا مقبول لوک گیت ہے۔

5-هالو

ہالو یا ہلو طربیہ گیت ہوتے ہیں۔جو شادی وشادمانی کے مواقع پر گائے جاتے ہیں۔ اس میں طرز شاید ایک جیسا رہتا ہے اور **سگنیچر** مصرع بھی، مگر مائیں اپنے بیٹوں کے لیے بھلا کیا کیا ارمان نہ کرتی ہوں گی۔اور ہلو میں کیا کیا اضافے ہوتے ہوں گے۔

شادی بیاہ کی اس شاعری کو عورتیں کورس کے انداز میں گاتی ہیں۔ہالو اور لیلاڑو نشاطیہ صوت کے اوزان کی حیثیت رکھتے ہیں۔اور وہ تمام شیئر جو ہالو اور لیلاڑو کے وزن پر پورے اترتے ہیں، ہالو اور لیلاڑو گانے کے کام آتے ہیں۔ ہلو ہالونی کی شاعر بھی عورتیں ہیں اور گانے والیاں بھی۔ یہ خوشی وخوشحالی کی رواں ندی ہوتی ہے۔کورس کا سا انداز اس طرح ہوتا ہے کہ ایک یا دو عورتیں باقی مصرعے بولتی ہیں اور باقی عورتیں مل کر کورس کے انداز میں کہتی ہیں،''اے ہلو ہالو ہالو و وائے''۔ ''ہالو'' کی اس بار بار کی تکرار کی وجہ سے اسے ہالو کا نام دیا گیا ہے۔

ہالو میں دلہن کی خوبصورتی، سگھڑ پن اور دوسری اوصاف کی تعریف بھی ہوتی ہے، اور داماد کی صحت مندی، بہادری، نشانہ بازی، گھڑ سواری اور دیگر مردانہ صفات کی توصیف بھی۔ ہالو میں دلہا دلہن کی آئندہ کی زندگی کے لیے اچھی خواہشات اور دعائیں بھی ہوتی ہیں۔ یہ رقص کے ردھم کے ساتھ ہم آہنگ ہوتی ہے۔ یہ صنف صدیوں سے جاری وساری ہے۔اس کی کوئی شاعرہ، کوئی مالکن نہیں ہوتی بلکہ پورا بلوچ معاشرہ اس کا محافظ ہے، ساری عورت نسل اس کی شاعرہ اور اس کی پالن ہار ہوتی ہے۔ترنم اور نشاطیہ صنف کی اس شاعری میں صرف وزن برابر ہے۔باقی، کتابی پٹواری پن والے شعری لوازمات کا کوئی خیال نہیں رکھا جاتا۔

6-لئی لاڑو

لوک شاعری کی ایک صنف ہے، جن کی شاعرائیں عورتیں ہوتی ہیں۔ وہی اسے کمپوزکرتی ہیں اور وہی اسے گاتی ہیں۔ یہ بہت ہی پُرتفریح صنف ہے۔ ہالو کی طرح لئی لاڑو بھی عموماً شادی وجشن کے موقعوں پر گائی جاتی ہے۔ اسے کہیں بھی، کسی بھی اچھے موقعے پر گایا جاسکتا ہے: شادی بیاہ میں، جشن میں، اکٹھ میں۔

یہ بھی ہالو کی طرح مل کر کورس کے انداز میں گائی جاتی ہے۔ یہ دو وزن رکھتی ہے:

(1) لئی لاڑو لاڑو لئی لاڑو، لاڑو

اور...

(2) لئی لڑو لاڑو لئی لڑو لاڑو

تیسرے وزن کا نام " لاڑے مور" (لیلی مور؟) ہے جو وسطی بلوچستان سے ہوتا ہوا مشرقی بلوچستان آ پہنچا، جہاں یہ نسبتاً نیا ہے۔

لئی لاڑو، لولی اور ڈیہی بہ یک وقت محبوب کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں، بیٹے اور بھائی کے لیے بھی۔ "خپلواکی تڑون" نامی افغان ریسرچ میگزین اس کے بارے میں ایک اور بات بتاتا ہے؛ "لئی لاڑو بہت تاریخی اہمیت رکھتی ہے، جس کے اندر عشق، گیت اور تلوار کا ذکر ہے۔ جس دور میں بلوچوں کے اندر قبیلوی دشمنی عام تھی (کب نہ تھی؟) اور ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کے خلاف اعلانِ جنگ کرتا تو جب دونوں طرف کے تلوار باز مردمیدان میں اترتے تو بلوچ دوشیزائیں انہیں جنگ پہ اکسانے اور ان کی ہمت بڑھانے مل کر ایسے گیت گاتیں، جس سے نوجوان شکست نہ کھاتا۔ عورتوں کے اس گیت نے بہت سی عورتوں کو بیوہ بنوایا"۔

پاکستانی بلوچستان میں البتہ اس پس منظر والا لئی لاڑو بہت کم ہے۔

7-سوت

یہ بلوچی فوک سانگز میں بہت مقبول صنف ہے۔شادی بیاہ میں گایا جاتا ہے۔اور یہ ضروری نہیں کہ اس کی خالق عورتیں ہی ہوں۔زیادہ تر مغربی بلوچستان میں مقبول ہے۔

8-زہیروک

ذاتی جذبات کی گہرائی کے اظہار کے لیے زہیروک سے زیادہ موثر صنف شاید ہی کوئی اور ہو۔گھر کی یاد، محبوب ، والدین اور خاندان سے جدائی ہی اس کا موضوع ہوتی ہیں۔ زہیر نی یاد کو کہتے ہیں، انتہائی نرم دلی کو کہتے ہیں۔کسی قریب ترین ہستی کو Miss کرنے کی عمیق، مگر لطیف ترین کیفیت کو کہتے ہیں۔ایک کیفیت جو یاد اور جدائی کی انتہائی کسک پا کر اَن مٹ بے قراری بن جاتی ہے۔جس میں انسان کو کسی پل چین نہیں پڑتا۔ اسی زہیر سے مشتق بلوچی میں ایک راگ ہے جسے زہیر یگ کہتے ہیں۔ یہ راگ، بے چینی کی اسی کیفیت کو دلدوز سُروں میں متشکل کرتا ہے۔ یہ سیدھی سیدھی جدائی اور فراق کو چھیڑنے والی صنف ہے۔ کبھی ساز اور کبھی بغیر ساز کے خوش الحان گلے اسے چھیڑتے ہیں۔ زہیروک شتر بانوں کی پسندیدہ صنف ہے۔

زہیروک مشرقی یا سلیمانی بلوچی میں بالکل ناپید صنف ہے۔ یہ اصل میں رخشانی علاقے کی دل پسند صنف ہوتی ہے۔شتر بان، چرواہے اور محنت کش کی لطیف صنف۔الفاظ تو ہوتے ہی پُراثر ہیں، مگر اس کے گانے کا جو طرز ہے وہ سسکیاں بھر بھر کر محبوب کو یاد کرنے کی عکاسی کرتا ہے۔بھلا کون کافر کہتا ہے کہ بلوچ سنگ دل ہے، یا وہ نرم دل نہیں ہے۔

ہماری ساری اصناف کو گم نہیں ہونے دینا چاہیے۔گل خان رہا نہیں جو کوشش کر کر کے اِن اصناف میں شعر کہتا تھا۔محبت و انسانیت کے اِن اصناف کو زندہ رکھ کر ہی بلوچ کا نرم رخ دنیا کے سامنے رہے گا۔

9-لیکو

اسے بھی شترزبان زہیروک اور ڈیہی کی طرح گاتے ہیں۔لیکو کا بھی کوئی خاص شاعر نہیں ہے بلکہ یہ بھی سارے عوام کا مال وورثہ ہے۔ یہ خوب صورت استعاروں اور تشبیہوں سے مزین صنف ہے۔اس میں ایسی شاعری ہوتی ہے جس میں بڑی طاقت ، بہت جوش موجود ہوتا ہے۔یہ چاگئے ،خاران،سرحداورہلمند کے علاقوں میں بالخصوص چرواہوں، کسانوں اورشتر بانوں میں بہت مقبول ہے۔اسی لیے اس میں سفر کی مشکلات ومشاہدات بھی موجود ہیں،بھیڑ بکریوں کی باتیں بھی ہیں، پہاڑوں ریگزاروں کے تذکرے بھی ہیں،اور ہجر و فراق کی دل اکھاڑ ساعتوں کے مرثیے بھی موجود ہیں۔اس کا طرز بھی ایسا ہے جیسے خوداونٹ کی سواری۔اونٹ کی سواری کے طویل سفر میں،رات کی تاریکی اور فطرت کی نامہربانیاں ہوں تو لامحالہ محبوبہ یاد آتی ہے،اس کی جدائی تڑپادیتی ہے،گھر کا آرام اوراپنے علاقے کی یادستاتی ہے۔یہی جذبات لیکو بنتے ہیں۔

لیکوتقریباًوہی فوک گیت ہیں اوراس کے موضوعات بھی وہی ہیں،جذبات بھی وہی جو ڈیہی کے ہیں۔

10-ایمبا

یہ محنت کشوں کے اجتماعی کام میں قوتیں ملا کرزورلگانے کا گیت ہے۔بالخصوص ماہی گیرمحنت کشوں کا۔

11-دستانغ

یہ بلوچی فوک سانگز کی گویاجان ہے۔رومان ورزم ومناظرِ فطرت پر مشتمل اس طویل

صنف میں بقیہ فوک پوئٹری کے برعکس صرف دو مصرعے نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ بلوچوں کی شاعری کی واحد صنف ہے جو ہزار دو ہزار اشعار تک (خود کو دوہرائے بغیر) طویل ہوسکتی ہے۔ گو کہ کلاسیکل کو بھی کبھی کبھی نڑ سُر پر گایا جاتا ہے مگر اصل نڑ سُر تو دستانغ کی ملکیت میں ہوتا ہے۔ دستانغ گو کہ کلاسیکل شاعری کی طرح زوردار نہیں ہوتا مگر اپنی امارت اور حسن میں یہ کچھ کم بھی نہیں ہوتا۔ یہ کلاسیکل داستانوں سے بہت بعد کی صنف ہے۔ دستانغ ایک ایسی صنف ہے جو رومانوی حکایات، فطرت کے مناظر، اور رزمیہ کہانیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ اس میں دین، تصوف، اخلاقیات، ادب، عشق، بزم رزم، اور توصیف سب آتے ہیں۔ 'دستانغ' جنگی بھی ہوسکتی ہے جس میں کسی دوسرے قبیلے کے ساتھ یا پھر قبیلے کے اندر کسی لڑائی کا قصہ ہوتا ہے۔ یہ ہنگامہ خیز واقعات کی ہنگامہ خیز واقعہ نگاری ہوتی ہے۔ اگر آج بلوچ کی تاریخ مرتب ہوسکی ہے تو اس میں دستانغ اور شعر کا بہت بڑا حصہ ہے۔ یہ روایتی بلوچی سادگی سے مزین صنف ہے۔ جنوبی اور مشرقی بلوچستان اس کا ٹھکانہ ہے۔

بلوچ اس صنف کے عاشق ہیں۔ جہاں کہیں بھی دو یا دو سے زیادہ آدمی ملیں دستان گوئی اور دستان سماعی شروع۔ اکثر 'دستانغ' کے شاعر نا معلوم ہیں۔

دستانغ ڈرامہ کی طرح کرداروں سے بھری ہوتی ہے۔ گم نام شاعری کے موتی جیسے الفاظ۔ یہ نڑ، دمبیرو اور بین کے ساتھ گایا جاتا ہے۔ دستانغ خصوصاً قبائل میں بہت مقبول ہے، اس لیے کہ اس میں قبائلی زندگی کی بہترین عکاسی موجود ہوتی ہے۔ جہاں فطرت مہربان بھی ہوتی ہے اور قہر و جبر سے بھرپور بھی۔ جہاں نیچر قریب بھی ہوتی ہے اور حسین و جمیل بھی، جہاں وفا اور جفا دونوں انتہا درجے کے ہوتے ہیں اور جہاں مہر و قہر لامتناہی ہوتے ہیں۔ اِن دستانوں کے باقاعدہ نام رکھے ہوتے ہیں۔ مشہور دستانغوں کے نام ہم یہاں درج کرتے ہیں:

شیشک، تالنڑ (کہتے ہیں کہ زامری عالیانی اس کا شاعر تھا)، حیف، سوزاں پری یانکو جنک (شاعر علی شیر رامکانی ؟) پُلّی بانک (میرخان پیر دادانی ؟) سیاہ تالی (لڑنگ

مھمدانی)، گھمّا، دادھری، پرک، جابانی (جمال خان مری)، نکّو جنک (جمشید مری) ، رفیس، جھرّا، جاڑو، شیر ہمد، چمکلو، لفنگ، پروپاغ، پیرہاں، سموّ سخی، سوھری، یاعلی، جھمی، اللہ بیلڑی، چیڑول، مور، بوجلائیں مرگ، مزائیں مرگ، (شاعر، ملوسید یانی بگٹی؟) قادر (شاعر جمشیر رامکانی؟) سیاہیں رفیز' ہورانی شیر۔ آفانی پری، بارغ، پیرانی دستان، اللہ توئی، کمالہان، زیتون۔

''شیشک'' نامی دستانغ طویل ترین بحر والی ہے جب کہ ''حیف'' بہت مختصر اور تیز گایا جانا والا دستانغ ہے۔

مثلاً 'شیشک' دیکھیے:

کشّیں چاقو آں بُرّیں سُہرانی ڈانوڑاں
اے چاڑ دھیں ڈاچی مئیں یار نڑئے یہ پشکے نواں
ودھشہ چی اے مس پروہ پہ صدری اے گراں
صدری ئے جیوا ماں کناں یارا شکلّاں

ترجمہ:

چاقو نکالو اور اونٹنیوں کی رسیاں کاٹ دو
یہ چودہ اونٹنیاں (بیچ کر) میری محبوبہ کا ایک قمیص بھی نہیں بنتیں
ہاں اگر کچھ پیسہ (اس کی قمیص) سے بچ گیا تو اپنے لیے واسکٹ خریدوں گا
اُس کی جیب میں محبوبہ کے لیے مٹھائی ڈال دوں گا

اب ذرا 'حیف' کا اختصار اور گرم رفتاری دیکھیں:

دوشی کہ مس وپتو و ہاوکشہ
ما پوپلڑی گالی دِہ کشہ
ما ساھانی سوزا کشہ
نَیں اُتر و نَیں باقی کشہ
ما سرپہ سریں سوزا جشہ

ترجمہ:

رات کو میں سویا
(خواب میں) میں نے اپنی محبوبہ سے ملاقات کی
ہم نے جانوں کا تبادلہ کیا
نہ اُس نے زائد دیا نہ میں نے
ہم نے برابری کی بنیاد پر جانوں کا تبادلہ کیا

اور اب ذرا دودستانوں کا نمونہ ملاحظہ ہو:

(1) جابانی

جمال خان مری

بیشغنت پاکئے کار نصیوانی
دیشغاں زڑ دیں زال کھیوانی
لڈغیں زالے نامیں جابانی
جُزغ و بھیراں پسکشہ غانی
کندغ و لیواں دل بڑتغانی
مس ترا نیلاں دیروہ کھنی
کوڑوہ کاراں گپتغاں دانی
گیراشنت پارت چوکری آنی
دیروہ ماہ دیمیں پری آنی
(شاعر) تہ جنئے دستانے پہ مئے نامی
مس وس کشو سینگھار تہ زوازانی
گندغیں گالانہ نہ گوشانی
باز مناں دوست بیشہ دلہ کھنی
(اغہ) سیذو سڑ دارے مس غلامانی
(اغہ) بادشاہے مس نوکرہ بانی
قولیں کہ تنخواھہ نہ گرانی

لوغہ نداں چڑومس گندانی
مس چڑو ٹوکاں گوشہ دارانی
چلوے زڑدیں زالہ دستانی
کش و دئے یکے مارہ نشکانی
تئ ڈوبر اڈھو کا اش زوزانی
بگّڑیں دتان انت سوادھانی
شیفغیں پونزے چماں سروانی
بیشغنت ژلکا تئ گنگروآنی
بے جُڑیں پرایاں گروخانی
دروشمہ کیشی عیدہ نوخانی
مس دِہ پہ دیذارا زرغانی
گھاڑ مناں پیدا غیں گنوخانی
نندغہ نیلاں لہر کفوتانی
چکشوجابہہ بستہ ملتانی
جھمبشو زڑتہ گانڈی جنگانی

****

نکوجنک (2)

جمشید مری

کِلاں ہواں روشی ترا کہ استار قطبئے جزری
سھیل بیث ژہ کعبہ پلوا یا روش ژہ آنگو در کفی
میر چاکرہ ماڑی بُنا صدی حدیثانی گزی
گوخ زاپاں بیاراں ماذنا برو مسلمانی جھی
یکے مری یکے سری لی آ ہماں روشی سذی
دانی کسن و کستریں نوخی بیئے تیلاں چڑی
مرگاں بالہ وہاو باڑ کندوخہ ورنائی وہی
گواثے کشی اژ ڈکنٹرا ہلّینتغ آں درشکہ پلی
مس دہ ہذائی توکلا پرینتغہ پُشتی وثی
کئے زاں ہیے درشکہ بر ے مئے پلوئے چکا کفی
نَیں ماہ گوں استاراں تڑیں نیں روح گوں تی زالے رلی
عاشق مناں معشوق توئے دستا مناں دے گل پری
نیلاں ترانکو جنک دانکو مہ وی مئے برادری
ہر با کہ تہ یارے کنئے مس آتکغاں کلّاں سری

مویشی بانی اور زراعت بلوچوں کا پیشہ اور روزی ہیں۔بیل کے ساتھ دوستی دیکھنی ہو تو بلوچ کے علاقے میں جائیں۔ہمارا کسان اپنے بیل کا سنگھار کرتا ہے، بجنے والی گھنٹی (شب) اُسے پہناتا ہے، اس کی بلائیں لیتا ہے۔ہماری فوک شاعری میں ایک کسان ''جھرا'' نامی ایک داستان (نظم) میں جھرا نامی اپنے بیل کی تعریف میں سو سے زائد مصرعے کہہ گیا ہے۔اس داستان کو ''چیڑول'' بھی کہتے ہیں:

جھرا شب و کنڈی آں نہ بنداں ذاتے بیکارا
نہ زئے گوخے ، نیبئے روڑے ، نہ خنت جھرا تڑیں کارا
پنجاہ کاسغہ ریشاں ، جھّرا روشہ ننگارا
جھرا کوتلی جزی ، ھیلا کیں سرہ مھارا
جھرا ڈھگوے جوائیں ، تئ تعریف دہ قندہارا
لٹاں ہلمہاں کاری ، چڑی جھرا گوں یہ تاڑا
ہزارا لوٹشہ ، جھّرا ، جمالی لوپہ سردارا
ہزار تہ چترے چینیں ، نہ داشہ ماخو بھوتارا

ترجمہ:

جھرا کی گھنٹیاں اور گھنگھرو میں کسی اور بیکار بیل پہ نہیں باندھوں گا
نہ کوئی گائے ایسا بچہ جنے گی نہ ہی کوئی اور بچھڑا جھرا جتنا کام کر پائے گا
میں ایک ہی دن میں جھرا کے ذریعے پچاس کاسہ بیج بوڈالتا ہوں
جھرا نازو نخرے کے ساتھ، مہار ڈالے چلنے کا عادی ہے
جھرا زبردست بیل ہے جس کی تعریفیں قندھار تک ہوتی ہیں
بند کے لٹھ پر (چڑھائی) پر تو گویا حملہ آور ہو جاتا ہے اور اس کی رفتار بہت ہے

ایک ہزار روپیہ پہ مانگا گیا تھا جمالی کے سردار نے
ایک ہزار کچھ کم رقم تو نہیں ہوتا مگر میں نے اور میرے جاگیردار نے نہ بیچا

12-موتک

یہ حتمی طور پر بچھڑنے والے کے لیے وہ ماتمی شاعری ہوتی ہے، جو روتے ہوئے گا گا کر کہی جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں موتک کی شاعری ماتمی ہوتی ہے۔ موت کی یہ شاعری دل کو چیرنے اور روح کو ہلا ڈالنے والی شاعری ہوتی ہے۔ انسان کی ساخت میں یہ بات شامل ہے کہ اس نے موتک بہر حال سننے بھی ہیں اور پھر ایک بار خود اپنی موت پہ موتک کہلوانے بھی ہیں۔ ایک بظاہر دائمی صنف، یعنی موتک سے بشر کو آزادی نہیں۔

موتک عورتوں کی صنف ہے۔ ماں، بہن، بیوی، بیٹی میّت سے مخاطب ہو کر ماتم کرتی جاتی ہے۔ معلوم نہیں کیوں موتک کے اشعار کچھ زیادہ تحریر میں نہیں لائے گئے۔ سیمک کی شاعری کے سوا موتک کی شاعری چھپی ہوئی صورت میں بہت کم ملتی ہے۔ کاش موتک بلوچ ادب سے خارج ہو جائے۔ زمانہ، گواہ رہنا! وہ وقت ضرور آئے گا جب انسان صرف چیچک کی موت سے نہیں بلکہ ہر طرح کی موت سے نجات پالے گا۔ موتک بلوچی ادب سے خارج ہوگا...... بہت سی نسلوں کے بعد ہی سہی!!

13۔اخلاقی اور دینی

بلوچی شاعری میں حمد ایک الگ صنف کی طرح کبھی موجود نہیں رہی، نہ ہی نعت کوئی الگ صنف رہی ہے، مرثیہ بھی الگ شاخ کی صورت کبھی ہم میں جڑیں نہیں پھیلا سکا۔ بلکہ نعت و حمد و مرثیہ کا ایک آدھ مصرع بلوچ اپنی داستاں والی شاعری کی تینوں اصناف (یعنی عشقیہ یا رزمیہ یا مناظرِ فطرت) میں شامل کرتے ہیں۔

یعنی خدا، رسولؐ، حضرت علیؓ کا خاندان، ولی اور اولیا ہماری زندگیوں کی طرح ہماری

شاعری میں بھی جگہ جگہ موجود ہوتے ہیں۔ ہمارے اپنے ساتھیوں کی طرح، ہمدردوں مددگاروں کی طرح۔ انہیں ہماری زندگیوں سے علیحدہ کر کے الگ اصناف کی شکل نہ دی گئی۔ زیادہ تر ایسا ہوتا ہے کہ دستانغ کے اولین مصرعے انھی ہستیوں کے ذکر و تعریف پہ وقف کر کے اپنے موضوع کو آگے بڑھایا جاتا ہے۔ الگ سے حمد، نعت یا مرثیہ بہت بعد میں ضیاالحق کے دور سے بالکل اُسی طرح بے مغز اور پھُس پھُسے انداز میں برتے گئے ہیں جس طرح کہ سرکاری تقریبات میں ہوتا چلا آیا ہے۔ پیسے دے کر نعتیہ مشاعرہ منعقد کرانے کا رواج ایک سیاسی بات رہی ہے۔ بالخصوص مارشل لاؤں کے زمانے میں جہاں ٹی وی اور ریڈیو کی فیکٹریوں سے عوامی سیاسی عمل کا تدارک مقصود رہا۔ قومی ترانے وغیرہ سب اسی زمرے میں آتے ہیں۔ نتیجہ یہ کہ کوئی بھی عوامی شاعری ان اصناف میں نہ ہوئی۔ ملاّئی یا مذہبی شاعری کا دور صرف مکتبہ درخانی والا رہا ہے۔

جواں سال کو اِس زمرے میں پیش کرنے کی زبردست کوششیں انھی حلقوں کی طرف سے ہوتی رہی ہیں مگر وہ بھی شیخ سعدی کے رنگ کے شاعر ہوئے، سند یافتہ حمد یا نعت گو شاعر نہیں۔

فلسفیانہ شاعری، ایک زبردست طاقتور عوامی شاعری ہے۔ مگر پاکستان کی مارشل لا حکومتوں نے اُس میں ایسی ایسی ملاوٹیں کروائیں کہ اُس کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا۔ توکلی مست کو دیکھیں، پہلوان فقیر کو دیکھیں، جواں سال کو دیکھیں... آسمان تک پہنچا دیتے ہیں یہ انسان کی روحانیت کو۔ سرکاری ریڈیو ٹی وی نے ہماری اِس عوامی، زندہ، متحرک اور عملی شاعری کو Passive اور جمود کی قوتوں کا ترجمان بنانے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔

14-ذکری اور چوگان

چوگان ذکری بلوچوں کا ایک مذہبی گیت ہے۔ اسے "سپت" یعنی صفت بھی کہا جاتا ہے۔ ذکری بلوچوں پر عمومی طور پر تحقیق بہت کم ہوئی ہے۔ جو معلومات رسالوں، کتابوں یا بوڑھوں سے ملی ہیں اُن کا خلاصہ یہ ہے:

ذکری فرقہ کے ماننے والوں کا تعلق غریب طبقہ سے ہے۔ یہ محنت کش اگر شہر میں ہیں تو مزدوری کرتے ہیں، ساحلی علاقوں میں یہ لوگ ماہی گیری کرتے ہیں اور اندرونِ بلوچستان کھیتی باڑی، مال داری اور چرواہا گیری کرتے ہیں۔

اُن کے فرقے سے وابستگی یا عدم وابستگی سے ہٹ کر اُن کے خلاف کچھ بہت ہی حقیر قسم کے الزامات لگائے جاتے ہیں۔ ذکری بلوچ ہیں اور وہ بلوچ ثقافت کے دلدادہ ہیں۔ ان کے فرقہ کے سارے ادب آداب اور رسومات کی ادائیگی عظیم بلوچ غیرت کی چوکھاٹ کے اندر رہ کر ہوتی ہے۔ دوسرے صوبوں کے ملاّ لوگ خواہ جو پروپیگنڈہ چاہے کریں، سچ بات یہ ہے کہ ذکری بلوچ یورپی اور امریکی لوگ نہیں ہیں، یہیں کے بلوچ ہیں اور بلوچوں کے بھاری اور گراں قدر کلچر سے بندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اور یہ ممکن ہی نہیں کہ بلوچ ثقافت سے ہٹ کر رسومات کر سکیں۔

چوغان خدا، رسول، مہدی، مذہبی نیکیوں، کوہِ مراد اور اس کے قریب واقع قدیم ذکری روحانی راہنماؤں کی قبروں والے شہر تربت کی تعریف وتوصیف پر مشتمل گیت ہیں۔ چوغان نرم رفتار قدموں کی حرکت کے ساتھ گائے جاتے ہیں جہاں لوگ ایک دائرے میں حرکت کرتے رہتے ہیں۔ بلوچ دیہی طرزِ زندگی نے عورت کو مکمل پردے میں ڈالنے کی فضول خرچی کبھی نہ کرنے دی، اس لیے عورتیں اپنے بھائیوں، چاچوں ماموں شوہروں کے ساتھ اس عبادت میں شامل رہتی ہیں۔

چوغان ہر اہم مذہبی تہوار میں گایا جاتا ہے۔ 27 رمضان کو، شبِ برات، عید وغیرہ پر۔ اِس دائرے کے مرکز میں ایک شادہ شدہ بچوں والی خاتون (شاعر) گاتی جاتی ہے۔ اسے بہت بلند آواز میں گانا پڑتا ہے اور اس کا جواب کورس کے انداز میں دائرے کے لوگ دیتے ہیں۔ سب اونچی اونچی آواز میں ایسا کرتے ہیں۔ یہ نغمہ قدموں کے ساتھ ملاپ میں بلند ہوتا جاتا ہے، نغمہ بھی تیز ہوتا جاتا ہے اور قدم بھی رفتار بڑھاتے جاتے ہیں۔ نغمے پہ نغمہ... جب تک کہ وہ چُور ہو جائیں۔ قدموں کا آہنگ چلتا رہتا ہے۔ رات صبح ہو جاتی ہے تو آخری چوغان

گایا جاتا ہے۔جس کے الفاظ اس طرح ہوتے ہیں :

مومنانی شب گوْست (مومنوں کی رات گزر گئی)

اور کورس جواب دیتا ہے :

شپ پہ عبادت گوْست (رات عبادت میں گزر گئی)۔

قدموں کی رفتار اور طرز کے لحاظ سے چوگان کی تین قسمیں ہیں : چرغی (گھومنا)، رووآئی (جانی اور آنا)، اور جہل و بڑز (نیچے اور اوپر)۔

چوغان سب کا سب بلوچی میں ہوتے ہیں۔البتہ کچھ الفاظ عربی اور فارسی کے اس میں شامل ہوتے ہیں۔سیکڑوں چوغان کے گیت موجود ہیں۔مثال کے طور پر:

شاعر کہتا ہے، ''حبیبی ربی جل اللہ، مارا مدد بو یا اللہ''

اور جوابی (کورس) جواب دیتے ہیں : ''مارا مدد بو یا اللہ، لاالہ اللہ ''

ایک اور چوگان کے بول ہیں: حبیبی ربی کردگار، دائم استیں برقرار

جواب :

دائم استیں برقرار

لاالہ اللہ

اسی طرح ایک اور چوغان کے بول ہیں:

سبحان نورے جل اللہ

جوابی: مارا مدد بی یا اللہ

ایک تیز چوگان یوں ہے:

شاعر: یاھُو

جوابی: اللہ ھُو

یہ سارے چوگان پرانے زمانے (تقریباً سترہویں صدی) سے چلے آرہے ہیں۔کسی شاعر کا نام معلوم نہیں۔

منتخب لوک شاعری

اللہ کا پیارا، حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تبارک تعالیٰ کے پاس گئے
اور عرض کیا مجھے اپنا جلوہ دکھادے،
اللہ تعالیٰ نے فرمایا،
اگر میں تمھیں جلوہ دکھادوں تم برداشت نہیں کرسکو گے
اللہ تعالیٰ نے اپنا جلوہ کوہِ طور کو دکھایا، طور کانپنے لگا
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا،
یااللہ تیرے کام باحکمت ہیں

مہتر موسیٰؑ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سیاحت کا شوق تھا

سیر و شکار کے دوران گھومتے گھامتے

بیاباں میں ایک کھوپڑی دیکھی

کونوں میں کالے کیڑوں نے جگہ کر رکھی تھی

آنکھیں گرد سے اَٹی پڑی تھیں

نتھنوں میں گرد اور دُھول تھی

کوڑیوں کی طرح سفید موتی جیسے دانت منہ سے گر چکے تھے

حضرت موسیٰؑ علیہ السلام نے خدا سے عرض کیا،

اے تبارک تعالیٰ! میری یہ دعا قبول فرما

میری دعا یہ ہے کہ بندۂ خاکی میں جان ڈال!'

خدا کی قدرت سے پرانی کھوپڑی میں جان پڑ گئی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پرانی کھوپڑی سے حال پوچھا

کھوپڑی نے مسکرا کر جواب دیا،

اے حضرت توقف فرمائیے، میں آپ کو اپنا حال عرض کرتا ہوں

میں ایک بادشاہ تھا، میرا نام سلطان زُم زُم تھا

میری دولت تمام لوگوں سے زیادہ تھی

میرے گڈریے، میری رعایا کی بھیڑوں کے برابر تھے

جب میرے دمامے بجتے تھے

میری تین سو کنیزیں تھیں

ان کے لباس موتی اور جواہرات سے جڑے ہوئے تھے

دو ہزار زنگی میرے ذاتی غلام تھے

دس ہزار میرے ہم مشرب تھے

میرے شکار کے لیے پانسو کتے اور سات سو باز تھے

میں مخمل بچھا کر ان پر گھوڑے دوڑاتا تھا

ایسا نہ ہو میرے سلطانی سر اور تاج پر گرد ہ پڑے

ایک روز اچانک تیسرے کے بخار کا حملہ ہوا

ہر طبیب آ کر یہ کہتا کہ میں زُم زُم کا علاج کروں گا

موت کا علاج لوگوں کے پاس نہیں ہے

تعویز اور اور علاج رائیگاں گئے

موت کا فرشتہ بھیانک چہرے کے ساتھ آیا

اس کے چار پاؤں اور آٹھ پنجوں والے ہاتھ تھے

ان آٹھ پنجوں میں سے ایک میری طرف بڑھایا

میری شیریں جان تکلیف سے نکالی

اسی وقت میرے لیے خوب صورت تابوت بنایا گیا

میرے بچوں اور بھائیوں نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا

بچوں اور بھائیوں نے اپنے کندھوں پر اٹھایا

میرے پہنچنے سے پہلے ایک تنگ قبر کھودی گئی تھی

قبر میں رکھنے کے بعد اسے اوپر سے لیپ دیا گیا

دو جوان دفرشتے آہنی گرزوں کے ساتھ پہنچ گئے

ان آہنی گرزوں سے مجھے مارنے لگے!'

حضرت موسیٰ فرماتے ہیں؛

’جب تم بادشاہ تھے تو حکومت کے نشے میں اندھے تھے

فیصلہ دیتے وقت غریب پر ظلم کرتے تھے

اگر اس وقت تم لوگوں کے ساتھ شیریں کلامی سے پیش آتے

تو تمہاری فریاد آسمانوں تک نہ جاتی!‘

حضرت عیسیٰؑ

اے محبوب بادلو جب تم گزرتے ہوتو زمین کو سرسبز کرتے ہو
گرما کے بادل کس قدر بھلے ہیں
جو خنکی لاتے ہیں، آہ وفریاد ترک کردو
جب ہماری آنکھوں کے سامنے سے گزرتے ہو
ہم، جس نے تمہارے لیے تاج وسرتیاگ دیے ہیں
میری محبوبہ شب چراغ کی طرح حسین اور پری وش ہے
تم باثمر شجر ہو اور تمہاری زلفیں ناگن ہیں
دلکشی میں کبوتر ہی کی طرح ہو
درخت کا قصہ اس طرح ہے:
حضرت عیسیٰؑ گھومتے گھومتے تشریف لائے
شہروں اور قصبوں کی سیر کرتے ہوئے
بیابان میں ایک فقیر بری بیٹھا ہوا پایا
جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا،
'تمہارا ایمان اور اعتقاد کس پر ہے
بغیر خوراک کے تم کیسے زندہ ہو؟'
بری فقیر نے جواب دیا،
'اے حضرت عیسیٰ علیہ السلام! تھوڑی دیر کے لیے یہاں تشریف رکھیں

خدا کی قدرت کا ایک کرشمہ ملاحظہ فرمائیں!‘

حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھوڑی دیر تک وہاں بیٹھے

خدا کی قدرت کا ایک کرشمہ دیکھا

زمین سے ایک پودا نکلا

صبح سویرے وہ بڑا ہوا

دوپہر کو اس میں پھل لگ گئے

سہ پہر تک اس کے پھل پک گئے

درخت نے دو دفعہ پھل دیے

نیک لوگوں کی خوراک بنا

جیسے ان پر کرم ہوا

اس طرح ہم پر بھی ہو

اے نیک لوگو، اللہ کی برکت سے

یہ صحرائی درویش کی کرامت ہے

اے اہلِ مجلس کلمہ پڑھو!!

لوری ۱

اپنے ننھے منے بچے کو لوری دیتی ہوں
میٹھی نیند میرے بچے کو (نصیب ہو)
ایک پرندہ شکار کر کے اس کی کھال نکال دے
پرندے کی کھال کی مجھے ضرورت ہے
گھی رکھنے کے لیے چھوٹا مشکیزہ بناؤں گی
اپنی ساس کے لیے بھیجوں گی
میری جان گشت (گھاس) کا فرش اور چٹان کا سایہ
مشکیزہ میں زرد رنگ کا گھی
بھیڑوں کی چکتی ملا گوشت
میرے بچے کو نصیب ہو
اپنے بچے کو لوری دیتی ہوں کہ اس کی عمر دراز ہو

لوری ۲

میرا عالم دین خوش پوش جوان بنے
وہ اپنے چھ ہتھیار زیب تن کرے گا
ڈھال، بندوق اور خنجر
وہ تیروں بھرا ترکش اٹھائے
رندوں کی شیرازی تلوار
منہ زور گھوڑی دوڑائے گا
جدگال عورتوں کو ورغلائے گا
انھیں وہ یہ لارے دے گا:
'تمھیں سرخ کپڑے دوں گا،
نقد رقم دوں گا،
برے کا گوشت کھلاؤں گا،
شہروں کے مصفیٰ شکر (مصری) لادوں گا'
جب وہ جدگال عورت تمہاری محبت میں گرفتار ہو جائے گی
تو وہ تم سے اس طرح بات کرے گی:
'جب سورج رات کو گھٹنا ٹیک لے
اور پہاڑوں پر جھک جائے
ستارے اندھیرا میں چمکنے لگیں

تب اپنی تیز گھوڑی پر زین کس لینا
کودنے والی سیاہی مائل سرخ رنگ گھوڑی پر
میرے گھر کے پچھواڑے آ جانا
کسی گز درخت سے اسے باندھ لینا
وہاں میرے انتظار میں بیٹھ جانا
جب پنوں گایوں کی طرف جائے
اپنی بھینسوں کو لے جائے
جب بڑھیا سونے جائے
میں تیز تیز قدم اٹھاتی آؤں گی
تمہاری آغوش میں آجاؤں گی
ہم اطمینان اور خوش دلی سے بیٹھیں گے
جب صبح کا ستارہ ظاہر ہو
اس وقت مجھے جانے کی اجازت دینا
مبادا بزدل پنوں آجائے
مبادا بڑھیا جاگ جائے
اور تم رندوں کی محفل کو لوٹ جانا
سردار تمھیں ایلچی بھیج کر بلوائے گا:
رُہزن عالم دین کو بلا لاؤ
زبردست دشمنوں سے ہماری جنگ چھڑ گئی ہے
داجل اور رہڑند کے نوجوانوں سے
ہم بہت سے گھوڑے گھڑ سوار لے جائیں گے

ہزاروں کی تعداد میں فوجیں حرکت میں لائیں گے

اپنے جانی دشمنوں کو نیست دنابود کریں گے!'

اپنے بچے کو لوری دیتی ہوں

اللہ تعالیٰ میری دعا کو قبول کرے

لوری ۳

اے فلانی! لڑکیاں تمھیں بلا رہی ہیں
تاکہ تھوڑی دیر کے لیے مچل کر گیت گائیں
اے دوشیزاؤ، فلاں نہیں آسکتی ہے
وہ کام میں مصروف ہے
اپنے بھائی کی تقریبِ ختنہ کی شلوار سی رہی ہے
اپنے باپ کے لیے کرتہ سی رہی ہے
چچا کے تیر کش کے لیے پوش تیار کر رہی ہے
ماں کے لیے کشیدہ قمیص کاڑھ رہی ہے
اپنے لیے کو بصورت کرتے پر کشیدہ کر رہی ہے

لوری ۴

نازی نے اپنا خوب صورت خیمہ نصب کیا
درگنبدوں کہ جیسے پہاڑیوں کے اردگرد
گز کے چھدرے درخت کے قریب چشمے کے پاس
اپنے آباؤاجداد کے مسکن پر
اپنے باپ اور چچا کو طلب کرتی ہے
اس کے خوش وضع بھائیوں کو
اپنے چچا کے شیر دل بیٹوں کو
چچی کے سلیقہ مند بچوں کو
تم سب میرے گھر کی چاردیواری میں جمع ہو جاؤ
شمال کی طرف بادل چھا گئے ہیں
ایسا نہ ہو کہ تمہارے قیمتی ہتھیار بھیگ جائیں
ایسا نہ ہو کہ تمہارے کمان کے تیروں کو زنگ لگے
نوکرانیاں لاپرواہیں
بچھڑوں نے گایوں کا دودھ جنگل ہی میں پی لیا
اونٹنیاں گوجڑو سے نکل گئیں
اپنی بچی کو لوری دیتی ہوں

جوانی، بڑھاپا

حیدر بالا چانی کہتا ہے

اپنے بڑھاپے سے متعلق کہتا ہے

اے دولہا جیسی صورت والے جوانو، آؤ

اے شیر جیسے بہادر، و آؤ

جہاں تک تم سے ہو سکے اپنے دل کی حسرت نکال ڈالو

خوب صورت اور جوان گھوڑیوں کی سواری سے

حسینوں کی صحبتوں سے

امرا کی مجالس اور کچہریوں سے!

بڑھاپے نے مجھے وسوسے میں ڈال دیا ہے

یہ ظالم میرے تعاقب میں ہے

اس نے میرے شاہوں جیسے قد کو خم کر دیا ہے

خوں خوار اور ہیبت ناک شیر کی طرح مجھ پر چھا گیا ہے

میر رانیں اب مہمیز نہیں لگا سکتی ہیں

میرے بازو تیر و کمان کے قابل نہیں چھوڑے

گھوڑیوں کی سیمیں باگ پکڑتا ہوں تو میرے ہاتھ کانپتے ہیں

پنجہ، شیرازی تلوار کے قابل نہیں رہا

سرخ مسوڑوں میں کوڑیوں جیسے سفید دانت

پہلے کی طرح مضبوط اشیا کو کاٹنے کی طاقت نہیں رکھتے

میری آنکھیں دُور دیکھنے کی قوت سے محروم ہو گئی ہیں
کانوں کو داؤدی حسن ناگوار گزرتا ہے اور ہول آتا ہے
جب میرا عہد تھا اور میں جوان تھا
میرا قافلہ چوراہوں پر قیام کرتا تھا
میرے قلعے کے دروازے بند ہوا کرتے تھے
جب کسی مہمان کے آنے کی اطلاع ملتی تھی
میں خدام اور مراثیوں کو طلب کرتا تھا
وہ سرخ قالین اور غالیچے بچھاتے تھے
نوعمر مینڈھوں کے لیے چاقو تیز تھا
دیگچوں اور برتنوں میں دائماً مکالمہ رہتا
گوشت سے بھری ہوئی طشتریاں خوشی سے پیش کرتا تھا
میں نے یہ طشتریاں بلوچ مہمانوں کو پیش کیں
ہزارہا مہمانوں کے لیے میرا خوان بچھا کرتا
میرے گواہ دہ کٹے ہوئے درخت ہیں
وہ رہی میری گھوڑوں کا سایہ دار اصطبل
اور وہ میرے پانچوں وقت کی نماز کی جگہ
میری سواری عموماً کم سن گھوڑوں پر رہی
میرے خدام گھوڑی کے جلو میں دوڑا کرتے
میں عموماً میروں سے بالائی منزل پر ملاقاتیں کرتا تھا
اپنے ہم نشیں صاحبوں کے ہمراہ بیٹھتا
میں اس باوقار کرسی پر بیٹھتا

میں بیٹھتا اور قومی معالات حل کر کے عدل و احسان کرتا

مجھے کمخواب ایسی خاص قسم کی قبائیں دی گئیں

اور جب میں میروں کی قیام گاہوں سے لوٹتا

اور اپنے قبیلہ کی طرف

میرا دل گل گشت ہوتا تھا

سنگسیلا بھی جس کی ندیاں ہمیشہ تیز بہتی ہیں

گمبذ بھی جس کے چشموں کے گرد سبزہ زار رہتا ہے

میری نشست عالی مرتبت لوگوں کے ساتھ رہتی

اب میں اس دن کے لیے دعا کرتا ہوں

اے خداوندِ کریم مجھے ایمان عطا فرما

اس سفر تک جو مجھے درپیش ہے

اس طرح حیدر نے اپنا دور بھرپور گزارا

بیورغ ا

باہڑ کا فرزند، بیورغ کہتا ہے
سب سے مشہور رند کہتا ہے
اپنے عشقیہ اشعار کہتا ہے
شہزادی کولانے سے متعلق کہتا ہے:
قندھار عیش ونشاط کا باغ ہے
بادشاہوں کا مسکین ومقام ہے
ایک دن اس کی پررونق شاہراہ پر گھومتے گھامتے کیا دیکھتا ہوں،
ایک دریچے میں چاند جیسی صورت والی دوشیزہ نمودار ہوئی
میری عاجز روح نے فریاد کی
فارسی زبان میں اس محبوبہ نے کہا،
'میرے پاس اڑ کر آؤ
اپنی تلوار اور مضبوط ڈھال کے ہمراہ!'
خدا پر بھروکر کے روانہ ہوا
اپنی شاہی گھوڑی کے ہمراہ
میں نے سورہ یٰسین کا وِرد شروع کیا
یٰسین شریف کے زور اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے
میں حاجت مندوں کے ساتھ گیا

میرا دل طلائی ہار پہنی ہوئی محبوبہ کا مشتاق تھا

اپنی گھوڑی میں نے محل کے نیچے باندھی

میں آہنی میخوں کی مدد سے اوپر چڑھنے لگا

اوپر پر پہنچ کر میں نے محل کی خاتون کو پالیا

خوش دلی کے ساتھ میں سنہری پلنگ پر

سات شبانہ روز میں اس کے ہاں رہا

اس حسین دوشیزہ نے کہا،

جو حسن میں اپنے ہم عصروں کی سرتاج تھی،

'اے بیورغ، شرفا کے سردار

بادشاہ کو مجھ سے بے پناہ محبت ہے

دیکھنا کہیں اسے اچانک خبر نہ ہو

وہ ہم دونوں کو زندہ نہیں چھوڑے گا

اگر تم ایک جواں مرد ہو

بہتر ہے کہ مجھے اپنے وطن لے چلو!'

میں اپنی محبوبہ کی بات سمجھ گیا

ہم نے محل اور سنہری پلنگ چھوڑ دیا

اب جب ہم محل کے نیچے آئے

گھوڑی کو محل کے نیچے سے کھولا

محبوبہ کو سیاہ گھوڑی کی زین پر بٹھایا

ہم درہ بولان کی طرف روانہ ہوئے

سبی کے مضبوط قلعے کے قریب آئے

تو میری حسین محبوبہ نے کہا،

'اے بیورغ! شرفا کے سردار!

تم نے مجھ سے کہا تھا کہ میری بھاری فوج ہے

تمہاری تازی گھوڑیوں کے مالک رند کہاں ہیں؟

تمہارے ہم صحبت جوان کہاں ہیں؟'

میں نے اپنی محبوبہ کو جواب دیا،

'میر چاکر کی فوج میں چالیس ہزار جواں مرد ہیں

تیس ہزار شمشیرزن گہرام کی فوج میں ہیں'

حسین گراں ناز کہنے لگی،

'تمہارا دوست کون ہے اور دشمن کون ہے؟'

میں نے اپنی محبوبہ کو جواب دیا،

'چاکر میرا دوست اور گہرام دشمن ہے'

حسین گراں ناز نے کہا،

'چلیں اور گہرام کی آبدار تلواروں کی پناہ لیں

چاکر کو خود قرار نہیں آئے گا'

ہم بہادر گہرام کی آبدار تلوار کی پناہ میں آئے:

'اے گہرام! شرفا کے سردار!

آج تک میرا تم سے واسطہ نہیں پڑا ہے

میں شاہی عورت اغوا کر کے لے آیا ہوں

اگر مجھے پناہ دے سکتے ہو تو میں تمہارے پاس رہوں گا

اگر پناہ نہیں دے سکتے ہو تو پھر میں کوئی اور ٹھکانہ دیکھ لوں گا'

آب دار شمشیر کے مالک گہرام کی تیغ نے لہک کر جواب دیا،

'تشریف لاؤ، بلوچوں کے سردار!

اپنے دوست کے ہمراہ خیریت وعافیت سے رہو'

وہ خود اٹھا اور ہمیں جگہ دی

اس نے ایک شاہی محل خالی کرایا

اس نے ہمیں استراحت کے لیے پلنگ دیے

نقرئی پیالے اور سرخ قالین بچھے ہوئے

ایک طرف سے پلاؤ کے تھال آتے

دوسری طرف سے کباب کے سیخ

اور ایک طرف سے شراب کی بوتلیں

نہ میں نے کھائے، نہ میری محبوبہ نے

زیادہ حصہ دیواروں کے پاس گراتے

تھوڑا سا برتنوں میں رہنے دیتے

حسین گراں ناز نے کہا،

'بیورغ تمہاری اور لاشاریوں کی یہ کیسی عادت ہے

گھر بیٹھے ہوئے بھی تمہارے دل میں بغض ہے؟'

میں نے اپنے دوست کو جواب دیا،

'اس لیے نہیں کھاتا کہ کسی کا نمک کھانا اچھا نہیں

کہیں ایسا نہ ہو کہ میں کسی روز نمک حرام ہو جاؤں نی

میں نے شہر کے ایک ہندو (دکان دار) کو بلایا

ایک میمن (دکان دار) اسی وقت آیا،

’تم کیا کھانا چاہتے ہو تا کہ میں حاضر کروں؟‘

’جا کر مئے مشکبو لاؤ تا کہ نوش کریں

ہمارے لئے قیمتی پہناوے لاؤ‘

سات آٹھ روز تک درزی کو بٹھائے رکھا

اس دوران سات آٹھ سو روپوں کا مقروض ہو گیا

آب دار شمشیر کے مالک گہرام نے

اسی وقت ایک قاصد بھیجا

ولایت مآب چاکر کی خدمت میں،

’سردار، یہ مسئلہ نہ بچوں کا کھیل ہے اور نہ تماشا ہے

بیورغ نے ہم پر ایک بڑی ذمہ داری ڈال دی ہے

اس کے پاس بادشاہوں کی مغویہ ہے

افواج درہ بولان سے آگئے گزر گئی ہیں

امرا کے خیمے بے شمار ہیں اور مزید لگانے کے لیے جگہ نہیں رہی!‘

جب سورج سنہری برجوں کی اوٹ سے نکل آیا

میر چاکر کی فوجیں بھی آ پہنچیں

میر چاکر اور گہرام نے آپس میں مشورہ کیا

رندوں نے عربی گھوڑیوں کو باہر نکالا

کہ جا کر ہراول دستہ کو گھیر لیں

بیورغ نے کہا، ’میں خود جاسوسی کروں گا‘

تین دن اور تین راتیں خبر گیری کی

میں (بیورغ) خدا کے بھروسے روانہ ہوا

اپنی شاہی گھوڑی مَل پر

میں ہراول دستے کے قریب آیا

گھوڑی کو فوج کی جانب باندھا

یٰسین شریف کا ورد کیا

اللہ کے حکم اور یٰسین شریف کی برکت سے

میں مرصع تلوار کے ساتھ گیا

میں نے آ کر خیمے کے کونے سے جھانکا

میں نے ترک (سپہ سالار) کے پہرہ دار دیکھے

میں نے اپنی جوہر دار ہندی تلوار

میان سے نکال کر اس طرح وار کیا

کہ بجلی کی طرح اس کے جسم سے پار ہو گئی

خدا کے حضور پہنچ گیا اور میری راہ کھلی ہوئی تھی

میں نے خیمے کی مضبوط طنابیں کاٹ ڈالیں

میں نے سر دار کندھے اندر کیے اور جھانک کر دیکھا

وہاں میں نے فوجوں کے بادشاہ کو دیکھا

ترک پلنگ پر محو استراحت ہے

میں نے ہاتھ سے پکڑ کر ترک کو جگایا،

'میں ہی وہ نامی بیورغ ہوں،

مجھ سے یہ شیطانی فعل سرزد ہوا ہے

بادشاہوں کی شان درگزر کرنا ہے

درگزر نہیں کرو گے، تب بھی اختیار ہے

وہ رہی آپ کی تلوار اور یہ رہی میری گردن

(اس نے) مشیروں کو مشورے کے لیے طلب کیا

کچھ دیر کے لیے صلاح مشورے ہوتے رہے

مجھے معاف کر دیا گیا اور ایک برق رفتار گھوڑی عنایت گئی

مجھے سرخ ریشمی خلعت عطا کی گئی

خیموں کی مضبوط طنابوں کو لپیٹا گیا

فوجیں بولان کے راستے واپس روانہ ہوئیں

میں سبی کے مضبوط قلعے میں آ گیا

رندوں کی مجلس میں میں نے احوال بیان کیا

نہ مجھ پر کسی کا احسان ہوا

نہ رندوں کو کسی آزمائش سے دو چار ہونا پڑا

اور نہ لاشاری جوانوں کو میری خاطر نبرد آزما ہونا پڑا

اب خوشی اور اطمینان سے اپنے محبوب کے ساتھ رہوں گا

اور اس کے سنہری ہار سے دل بہلاؤں گا!

بیورغ ۲

سُوری کے دونوں جانب بادل ایسے برسے
جیسے باہر کے دونوں لڑکے اکٹھے جارہے ہوں
ایک صبح سویرے جب میں پیدل آرہا تھا
ایک دوشیزہ کو اپنی طرف آتے دیکھا
اپنے بازو اور کندھے چھم چھم ہلاتی ہوئی
دیکھنے میں ایک شوخ گھوڑی کی طرح تھی
دونوں آنکھیں شعلوں کی طرح دہک رہی تھیں
اس کی ناک تلوار کی طرح تھی
عشاق کے جسم میں اترنے والی تلوار تھی
میں لوہار بن کر اس کو تیز کروں گا
ان تالابوں کے تازہ پانی میں اپنے کپڑوں کو مت دھوؤ
شام کو میرے اونٹ یہاں پانی پینے آئیں گے
اے سرتاجِ نسواں! اس میں میرا قصور نہیں
میرے پاس تمہارے ان ملبوسات کی بھی قیمت نہیں ہے
تمہارے پاس تو ریشم کے کپڑے ہیں
تمہاری پاک دامن ماں کی جگہ جنت ہو
جس نے تم جیسی سرتاج حسینہ کو جنم دیا

اے مراثی پیر ولی، جلد آجا
آاور میری اس نظم کو ازبر کر لے
اوراس جگہ سنا دے جہاں گراں ناز سن سکے
یہ دنیا فانی ہے، یہ میلہ دو دن کا ہے
ایسا نہ ہو کہ اس فانی دنیا میں وہ مجھے بھول جائے
تمہارے حسین قد نے میرے دل کو ڈھارس دے رکھی ہے
اگر تم صحراؤں میں پھرنے والی غزال ہو
میں تمہارے جانب آنے والا ایک تو پچی ہوں
اگر تم برق رفتار عربی گھوڑی ہو
میں چابک بدست شہسوار ہوں
اگر تم لالہ صحرا ہو
میں شہد کی مکھی ہوں جو اس کے ارد گرد طواف کرتی ہے
جو ہر پھول کا بوسہ لیتی ہے
جب میں اپنے قبیلہ کی بستی کو آرہا تھا
احمد خان کو مخمور حالت میں دیکھا
پھر میں ئی پھبین، اور ُبہانی، کے مسکن پر گیا
میں نے ایک خفیہ قاصد بھیجا
کہ میری پری پیکر ہنس کا پتہ چلائے
اس کی پہچان یہ ہے: ہاتھوں میں انگوٹھیاں، گلے میں ہار
اور گلے میں چاندی کا تعویز
نتھ بادلوں میں بجلی کی طرح چمک دار

پاؤں میں بانات اور مخمل کی چپل

وہ میرے پاس آئی

چودھویں کے چاند کی طرح نور برساتی ہوئی آئی

نئے شادی شدہ جوڑے کی طرح خوشی کے ساتھ ہم مل بیٹھے

رات کے تین پہر سے بھی زیادہ دیر تک ہم مجلس کرتے رہے

جب میں پری پیکر ہنس سے رخصت ہوا

پھول کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے

اور اس کے حسین دامن پر گرنے لگے

ریحان ۱

ریحان خان کہتا ہے
اپنے محبوب کو مخاطب کر کے کہتا ہے،
'اے میرے دوست، گا گرا لوہار
میرے استاد ملا محمد بکر
میری گھوڑی 'شول' کے لیے عمدہ نعل تیار کر لے
نوکیلے میخوں کے ساتھ میرے پاس لے آ
تا کہ میں سلیقے سے (نعل) باندھوں
(نعل) مکھی کے پر اور نشتر کی طرح ہونے چاہئیں
جب دوڑنے کے لیے قدم اٹھائیں تو چمک جائیں
اور جب زمین پر (اکھر) مارے تو بلور کی چمکیں'
چاندنی راتوں نے مجھ سے کہا،
میدانوں سے لوگوں نے کوچ کیا ہے
پُر رونق جلنجو کو چھوڑ دیا
سونا اگنے والے بولان کی طرف رخ کیا

ریحان رند ۲

کل میں ایک پگڈنڈی سے آتا تھا
اپنی سیاہ گھوڑی پر جوشکار کی رسیا ہے
میری سیاہ گھوڑی دوڑ رہی تھی اور میں (اس کے ٹاپوں کی) آوازسن رہا تھا
اور دنیا ومافیہا سے بےخبر جار ہا تھا
جب میں بہت دور نکل آیا
مشکبو رشتہ دار اسحاق سے مڈبھیڑ ہوئی
میں اترا، چادر سے زانو بند ہو کر بیٹھا
جب کہ جام اسحاق (ڈھال) سے ٹیک لگا کر بیٹھا
میں نے اپنی بھوک 'پوپل' الائچی سے مٹائی اور
شانڑ (گھوڑی) نے گور (گھاس) چر کر
میں نے اپنا حال سنایا اور اس کا حال پوچھا
پہلے حال دینے کی پہل جام نے اسحاق نے کی
اس نے کہا کہ قبیلہ پرانی جگہ پر بستا ہے
لعل جیسی خوب صورت صدو علیل ہے
اسے سر درد کا عارضہ ہے
میں نے دکھی دل سے دعا کی،
'کاش تم نہ آتے اے عزیز اسحاق!
کاش تم نہ آتے، نہ میں تم سے حال پوچھتا

اور نہ تم سے یہ غمگین خبر سنتا‘

گایوں میں سے سیاہ گائے صدقہ کردوں گا

ریوڑ میں سے سرخ کانوں والی بھیڑ اللہ تعالیٰ کے نام کرتا ہوں

میرا خنجر، میرا چھرا، اور خراسان کی بنی ہوئی تلوار

میری سیاہ گھوڑی اور سازوسامان سے لیس زین

اور اپنا چلہی غلام آزاد کروں گا

یہ جملہ نذرانے اس لیے کہ میری محبوبہ تندرست ہو!

میں نے گھوڑی کو ایڑ لگائی اور تیز روانہ ہوا

جب میں خیموں کے قریب پہنچا

آ کر گھروں کے عقب میں بیٹھا

ایک لمحہ گزرنے نہیں پایا تھا کہ ہائے ہائے کی صدا بلند ہوئی

گھروں کے پچھواڑے اس کا خبازہ لے گئے

اس کی کالی زلفیں بکھر رہی تھیں

اس کی کونج جیسی گردن سے ہار نکال لیا گیا

کانوں سے بالیاں

ستواں نک سے سونے کی نتھ

اس کی نازک انگلیوں سے انگشتری

وہ کھدر کے کپڑے کفن زیب تن کیے ہوئے روانہ ہوئی

اس کی ماں اور ساس بین کر رہی تھیں

اس کا بھائی اور اس کا خاوند نالہ وفریاد کر رہے تھے

میں بھی مون سون کے بادلوں کی طرح برسا
میری مونچھیں اور داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی
اے منتخب جوانو، تم سے التجا ہے
اے امیروں کے جری بیٹو!
زندگی میں دل میں حسرت باقی نہ چھوڑو
اس دنیا کو میں نے گزرتے دیکھا ہے
پرسوں گاؤں کی مالکن چلی گئی!

میران ۱

صبح سویرے لال شہباز قلندر کو یاد کرتا ہوں
اے لعل شہباز مجھے ایمان کی دولت عطا کر!
اے کبوتر
میری محبوبہ کا کوئی پیغام
میری محبوبہ جو بہت ہی دور ہے
اے سبز کبوتر، میں تم سے التجا کرتا ہوں
اپنے بسیرے سے اڑ جا
پرندوں کے جھنڈ کو چھوڑ دے
میری محبوبہ کی قیام گاہ پر جا
اس کے بستر کے داہنی طرف بیٹھنا
وہ تمھیں اپنی آستین میں چھپا لے گی
پھر تمھیں اپنے خیمے میں لے جائے گی
بوڑھیوں کے خوف سے
پرندوں کی طرح اس سے چونچیں نہ لڑا
اپنے تیغ جیسے پنجوں سے!
ان سے میری محبوبہ کو جراحت نہ دینا
وہ تم سے ایک بار پوچھے گی،
تم کس جگہ کے پرندوں میں سے ہو

تم کیوں پریشان ہو؟

پھر اے سبز پرندے یوں جواب دینا:

'میں علاقہ لاہور کا پرندہ ہوں

اس لیے دبلا اور پریشان ہوں

راتوں کو بھوکا رہ کر دن کو سفر کرتا ہوں

میں ایک وسیع صحرا سے اڑ کر آ رہا ہوں

بڑی دشواریوں سے دریا کے کنارے تک پہنچ سکا

بہ ہزار دِقت محبوبہ کا خیمہ تلاش کر سکا

میرے پاس ایک جوان کا پیغام ہے

میرے پاس میرآن کا پیغام ہے

جو اپنے قبیلے کا قابلِ فخر شخص ہے!'

پھر بیبرڑی بولی،

'اے سبز پرندے، تم سے میری التجا ہے

تھوڑی دیر دم لے، یہاں بیٹھ جا

جب میرا خاوند گایوں کو چرانے لے جائے گا

اپنی ساس کو بچوں کی طرح سلاؤں گی

ترکوں کی طرح گھر پر حملہ کروں گی

اور بہت سی چیزیں نکال لوں گی

ہندو دکان دار کی طرح گڑ اور گندم

اچھی اور میٹھی مصری

مشکیزہ ے میں مکھن، سچا گھی

گائے کا شیریں دودھ

گاج کی بہترین گندم

یہ سب کچھ میرآن کے لیے لے جانا!'

میران نہایت اطمینان سے آیا

وہ میر کے لشکر کے ہمراہ آیا

میر چاکر کے ہزاروں فوجیوں کے ساتھ آیا!

میران ۲

ترجمہ :

رات کو ایک نئے خیال میں
میں نے ایک مدھر چال والی دلبر کو دیکھا
ہنستی ہے تو گریں مروارد
چلتی ہے زمین روشن ہو
میں نے نیند کی مسرتوں میں
محبوب کے ہونٹ دودھ کی طرح پیے
نیند سے جاگا
شیطان نے مجھے ورغلایا تھا
شیطان اگر آدم زاد ہوتا
تو میں اسے زناٹے دار تھپڑ مارتا
روتا ہوا جاتا اپنے گھر
میں اپنا قیمتی لباس اتار پھینکتا ہوں
کچکول اور سنکھ اٹھا لیتا ہوں
کتے کا ایک پلا ساتھ لیتا ہوں
ہم در در ٹھہرتے رہے
روٹی کے ٹھنڈے ٹکڑے مانگتے ہوئے
کہ اس طرف سے بادل آ گئے
فرشتوں نے شرارت کی

دوست کے خیمے کا پچھلا حصہ ہلا یا
کندھے بھیگ گئے
شاری کا دوپٹہ اور ہار بھی
آتا ہوں مراد بھرے خیمے تک
ملنگوں جیسی صدا لگائی میں نے
شاری نکلتی ہے ہنستی ہوئی
اس کا ہاتھ گڑ اور گندم سے اٹے ہیں
دایاں ہاتھ بغلگیر ہونے کو
مالکن کے پیروں میں پاذینک نامی زیور ہیں
میری بڑی مونچھیں اُس کے لبوں پہ
اُدھر سے جاگ گئی بڑھیا
بچو! کسی جوگی کی آواز ہے
یہ پیٹ کے اندوھوں کے ساتھ
بچوں کو لتاڑ نہ لے
شاری نے جواب دیا
جوگی نہیں اے گندی عورت
رند کا شاندار سردار ہے یہ
بہادر شہداد کا بیٹا ہے
گھوڑوں کا مالک
گائیوں اور بھیڑوں کے بڑے ریوڑوں کا
ٹھگ نہیں ہے تمہیں ٹھگا دیا اُس نے
یہ جوگی ہے اُن گھروں کا
جہاں شاری اور شلی رہتی ہوں

فرہاد

مختلف مما لک اور شہروں کی سیاحت کرتے ہوئے
ناموں میں سب سے اچھا نام شیریں کا
بادشاہ خود گویا ہوا، (کہنے لگا) :
'میرے پاس سو من وزنی پتھر ہے
جو شخص اس پتھر کو توڑے گا
میں شیریں کو اس سے بیاہ دوں گا'
بدمست شخص نے ہمت کی، اپنی کمر بلندھ لی
اپنے دائیں کندھے پر ہاتھ مارا
دوشیزہ شیریں نے کہا،
'اے پتھر موم بن کر پگھل جا
سیاہ سرمے کی طرح باریک بن جا
میرے عاشق کے ہاتھ کو ضرب نہ پہنچانا!'
سال بھر تک اس نے محنت کی
پتھر موم کی طرح نرم ہو گیا
سیاہ سرمے کی طرح باریک بن گیا
بادشاہ نے خود کہا،
'میں اسے بے شمار دولت دوں گا
بنا وزن کیے طلائے سرخ دوں گا (یعنی بے تحاشا)

جو اس عاشق کو قتل کرے گا'
ایک مکار بڑھیا نے کہا،
'میں بے حساب دولت طلب کروں گی
بے اندازہ طلائے سرخ لوں گی
میں اس عاشق کو قتل کروں گی'
تب وہ گریہ زاری کرتی آئی
فرہاد کے پاس آئی،
'اے بیٹے مجھے تمہاری محنت و مشقت کے لیے صد افسوس ہے
تم نے سال بھر تک محنت و مشقت کی
ایک دن بھی دیدار نصیب نہیں ہوا
آج حسین شیریں مر گئی
خداوند نے اس کے مرنے کا کوئی سبب بنایا'
(یہ سن کر)
فرہاد دوسرے روز مر گیا
پانی اس کی چھاتی پر سرد ہو گیا
اس کے مردہ جسم کو کاندھا دینے والوں نے اٹھایا
شاہی محل کے نیچے سے گزرے
دوشیزہ شیریں نے کہا،
'اے دایہ، ان لوگوں سے پوچھو
یہ کس کی لاش لے جا رہے ہیں'
لاش اٹھانے والوں نے جواب دیا،

'نوجوان فرہاد مر گیا ہے'

شیریں نے دایہ سے کہا،

'دایہ، میرے بالوں میں کنگھی چوٹی کر

میں چادر میں اپنے آپ کو لپیٹ لوں گی

میں اس عاشق کے دیدار کی پیاسی ہوں'

سلیقہ شعار دایہ نے کہا،

'فرہاد اصل میں ترکھان تھا

سندھ کا رہنے والا جغدال تھا'

دوشیزہ شیریں نے کہا،

اے کنیز فضول باتیں نہ کر

عشق ذات پات کی تمیز نہیں کرتا ہے!'

(اور پھر) دوشیزہ شیریں مر گئی!

خدا نے اس کی موت کا کوئی سبب بنایا

اگلے جہاں میں ان کا ملاپ ہوگا!

بالاچ

حسن کا فرزند بالاچ کہتا ہے
گورگیژ بلوچ کہتا ہے
خون کا بدلہ لینے والا بلوچ کہتا ہے
بیورغ تلوار والے کو لے
موندر شاید کم عقل تھا
وہ طفل تھا جس کی مت ماری گئی
تھان پر بندھی گائیں زبردستی لے گیا
جو دودا کے بھروسے پر قرب وجوار میں چر رہی تھیں
میر حمل کے ریگستانی علاقے میں
مالکوں کو غم و غصے میں چھوڑ دیا
وہ غصیلا بہادر شیر
ہمیں تمھیں اور دشمنوں کو
آپس میں کوئی ایسی رنجش نہ تھی
اور نہ آپس میں مال مویشی بانٹے تھے
تم نے دیکھا کہ دودا ناراض تھا
وہ برہم ہو کر آیا
تمھیں گھوڑی کی ٹانگیں کاٹ دینی تھیں
اس کا منہ خون سے بھر دیتے

دودا پیادہ حملہ کرتا

پاؤں میں سرخ موزے

ہائے، دودا کا وہ پیٹھ کے بل گرنا

تم نے بہادر رئیس کو قتل کیا

چندرام اور دلیر کاڈری کو بھی

اس کو قتل کرنے کے بعد خیال نہ کیا

اے دودا، تمہارے قیمتی ہتھیار

بادشاہوں کے سے ہتھیار

ڈاکوؤں کی طرح لوٹ کا مال سمجھ کر بانٹ لیے

مکھن فروخت کرنے والے زرہ بکتر لے گئے

شہروں شہروں پھراتے رہے

دوشیزاؤں نے غائیت رنج سے انھیں دیکھا

وہ خون کے آنسو بہاتی تھیں

کندھوں اور سینوں کے کشیدہ کاڑھے ہوئے ملبوس

وہ باہم گریہ کر کے تر کرتی رہیں

تم نے ان بہادروں کو قتل کیا

تمہارے خیال میں کہ بلوچ لاوارث ہیں

جب سفر سے لوٹ آیا ہوں

گھوڑوں کو کھلا ہوا پاتا ہوں

وہ شہر سے باہر پھرتے ہیں

بچوں کو برہنہ دیکھتا ہوں

دھوپ میں پڑ کر سو جاتے ہیں

محبوبہ بال نہیں سنوارتی ہے

اور نہ کندھوں پر پھیلاتی ہے

مارے دکھ کے میرا جسم جل اٹھتا ہے

جل کر کہیر (ایک درخت) کا انگارہ بن جاتا ہے

موم کی طرح پگھل کر ختم ہو جاتا ہے

میرے قیمتی لباس میں

عموماً دل سے یہی جھگڑا رہتا ہے

دل مجھے اس طرح جواب دیتا ہے:

بالاچ شیر ہے اور گرج ہے

بیورغ نے جو قرض اپنے ذمہ لگالیا ہے

اس دولت سے وہ سفید ملبوسات اور قیمتی شالیں نہیں خرید سکے گا

خراسانی قبائیں اور مال و منال

بخشنے کے لیے وہ خرید نہ سکے گا

میری ئی چیلک، گھوڑی ہوگی

دودا کی مرصع تلوار

رئیس کی شیرنی گھوڑی اور

بیورغ کی بیل جیسی (موٹی)، گردن

شہ مرید اور حانی

رندوں نے ایک دربار منعقد کرنے کا اہتمام کیا
میر چاکر کے محل کے قریب
میر چاکر نے پوچھا،
'رات کو کتنی بار بجلی چمکی؟'
کسی نے گواہی نہیں دی:
'اے سردار! بادلوں کا نشان تک نہیں تھا
بادلوں کے بغیر بجلی کیسے چمک سکتی ہے
موسم سرما کی سرد رات میں'
دیوانے مرید نے کہا،
'اے سردار! مجھے معاف کردے
میں آپ کو سچ سچ بتاؤں گا
سچ بتانے والوں کو قتل نہیں کرتے
درست نشانیاں بیان کروں گا
رات بجلی تین بار چمکی
تیسری بار چمک غیر معمولی تھی
پہلی دو دفعہ بہت تیز چمکی تھی'
میر چاکر نے فرمایا،

’واہ واہ مبارک! اپنے بیٹے کی سنو
اس کے جھوٹے قصے کو سنو
چاکر کی ماہ پیکر بیوی کے متعلق‘
مبارک نے اپنا جوتا نکالا
مرید خان کے سر پر لگایا،
’مرید بدکاریوں اور برے افعال کو ترک کر دو
چاکر کی ماہ پیکر بیوی کے کچھ نہ کہنا
میر چاکر برا شخص نہیں ہے
ان کے معمولی اشارے پر ہزاروں رندا ٹھتے ہیں
ہتھیاروں سے لیس اصیل گھوڑوں پر‘
دیوانے مرید نے جواباً کہا،
’’اگر وہ امیر چاکر ہے تو میں شئے (فقیر) ہوں
میں بھی کوئی برا شخص نہیں ہوں
اگر وہ ہزاروں جوانوں کے ساتھ اٹھتا ہے
تو میں بھی اپنے ہمزاد فقرا کے ساتھ
اچھا ہے کہ تم نے میری محبوبہ کو نہیں دیکھا
محلوں میں قیام کرنے والی پری
شہروں کی پریاں سولہ سنگھار کریں
حانی سادہ کپڑوں میں
یہ میری ہی ہمت ہے کہ میں اب تک حواس میں ہوں
میں زنجیروں میں جکڑا ہوا نہیں ہوں

نہ میرے ہاتھ میں ہتھکڑیاں ہیں
کہ لوہار انھیں آگ میں رکھے
دھونکنی کے ساتھ گرم کرے
اگر میں دیوانہ ہوں
کیوں لعنت ملامت کرتے ہو
ملاؤں کو کاغذوں کے ڈھیر کے ساتھ (کیوں طلب کرتے ہو)
ہاتھ باندھ کر اور سر جھکا کر
مبارک کے جوتا مارنے کے بعد
میں نے قسم کھائی ہے کہ اپنا سر منڈا دوں گا
اپنے قیمتی ہتھیاروں کو ترک کر دوں گا
جسم سے قیمتی لباس کو بھی
ان کو میں میر مندوؔ کو دے دوں گا
حانی کے بادشاہ صفت باپ کو
حسین حانی ان کا خیال رکھے گی
بارشؓ، نمی اور بادلوں سے،
تا کہ کالوؔ اور عالیؔ کے کام آ سکیں
گھوڑیوں کو بندھا ہوا چھوڑ کر جاؤں گا
خیمے کے دروازے پر
ستر کے لیے گز بھر کا کپڑا کافی ہے
میں ان لوگوں کے ہمراہ جاؤں گا
صحرا کے ننگے پیر بھائیوں کے ہمراہ

میں حج کے لیے جاؤں گا
حج کی درگاہ کی زیارت کروں گا
تیس برس وہاں گزاروں گا!'

تیس برس اور کچھ زائد گزار کر
ایک دن جب میں واپس ہوا
رندوں کی اک بستی میں میرا گزر ہوا
رند نشانہ بازی میں مشغول ہیں
رند تیراندازی کر رہے ہیں
میر چاکر کے خیمے کے قریب
اب چلہ کھینچ کر میں نے نشانہ لگایا
تو رندوں نے شبہ کیا
مبادا یہ وہی خوش پوش مرید ہو
آہنی کمان کا مالک
'مرید کا تیر کمان لے آؤ!'
میرا آہنی تیر و کمان لائے
(میں نے) بوسہ دیا اور آنکھوں پر رکھا
کمان پر رسی چڑھائی
پہلا تیر ہی نشانے پر لگا
جب دوسرا تیر پہلے کے برابر لگا
تو رندوں کو یقین ہو گیا کہ میں مرید ہوں

''یقیناً یہ خوش پوش مرید ہے
آہنی کمان کا مالک ہے!''
تب اور حانی مشکبو مرید (ملے)
ایک کمرے میں ان کو بٹھایا
سرکش اونٹ کی طرح مرید مست ہے
دیوانے مرید نے کہا،
'اس وقت جب مجھے تمہاری ضرورت تھی
پتھر جیسے دل میں محبت نہ تھی
میر چاکر کی محبوبہ بنی رہی
اب جب بندوق میں بارود نہیں رہا
اب میں تمہارے قابل نہیں
مجھے اپنے فقیر دوستوں سے جدا نہ کر
میری آنکھوں کی بینائی نہ چھین'
اب مرید لوٹ گیا
تب رند عورتوں کو تشویش ہوئی
حانی نے اپنی سہیلیوں سے کہا،
'میں اپنا دوپٹہ اپنے گلے میں ڈالے
بیس قدم تک اس کے استقبال کو جاؤں گی
شاید مرید کو واپس لا سکوں
قلندروں کے گروہ سے
اگر مجھ سے ملتفت نہ ہوا

تو اس سے کوئی نشانی لوں گی،

یہ مرید کا جواب ہے،

'میرے ہاتھ کی نشانی گم ہو جائے

میرا دل گناہوں سے بوجھل ہو جائے، اگر میں دوسری نشانی دوں!

مائی حانی

بالا چاپینوں کی مائی نغمہ سرا ہے
میر دوست کی دختر مائی حانی کہتی ہے
سالار کی دختر رانی نغمہ سرا ہے
مٹھا کے لیے دعا کرتی ہے
اللہ تعالیٰ کی بخشش مجھے قبول ہے
اللہ تعالیٰ محتاجوں کو خوشی و شادمانی عطا کرے
اللہ تعالیٰ محتاج دلوں کو نرینہ اولاد عطا فرمائے
اچھے رفیق شہزادوں کو عطا کرتا ہے
خدا اچھے برے، سب کو گھوڑیاں عطا کرتا ہے
اے الٰہی تو ہر کسی باپ کے بیٹے کو جوان کر دے
اور (میرے) سلطان صفت مٹھا کو جوان کر
اس نے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی ہے
اسے عالموں کی شیریں زبانی حاصل ہے
جب جوان گھوڑے دوڑائیں
تو وہ شیرنی جیسی چھلانگ لگانے والی گھوڑیاں دوڑائے گا
اور شوخ وطراز دوشیزاؤں کو اپنی محبت میں گرفتار کرے گا
مٹھا چمکتی رکابوں میں پاؤں ڈالے گا

اور ہندوستان کی بنی ہوئی تلوار کو باندھے گا

اس کی سلیقہ شعار بہن دانیانی نی تالی بجائے گی

مٹھا کی شادی میں رقص کرے گی

شادی کے تحائف میں سرخ کپڑے اور دوپٹے آرہے ہیں

کانوں کے لیے سونے کی خوب بصورت بالیاں

مٹھا کا باپ ڈھول بجائے

اس کے قریب بیٹھے ہوئے مٹھا کو لوگ انعام دیں

گھوڑی زین اور لگام کے ساتھ بخش دے

اپنے ہاتھ کے تیر دکمان کو بھی

آج کا دن حج کی طرح خوشی کا دن ہے

آج اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے بادل چھا گئے ہیں

خراسان کے بادل خوب برسے

ان سے موتیوں کی طرح بوندیں چمکیں

میرے مٹھا کے ہنرے ہتھیار بھیگ جائیں

مشہور زمانہ ہزاروں کی قیمت والی بندوق بھی

حریر کی پوش والی پھول دار ڈھال کو بھگو دے

سیروں اور منوں وزنی تلوار

تیرے چمک دار نقرئی خنجر اور کاٹار بھی

گھوڑی کے چہرے پر پڑی ہوئی ریشمی چادر بھی بھیگ جائیں

آجائے پاک نماز پڑھنے والا مٹھا

تیرا جانی دشمن نہ آجائے

جو مارے حسد کے دیوانے ہیں

میرے بیٹے کی شادی کے جشن میں

بڑے بڑے نقارے بجیں

نقارے ہمیشہ اسی طرح گونجتے رہیں

اے مٹھا! میرا تخت تیرے لیے ہمیشہ قائم رہے

رسول ﷺ کے دستِ مبارک کے صدقے ترا مقدر سلطانوں کا ہوں

مٹھا کے دلی احباب کو لاؤ

زرخرید غلاموں کو بلاؤ

اچھے مغینوں کو طلب کرو

تیل اور گاچی سے بھرے ہوئے کٹورے لے چلیں

اس کے بھائی اسے نہر پر لے جائیں

صدہا تمناؤں سے اس کے بال دھولیں

پھر اسے حجلہ عروسی تک لائیں

وہ پلنگ جو سفید پردوں سے مزین ہے

اس پلنگ پر جو مشک سے معطر ہو

اس کے چاروں پاؤں صندل کی لکڑی کے بنے ہوئے ہوں

لحافوں پر موتی جڑے ہوں

پلنگ سے نیچے ایک چمک دار طشت ہے

اس طشت میں شراب رکھی ہوئی ہے

شراب پی کر ہاتھوں پر مشک ملتا ہے

دلہن کا اس کی سہیلیوں نے سنگھار کیا ہے

سرخ دوپٹہ جس کے کنارے ریشم سے مزین ہیں
گلے میں بادام کے دانوں کی لڑی ہے
گاؤں کی مالکن کو نصیحت کرتی ہوں
میرے بیٹے کی قدرو قیمت سمجھے
سر پر سنہری خود پہنتا ہے
جسم پر چاندی کی زرکاری قبا ہے
آج دلہن کی ماں بے حد خوش ہے
خوشی کے مارے سجے خیمے میں آرام سے نہیں بیٹھ سکتی
جب اپنے جامہ زیب داماد کو دیکھتی ہے
چاند پیکر بیٹی کو حجلہ عروسی میں
میرے بیٹے کی شادی کے جشن میں
مال دار پہاڑوں کی چوٹیوں سے اتر آتے ہیں
کسی کے پاؤں میں ہرات کی اور کسی کے پاؤں میں پیش کی بنی ہوئی چپلیاں ہیں
'گاٹیت' کی چوٹیوں پر بادل برسیں
'کڑبو' میں زبردست سیلاب آئے
شادی کے اس جشن میں بارہ ہزار سے زیادہ لوگ شامل ہوں
جملہ قبیلوں میں مزاری طاقت ور ہے
اگر ان کو شمار کیا جائے تو لاکھ سے تجاوز کریں
اے خدا میری اس التجا کو قبول کر!

ہانی، شہ مرید کا مکالمہ

شہہ مرید

بارش نے ایک دھوکہ دیا
مجھے بیابان میں آن پکڑا
میرا مضبوط کمان بھگو ڈالا
میرا رباب اپنے پوش کے ساتھ
بدن خوب صورت لباس کے ساتھ
نم اور ٹھنڈک، سیر وسیاحتوں میں
برس کر واپس لوٹتی ہیں
میں نے شیر کی طرح بدن جھٹک دیا
شیر کی طرح چُست ہوا
آنکھیں اُسی برج پر مرکوز کیں
جہاں حسین ہانی رہتی ہے
ہانی میں التماس کرتا ہوں
منت وزاری کرتا ہوں
مجھ سے گل چیں نہ چھین
میں نے باغ سے ہر نوع کا پھول چُن لیا
اپنا دامن پھولوں سے بھرا

میری بڑی دستار میں پھول

تمہارے ہار کے کناروں پہ پھول

تمہارے عشق میں پروانہ ہوں

ہاتھ سے سانپ پکڑتا ہوں

کالے سانپ مرے ہاتھ کے چابک ہیں

ہانی، اے لڑکیوں کی سربراہ

ہانی، اے چمکتی آسمانی بجلی

جو دور بادلوں میں چمکتی ہے

جلا ڈالنے والے غموں کو دور کرنے والی

ہانی تمہیں حضرت علیؓ کا واسطہ

مجھے دیکھ کر دوپٹے سے چہرہ نہ چھپا

ہم سے سرد مہری نہ کر

ہانی:

انمول، دردانہ ہانی کہتی ہے

تم نے اپنے اُسترہ دیے سر اور زرہ

منگیتر کے نام پہ

اچھل کود میں ہار دیے ہیں

اپنی سیر شکمی لاپرواہی میں

جب تک مجھے اپنی خواہش تھی

شیہہ میرے بارے میں سوچتا تک نہ تھا

بھلا کوئی اپنی اچھی چیزوں کو

گھر کے محبوب ترین فرد کو

تحفے اور بخشش میں کسی کو دیتا ہے؟

بھلا کوئی اپنی گھوڑی اور زریں لگام وزین کو

اپنے جسم کے امیری اسلحہ کو

ہاتھ کے تیر کمان اور تیر کو

بخشش میں کسی کو دیتا ہے؟

شہہ مرید:

کہا سفید لباس مرید نے

ہانی مجھ پر تیر نہ چلا

میرے سینے کو نشانہ بنا کر نوکیلے تیر نہ مار

اس طرح میری جان نہیں جائے گی

تم اپنے خاوند کا تیر کمان لے لو

دو گوش خنجر لے لو

یا میر چاکر کی سبزی مائل شمشیر

میرے پاک پہلو کے پار کر

(تا کہ) خون ابل کر بہے

دھڑام سے تمہارے سامنے گر جاؤں

تمہاری یادوں کے غم سے نجات پالوں

تم دوپٹے کے پلو سے خون صاف کرنا
سونا پہنے معطر ہاتھوں سے
حنا لگی انگلیوں سے
ہانی تمہارے گھر کے سامنے

اور جب صبح کو سہلیاں آجائیں
شاریؔ آئے، اداؤں بھری شلیؔ آئے
وہ خوب صورت چال چلنے والی مہلوؔی
ماہ رنگ مُذیؔ اور مہروؔی
اور تم سے یہ پوچھیں
"بڑی شان والے شیہہ کو کس نے مار ڈالا
وہ تو کسی کی برائی دشمنی میں نہ تھا"
تو تم اپنے آپ سے تہمت دور رکھنا
(کہنا) "شیہہ کو شب گردی سے
ہر وقت روکتی رہی ہوں
میر چاکر کی گھوڑی نے اسے مار دیا"

میں اگر مجنون اور جوگی بن گیا
میں اگر پاگل ہو گیا
(تو) میرے لیے عالم نہ لانا
ملّا کو ھینگ لگے کاغذوں کے ساتھ نہ لانا

حکیم امراض کو ٹھیک کرتے ہیں
زخموں کا علاج طبیب کرتے ہیں
سانپ کاٹے کا علاج منتر والا کر سکتا ہے
جن اگر آ جائیں تو فقیر لوگ انہیں نکال سکتے ہیں
لیکن عشق کے دیوانے تندرست نہیں ہوتے
میں نے آج تک ایسے کسی مریض کو تندرست ہوتے نہیں دیکھا

جب تک کہ محبوبہ ہاتھ نہ تھامے
اپنے خوب صورت خیمے تک نہ لے جائے
بازو سر کے نیچے نہ رکھے
اپنے باریک ہونٹ نہ دے

ہانی:

سہیلیوں، ہم عمروں نے
آ کر میرا ہاتھ پکڑ لیا
کشیدہ کی ہوئی قمیص پہنائی
خوب صورت دوپٹہ اوڑھایا
گلے میں ہار اور زیور پہنائے
گھر سے باہر لے گئیں
سیر، نظاروں اور گھومنے کو
ہانی مناظرِ صبح میں

وہ تو ہم عمروں میں قوسِ قزح ہے

سونا چاندی مروارد ہے

دوسری طرف سے ملنگ و درویش قطاریں آئے

سب سے آگے دیوانہ مرید ہے

اپنے دونوں کندھے جھاڑتا ہوا

اُس نے مجھے پہچان لیا

میں نے اُسے پہچان لیا

بہنو مجھے گھر لے چلو

میری طبیعت ٹھیک نہیں

آتشیں بخار نے آن لیا

میر چاکر نے جو پوچھا

ارے ہانی تمھیں کیا ہو گیا

دردانہ ہانی نے کہا

جانتی ہوں کہ میر چاکر ہو تم

شیہک کا جواں مرد بیٹا

رندوں کا طاقتو رحکمران

پھر بھی شہیہ کا بدل بالکل نہیں ہو سکتے

☆☆☆☆☆